

خیر آبادی سلسلہ علم و فضل کے احوال و آثار

# خیر آبادیات

اسید الحق قادری بدایونی

ناشر

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

سلسلہ مطبوعات (72)

**khairabadayat**  
By : Usaidul haq qadri

عنوان کتاب : خیر آبادیات  
مصنف : اسیدالحق قادری بدایونی  
طبع اول : ۲۰۱۱ء/۱۴۳۲ھ

مصنف سے رابطے کے لیے

Madrssa Alia Qadria, Maulvi Mahalla,  
Budaun-243601 (U.P.) India

Phone : 0091-9358563720 - Email: qadriusaid@yahoo.com

*Distributor*

**Maktaba Jaam-e-Noor**

422, Matia Mahal,  
Jama Masjid, Delhi-6

*Publisher*

**Tajul Fuhood Academy**

Budaun

## انتساب

سلسلہ خیر آباد کے عناصر رابعہ  
شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی  
تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی  
استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ رامپوری

اور

مولانا فیض الحسن سہارنپوری  
کی علمی عظمتوں  
کے نام

## فہرست مشمولات

3	انتساب
9	اظہاریہ
14	دعائیہ کلمات - حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری
16	آئینہ خیر آبادیات - مولانا یسین اختر مصباحی
17	خیر آبادیات میری نظر میں - ڈاکٹر سلمہ سیہول
18	تأثر ممتاز - ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی

### خیر البلاد - خیر آباد

19.....21

#### خانوادہ خیر آباد

22.....25

22	تاریخی پس منظر
22	مولانا فضل امام خیر آبادی
23	علامہ فضل حق خیر آبادی
24	مولانا عبدالحق خیر آبادی

### خانوادہ خیر آباد کی اہل علم خواتین

26.....32

26	بی بی سعید النساء خیر آبادی
27	بی بی ہاجرہ خیر آبادی
29	بی بی رقیہ خیر آبادی

### مدرسہ خیر آباد

33.....38

33	تاریخی پس منظر
35	نصاب تعلیم

خیر آبادی طریقہ درس اور اس کی خصوصیات

39.....43

خیر آبادی اساتذہ کی شفقت

44.....49

خیر آبادی تلامذہ کی عقیدت

50.....61

51

مولانا ہدایت اللہ رامپوری کی عقیدت و محبت

52

اساتذہ کی تقریر اور اداؤں کا استخراج

55

اساتذہ کی کتب سے محبت

55

مولانا حکیم برکات احمد ٹوکی کی عقیدت

58

مولانا عبد الجلیل سرحدی

60

مولانا عبد القدیر بدایونی کا ادب

استاذ بھائی کا رشتہ

62.....65

بدایوں میں سلسلہ خیر آباد

66.....78

66

مولانا سناء الدین عثمانی بدایونی

67

مولانا نور احمد عثمانی بدایونی

68

تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی

71

مولانا عبد القدیر قادری بدایونی

73

تاج الفحول کے تلامذہ

74

مولانا شاہ عبد الصمد سہوانی

75

مولانا عبد المقتدر قادری بدایونی

76

مولانا محبت احمد قادری

77

علامہ یعقوب بخش راغب بدایونی

کتب خانہ قادریہ میں خیر آبادی نوادر

79.....88

79

قلمی کتب و رسائل

86

نایاب مطبوعات

## فضل حق، فضل رسول اور آزرده

89.....102

- 92 علامہ ریاست الوریس  
 93 لطیفہ  
 94 بے مرج کی کھیر  
 94 علامہ بدایوں میں  
 95 علم و فضل اور خدمات کا اعتراف  
 96 کتابوں پر تقریظات  
 99 فتاویٰ کی تصدیق  
 99 حق کا دفاع  
 100 نواب صدیق حسن خاں کی ایک روایت

علامہ فضل حق خیر آبادی اور حافظ محمد علی خیر آبادی

103.....104

علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی

105.....139

- 105 اولین صدائے احتجاج  
 109 تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان  
 114 دہلی کا تاریخی مناظرہ  
 114 رسالہ یک روزی  
 115 مسئلہ امتناع وامکان نظیر کے دلائل  
 120 توہین رسالت کا قضیہ  
 127 مسئلہ امکان کذب  
 131 مفتی آزرده کی تحریر  
 135 تحقیق الفتویٰ

علامہ فضل حق کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں

140.....161

- 141 مولوی عبداللہ کاندھلوی سے مناظرہ اور علامہ کی شکست

142	شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ کا تحریری مناظرہ
144	علامہ فضل حق خیر آبادی کی توبہ
157	مولوی امیر احمد سہسوانی اور مسئلہ امکان نظیر
	<b>علامہ فضل حق خیر آبادی اور سید حیدر علی ٹوکی</b>
	<b>162.....171</b>
164	رسالہ امتناع النظیر
167	قصیدہ ہجو یہ
168	فتویٰ تکفیر
	<b>علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی</b>
	<b>172.....182</b>
173	روداد مباحثہ اول
175	روداد مباحثہ دوم
175	حواشی صدر ابراہن اعتراضات
177	ہدیہ سعید یہ پراعتراضات
179	تقریظ منتہی المقال پر تنقید
180	قصیدے پر تنقید اور جواب تنقید
182	شرح ضابطہ تہذیب پراعتراض
	<b>علامہ فضل حق خیر آبادی کے علمی معرکے</b>
	<b>183.....201</b>
184	شیعہ مجتہد سے مناظرہ
187	عقول مفارقة میں لزومات اعتباریہ پر ایک علمی معرکہ
194	قائل امکان کذب کی تکفیر کا قضیہ
198	مولانا سراج احمد سہسوانی سے مباحثہ
	<b>مولانا عبدالحق خیر آبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے</b>
	<b>202.....216</b>
202	مولانا عبدالحق فرنگی محلی سے علمی معرکہ
207	مولانا فضل حق رامپوری اور حاشیہ میرزا ہد
211	مناظرہ رامپور

لطائف خیر آباد  
217.....220

217	ہر بات کا جواب قرآن سے
217	خضاب
218	درس کا لطف
218	شیخ الرئیس کے کلیات
219	اعتبارات
219	خود پسندی
220	نسخہ یافتوی

انڈمان کا ایک سفر  
221.....222  
خیر آبادیات پر تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی کام  
223.....235

223	مولانا عبداللہ بلگرامی
224	مولانا برکات احمد ٹوکی
224	مولانا سلیمان اشرف بہاری
225	مولانا عبدالحکیم شرف قادری
227	حکیم محمود احمد برکاتی
229	مفتی انتظام اللہ شہابی
229	مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی
230	مولانا یسین اختر مصباحی
231	ڈاکٹر سلمہ سیہول
234	علامہ فضل حق خیر آبادی پر تحقیقی مقالے
236	ضمیمہ (۱) مولانا فضل رسول بدایونی اور سید حیدر علی ٹوکی
242	ضمیمہ (۲) روداد مناظرہ دہلی
247	حواشی
258	کتابیات



## اظہاریہ

استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی کی وفات جزیرہ انڈمان میں اگست ۱۸۶۱ء میں ہوئی، اس حساب سے اگست ۲۰۱۱ء میں علامہ کی وفات کو ڈیڑھ سو سال مکمل ہو رہے ہیں، یہ اطلاع مجھے مولانا یسین اختر مصباحی نے نومبر ۲۰۱۰ء میں ایک ملاقات کے دوران دی، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ اس موقع پر علامہ کی یاد منانے کا ایک جامع منصوبہ تیار کر رہے ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم بھی اس موقع پر کچھ لکھو یا بدایوں میں کسی تقریب کا اہتمام کرو، بعد میں مولانا خوشتر نورانی نے جام نور کا خصوصی شمارہ نکالنے کا عزم ظاہر کیا، تو میں نے سوچا کہ اسی خصوصی شمارے کے لیے کوئی تفصیلی مضمون لکھ دوں گا، جو میری اور مدرسہ قادریہ کی طرف سے علامہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت ہو جائے گا، لہذا ”علامہ فضل حق خیر آبادی کے علمی معرکے“ کے عنوان سے ایک مضمون کا ذہن بنایا، شروع میں اندازہ تھا کہ یہ مضمون جام نور کے ۱۲/۱۰ صفحات میں مکمل ہو جائے گا، لیکن جب مضمون کے خاکے کو ذہن سے کاغذ پر منتقل کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ مضمون طویل ہو جائے گا، پھر اسی دوران مولانا یسین اختر مصباحی اور مولانا خوشتر نورانی سے گفتگو ہوئی تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ جب کام کر رہی رہے ہو تو باقاعدہ تفصیلی کام کرو تا کہ ایک مکمل کتاب کی شکل بن جائے، میں نے حضرت اقدس والد گرامی سے اجازت لی اور کام کی تکمیل کے لیے دعاؤں کی درخواست کے ساتھ مارچ ۲۰۱۱ء کے وسط میں کام شروع کیا، اور اب جولائی کے آخری ہفتے میں اللہ کے فضل سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔

لفظ ”خیر آبادیات“ سب سے پہلے میں نے نادم سیتا پوری کے ایک مضمون میں پڑھا تھا، لفظ پسند آیا، کتاب کے مندرجات سے مطابقت بھی تھی اس لیے اسی کو میں نے کتاب کے عنوان کے لیے منتخب کر لیا۔

خیر آبادیات کے سلسلہ میں باغی ہندوستان، حکیم محمود احمد برکاتی کی تصانیف اور مفتی انتظام اللہ شہابی کی تحریریں بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں، ان کتابوں کے بعد (کچھ مقالات و مضامین کے استثناء کے ساتھ) جو کچھ بھی لکھا گیا وہ عموماً انہیں کی روشنی میں لکھا گیا اور خیر آبادیات کے سلسلہ میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکا، ڈاکٹر قمر النساء صاحبہ کی پی. ایچ. ڈی کا عربی مقالہ اس معنی میں اہمیت رکھتا ہے کہ وہ علامہ پر پہلی پی. ایچ. ڈی ہے، ورنہ مقالے کا زیادہ تر حصہ باغی ہندوستان میں بہم کی گئی معلومات پر مشتمل ہے، اس کے بعد یونیورسٹیز کے وہ مقالے جو علامہ کی عربی شاعری یا کلامی و فلسفیانہ نظریات کو موضوع بنا کر لکھے گئے ان سے کچھ نئے گوشے ضرور سامنے آئے ہوں گے، مگر یہ مقالے عام اہل علم و قلم کی دسترس میں نہیں آ سکے، ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر سلمہ سیہول (پاکستان) کی کتاب ”علامہ محمد فضل حق خیر آبادی“ منظر عام پر آئی، اس کتاب نے باغی ہندوستان پر قدرے اضافہ کیا، ساتھ ہی مصنفہ نے متانت اسلوب اور تحقیقی منہج کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا، ڈاکٹر سلمہ سیہول کا دوسرا کارنامہ علامہ کے عربی دیوان کی ترتیب و تعلق ہے، جس پر انہیں پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی، خیر آبادیات کے باب میں اس دیوان کو ایک قابل قدر اور اہم اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ خیر آبادیات کے سلسلہ میں اب تک دستیاب شدہ معلومات میں کچھ اضافہ کر سکوں، اس کتاب میں آپ کچھ ایسے مباحث، واقعات، شخصیات اور کتب و رسائل کا ذکر پائیں گے جو شاید اس سے پہلے روشنی میں نہیں آ سکے ہیں، مثال کے طور پر علامہ کی مفتی سعد اللہ مراد آبادی، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی اور مفتی صدر الدین آزادہ کے ساتھ قلمی معرکہ آرائی کی تفصیلات غالباً پہلی مرتبہ منظر عام پر آرہی ہیں، شاہ اسماعیل دہلوی اور سید حیدر علی ٹوکنی سے علامہ کے اختلاف اور مناقشات کا تذکرہ تو بہت ہوا ہے، مگر تاریخی ترتیب کے ساتھ تحقیقی انداز میں اس پر کم لکھا گیا ہے، میں نے اس اختلاف کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے بہت سے نئے پہلو سامنے آئے ہیں۔ اگر کچھ مشہور و معروف مباحث اور واقعات کا ذکر کتاب میں کیا گیا ہے تو یا تو انہیں کسی نئے زاویہ سے پیش کیا گیا ہے، یا پھر ان پر بعض شکوک و شبہات ہوں گے جن کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

علامہ کے مجاہدانہ کردار پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، بلکہ زیادہ اسی پر لکھا گیا ہے جس کے نتیجے میں علامہ کی کتاب حیات کے بہت سے اوراق پردہ خفائیں رہ گئے، دوسرے یہ کہ اس موضوع پر مولانا خوشتر نورانی تحقیقی کام کر رہے ہیں انہوں نے اس سلسلہ میں بہت سے نئے گوشے تلاش کیے ہیں، ان کی یہ کتاب عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے، اسی لیے میں خوشتر کے حق میں دستبردار ہو گیا اور علامہ کی زندگی کے اس گوشہ پر کچھ نہیں لکھا۔ علامہ کی عربی شاعری پر بھی اردو اور عربی دونوں زبانوں میں کافی لکھا جا چکا ہے، اس لیے اس گوشہ کو بھی میں نے نہیں چھیڑا، البتہ ضمناً کہیں بعض قصائد کا ذکر آ گیا ہے۔ علامہ کی کتاب زندگی کا ایک اہم ورق مرزا غالب کے نام ہے، ان دونوں حضرات کے تعلقات و روابط پر لوگوں نے کافی لکھا ہے، اس موضوع پر مستقل مقالے اور مضامین شائع ہو چکے ہیں، پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس موضوع کو بھی کتاب میں شامل کر لوں مگر جب مطالعہ کیا تو کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی، پامال شدہ واقعات کا اعادہ کتاب اور قاری دونوں کے ساتھ زیادتی ہے، لہذا میں نے اس زیادتی کا ارتکاب نہیں کیا۔

اردو کتاب کے متن میں عربی و فارسی عبارتیں ایک اردو داں قاری کے لیے غیر ضروری ہوتی ہیں کیوں کہ وہ صرف عبارت کا اردو ترجمہ پڑھتا ہے، اگر عربی فارسی عبارتیں طویل ہوں تو مطالعہ کے تسلسل کو بھی متاثر کرتی ہیں، مگر تحقیقی نقطہ نظر سے بعض جگہ اردو ترجمے کے ساتھ اصل عربی یا فارسی عبارت نقل کرنا ضروری ہوتا ہے، بالخصوص اختلافی مسائل میں، کیونکہ ایک محقق براہ راست اصل عبارت دیکھ کر خود ہی نتیجہ اخذ کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے، اس سلسلہ میں میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کتاب کے متن میں (اکثر جگہ) صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا ہے، اور نمبر ڈال کر عربی یا فارسی عبارتیں کتاب کے آخر میں درج کر دی ہیں، تاکہ مطالعہ کا تسلسل بھی متاثر نہ ہو اور اگر کوئی اصل عبارت دیکھنے کا خواہش مند ہو تو کتاب کے آخر میں دیکھ لے۔

حوالہ دیتے وقت میں نے قوسین میں صرف کتاب کے نام اور صفحہ نمبر پر اکتفا کیا ہے، مصنف، سنہ طباعت اور مطبع و ناشر کی تفصیلات کتاب کے آخر میں درج کر دی گئی ہیں، ہر حوالے میں میں نے ان تفصیلات کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔ سنہ ہجری اور عیسوی کی مطابقت کے لیے میں نے islamic finder کی ویب سائٹ ([www.islamicfinder.org](http://www.islamicfinder.org)) پر اعتماد کیا ہے، ان کا سوفٹ ویئر بنانے والوں نے لکھ دیا ہے کہ ان کے conversion میں کبھی ایک دن

کا فرق ممکن ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے دوران کبھی سفر اور کبھی گھریلو اور خانقاہی مصروفیات حائل ہوتی رہیں، جس کی وجہ سے یکسوئی قائم نہ رہ سکی اور درمیان میں کئی مرتبہ کام موقوف ہوا، اس لیے ممکن ہے تحریر کی یکسانیت متاثر ہوئی ہو۔

**منت شناسی:** وہ تمام افراد جنہوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں میرا تعاون کیا ان سب کا میں سپاس گزار و منت شناس ہوں خصوصیت کے ساتھ چند لوگوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

(۱) میرے والد، مربی، شیخ اور استاذ حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کتاب کی ترتیب و تالیف کا آغاز آپ کی اجازت سے ہوا اور اختتام آپ کی دعاؤں سے۔

(۲) مولانا یسین اختر مصباحی (بانی دارالقلم دہلی) ایک طرح سے اس کتاب کی تالیف کے محرک اول ہیں، کتاب کی ترتیب و تالیف کے دوران ان سے دو تین مرتبہ ملاقات بھی ہوئی، اور متعدد مرتبہ فون پر گفتگو، انہوں نے ہر قدم پر حوصلہ افزائی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا، یہ ان کے خیر آبادیات سے گہرے لگاؤ کی دلیل ہے۔

(۳) میرے دوست مولانا خوشتر نورانی (مدیر اعلیٰ ماہنامہ جام نور دہلی) کتاب کے لیے مواد کی فراہمی، دستیاب شدہ مواد کی تحقیق و تنقیح اور پھر ترتیب و تحریر ہر مرحلے میں میرے شریک و معاون رہے، کتاب کا کوئی بھی اہم حصہ میں نے ان کو سنائے بغیر مکمل نہیں کیا۔

(۴) وہ چند لوگ جن کے تعریفی کلمات سے مجھے حوصلہ ملتا ہے اور تنقید سے رہنمائی ان میں ایک میرے ہم وطن محقق و ادیب ڈاکٹر شمس بدایونی بھی ہیں، کتاب کی تالیف کے دوران منہج تحقیق اور اصول ترتیب کے سلسلہ میں میں نے ان سے کئی مرتبہ تبادلہ خیال کیا، انہوں نے اپنے مطالعے اور تجربات سے مجھے فائدہ پہنچایا اور کچھ اہم کتب بھی فراہم کیں۔

(۵) مکرمی ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی ازہری (لاہور) ازہر کے زمانہ طالب علمی سے میرے کرم فرماہیں، انہوں نے جامعہ ازہر سے علامہ فضل حق کی عربی شاعری پر پی. ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، کتاب کی ترتیب کے دوران فون اور ای میل کے ذریعے ان سے

تبادلہ خیال ہوتا رہا اور انہوں نے بعض اہم چیزیں فراہم کیں، بالخصوص علامہ کی شاعری پر موصوف کی پی ایچ ڈی کا مقالہ اور ڈاکٹر سلمہ سیہول کے مرتبہ دیوان فضل حق خیر آبادی کے مسودے کی soft Copy انہیں کی عنایت سے دستیاب ہوئی۔

(۶) محب گرامی مولانا جلال رضا ازہری (مقیم قاہرہ) کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی، بعض مشکل عربی عبارتوں کے ترجمے کے سلسلے میں میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

(۷) وارث رفیع بدایونی بدایوں کے مشہور علمی خاندان کے فرد ہیں، ان کے بزرگوں کا خانقاہ قادریہ سے دو سو سالہ قدیم رشتہ ارادت و عقیدت رہا ہے، ان کی ذاتی لائبریری وقیع ہے، جس سے میں بالکل اپنی لائبریری کی طرح استفادہ کرتا ہوں، اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں بھی انہوں نے بعض کتابیں فراہم کیں۔

اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں سب سے اہم حصہ میرے آبائی کتب خانے (کتب خانہ مدرسہ قادریہ بدایوں شریف) کا ہے، جو قیمتی مخطوطات کے علاوہ سیکڑوں قدیم و نادر مطبوعات سے مالا مال ہے، اس کے علاوہ کتب خانہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد، رضا لائبریری رامپور، کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، خانقاہ صدیہ پھونڈ شریف اور خانقاہ حافظیہ خیرآباد شریف کے کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے، انٹرنیٹ پر موجود ڈیجیٹل لائبریری آف انڈیا اور نفس اسلام ڈاٹ کام کی آن لائن لائبریری سے بھی استفادہ کیا ہے۔

آخر میں رسماً نہیں بلکہ واقعتاً یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب کے مواد، ترتیب اور اسلوب کے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی بلند آہنگ دعویٰ رکھتا ہوں، محدود علم، ناقص مطالعے اور شکستہ قلم کے ساتھ ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے، اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ اہل علم و نظر ہی کریں گے۔

اسید الحق قادری بدایونی

خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف

## دعائیہ کلمات

حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری  
زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد: مجاہد جلیل استاذ مطلق حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی شخصیت کئی معنوں میں اپنے معاصرین سے ممتاز نظر آتی ہے، متکلم و فلسفی، ادیب و شاعر، مصنف و ناقد، ناموس رسالت کے محافظ، اور ملک کی آزادی کی خاطر ایک مجاہد جلیل علامہ کی ذات میں یہ سب شائیں اپنے منتہائے کمال پر نظر آتی ہیں، کام کرنے والے ان کی ہشت پہل شخصیت کے مختلف گوشوں پر داد تحقیق دے رہے ہیں، اور ہر آنے والی تحقیق و تصنیف ان کے مرقع حیات کی دل آویزی میں اضافہ کر رہی ہے۔

۲۰۱۱ء میں ڈیڑھ سو سالہ جشن کے موقع پر مختلف طریقوں سے استاذ مطلق اور ان کی خدمات کو یاد کیا جا رہا ہے، مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں کا خانوادہ خیر آباد سے رشتہ معاصرانہ روابط کا بھی ہے اور تلمذ و استفادہ کا بھی، اس کے پیش نظر اس جشن میں شرکت کرتے ہوئے علامہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنا مدرسہ قادریہ بدایوں کا حق بھی تھا اور فرض بھی، مجھے خوشی ہے کہ عزیز از جاں سعادت آثار مولوی اسید الحق قادری بدایونی نے اپنے اس فرض کا احساس کرتے

ہوئے اس کتاب کے ذریعہ خانوادہ خیر آباد کی خدمت میں احسن طریقے سے خراج عقیدت پیش کیا ہے، عزیز موصوف کی علمی اور قلمی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ان سے ایسی ہی امید تھی، کتاب کے بارے میں میرا کچھ کہنا ایک باپ کی اپنے بیٹے کے حق میں پدرانہ شفقت و محبت کہلائے گا، اس لیے اس کتاب پر تنقید و تبصرے کے جملہ حقوق اہل نقد و نظر کے لیے محفوظ کرتا ہوں۔

میری دعا ہے کہ رب قدیر و مقتدر عزیز موصوف کی عمر، علم اور حوصلوں میں ترقی عطا فرمائے، ان کو اپنے اسلاف کا سچا علمی جانشین بنائے، دین متین کی بے لوث خدمت کریں اور اپنے بزرگوں کا نام روشن کریں۔ آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ

فقیر سالم قادری

خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

## آئینہ ”خیر آبادیات“

”خیر آبادیات“ بدایونی ”فریضہ“ اور خیر آبادی ”حق“ کی ادائیگی کا ایک باوقار روحانی و علمی امتزاج اور احسان شناسی کا پُر خلوص نمونہ ہے۔ ساتھ ہی دنیاے علم و تحقیق میں ”خیر آبادیات“ کے عنوان سے ایک وقیع تاریخی دستاویز کا اضافہ بھی، جس کی ترتیب و پیش کش کا اعزاز صاحب زادہ عالی قدر عزیز گرامی مولانا اسید الحق قادری بدایونی کو حاصل ہے اور وہ اس اعزاز کے صحیح مستحق بھی ہیں۔ گویا۔ حق بحق دار رسید۔

زیر نظر کتاب ”خیر آبادیات“ خیر البلاد خیر آباد کے تاریخی تعارف، خانوادہ خیر آباد کی اہل علم خواتین، مدرسہ خیر آباد کے نصاب تعلیم، مدرسہ خیر آباد کے عناصر اربعہ، اساتذہ مدرسہ خیر آباد کی شفقت، طلبہ کی عقیدت، استاذ بھائی کے رشتہ اخوت، کتب خانہ قادریہ بدایوں میں نوادر خیر آباد، ارکانِ ثلاثہ علامہ فضل حق خیر آبادی و علامہ فضل رسول بدایونی و مفتی صدر الدین آزر دہ دہلوی، علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل دہلوی، علامہ خیر آبادی کے بارے میں بعض بے بنیاد روایات کی حقیقت، علامہ خیر آبادی اور سید حیدر علی ٹوکی، علامہ خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی، علامہ خیر آبادی کے کچھ علمی معرکے، علامہ کے فرزند علامہ عبدالحق خیر آبادی کے علمی معرکے، لطائف خیر آباد، سفرِ انڈمان، خیر آبادیات پر تحقیقی تصنیفی و اشاعتی کام وغیرہ پر مشتمل ایک محققانہ، فاضلانہ اور مؤرخانہ دستاویز ہے جسے ہندوپاک کے اہل علم و فضل نہ صرف قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے بلکہ اسے خیر آبادیات کا ایک گراں قدر مجموعہ اور بیش قیمت مرقع قرار دیں گے۔

یس اختر مصباحی

(بانی و صدر دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی)



## ”خیرآبادیات“ میری نظر میں

خیال تھا کہ علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کی وفات کے ڈیڑھ سو سال مکمل ہونے پر ”خیرآبادیات“ از مولانا اسید الحق قادری بدایونی مدرسہ بدایوں کی اپنے واجب سے عہدہ برآ ہونے کی محض ایک عقیدت مندانہ کوشش ہوگی۔ مگر مطالعہ کتاب جس قدر بڑھتا گیا، احساسات و خیالات بدلتے گئے اور فضل حق پسندوں سے میرا شکوہ و گلہ کم اور غصہ ٹھنڈا پڑتا چلا گیا۔

”خیرآبادیات“ علمی دیانت و امانت اور جدید اصول تحقیق پر مبنی پُر خلوص، مفید، معلومات افزا کاوش ہے۔ اس کتاب سے علامہ فضل حق کے علم و فضل کے باب کی بدایونی فصل مکمل ہوئی اور علمی حقائق کے گرد مخالفین فضل حق کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ اور وقت کی گرد صاف ہوئی، جو علمی ذخائر کے امین و محافظ مدرسہ بدایوں ہی سے ممکن تھا۔

انتظار ہے کہ بدایونی فصل کے بعد بہت جلد خیرآبادی، رامپوری اور سہارنپوری فصلیں بھی لکھی جائیں گی۔ جس سے علامہ فضل حق کی جامع سوانح حیات کی تالیف ممکن ہوگی۔

ڈاکٹر سلمہ سیہول

اسٹنٹ پروفیسر، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی،

اسلام آباد، پاکستان

## تأثر ممتاز

علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی علمی اور ادبی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، آپ کی شاعری کی سلاست، روانی اور نزاکت کے علاوہ علم منطق، فلسفہ اور علم الکلام میں آپ کی مہارت کا ہر ذی علم معترف ہے، حیرت کی بات ہے کہ جب آزادی ہند کی تحریک چلی تو ایک نازک خیال شاعر اور فلسفہ کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے والا عظیم فلسفی غاصب انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے حریت پسندوں کے شانہ بشانہ کھڑا تھا، علامہ خیر آبادی نے حالات کی کڑی دھوپ میں راہِ وفا کا پرچار راستہ شعوری طور پر اختیار کیا تھا اور ایک مثالی صبر و استقامت کے ساتھ جزائرِ انڈمان کی غریب الوطنی میں جامِ شہادت نوش کیا، ایسے لوگ قوموں کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔

خانوادہ بدایوں شریف کے چشم و چراغ ہمارے فاضل دوست صاحبزادہ اُسید الحق قادری بدایونی نے برصغیر کے ایک عظیم محسن علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ادبی اور تاریخی عظمت کو خالص علمی اور تحقیقی اسلوب میں اجاگر کرتے ہوئے خیر آبادی خانوادہ علم و فضل کے خوشہ چینوں اور آزاد برصغیر کے بانیوں کی طرف سے اجتماعی قرض چکانے کی ایک قابلِ قدر خدمت سرانجام دی ہے، فاضل موصوف نے علامہ خیر آبادی کے ساتھ گہری عقیدت کے باوجود کہیں بھی اپنے اسلوب اور لہجے کو علم و تحقیق کے دائرے سے نکلنے نہیں دیا۔ مجھے امید ہے کہ صاحبزادہ صاحب کے رتجگوں کا یہ ثمر پاک و ہند کے محققین کے سامنے خیر آبادیات پر تحقیق کی مزید راہیں کھولے گا۔

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری

(اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف فیصل آباد، پاکستان)

## خیر البلاد۔ خیر آباد

کچھ شخصیتیں اپنے عہد، اپنے خاندان، اپنے ماحول اور اپنے وطن سے بڑی ہوتی ہیں، اتنی بڑی کہ وہ اپنے عہد، خاندان، اور وطن سے نہیں پہچانی جاتیں بلکہ ان کے عہد، ان کے خاندان اور ان کے وطن کی شناخت خود ان شخصیتوں کے کارناموں سے ہوتی ہے، علامہ فضل حق خیر آبادی کا شمار بھی انہیں عہد ساز شخصیتوں میں ہوتا ہے، جن کی وجہ سے ان کا عہد، ان کے معاصرین، ان کا خاندان اور ان کا وطن خیر آباد پہچانے گئے، خیر آباد میں یوں تو اولیا، علما، صوفیہ، شعرا، اور اہل علم و ادب کی ایک تعداد صدیوں سے رہی ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ خیر آباد کو شہرت دوام علامہ ہی کی ذات گرامی سے ملی، خانوادہ خیر آباد، مدرسہ خیر آباد، علمائے خیر آباد، خیر آبادی نصاب، خیر آبادی مسلک، خیر آبادی مکتب فکر، خیر آبادی طریقہ درس وغیرہ وغیرہ ان تمام الفاظ کی اضافت و نسبت خیر آباد کی جانب اس لیے کی جارہی ہے کہ خیر آباد کو علامہ فضل حق کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے، یہ علامہ سے نسبت ہی کا کرشمہ ہے کہ آج ہندوپاک کے علمی حلقوں سے لے کر جامعہ ازہر کے ارباب فکر و نظر کی مجلسوں تک لفظ ”خیر آباد“ منطق و فلسفہ، حکمت و کلام اور عربی شعر و ادب کے ایک خاص مکتب اور مدرسے کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

خیر آباد ضلع سیتاپور، اتر پردیش میں واقع ہے، یہ قصبہ سیتاپور سے ۶۷ کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق کی جانب اور لکھنؤ سے تقریباً ۵۷ کلومیٹر کی مسافت پر مغرب میں دہلی لکھنؤ ہائی وے پر واقع ہے۔

خیر آباد کی قدامت کے تعلق سے سید نجم الحسن رضوی خیر آبادی نے لکھا ہے کہ:  
اس قصبہ کی تاریخ بہت قدیم ہے، تلاش و جستجو سے انکشاف ہوا ہے کہ راجہ

بکر ماجیت کے دور سے قبل یہاں آبادی موجود تھی، اس وقت اس کا نام ”چتر ریہتا“ تھا، پھر راجہ بکر ماجیت کے عہد میں منساد یوی کی مناسبت سے ”منسا چتر“ کے نام سے موسوم ہوا، عہد اسلامی میں سب سے پہلے حضرت یوسف غازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقا کے ساتھ تشریف لائے، آپ کی آخری آرام گاہ یہیں ہے..... البتہ ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ اس قصبہ کو سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود نے آباد کیا، اس سے پہلے آبادی میں نظم و ضبط نہیں باقی رہا تھا، سلطان ابراہیم نے پوری توجہ صرف کر کے اس کو باقاعدہ آباد کیا اور اغلب خیال ہے کہ اس وقت سے اس کا نام ”خیر آباد“ ہو گیا جواب تک قائم ہے“ (خیر آباد کی ایک جھلک: ص: ۹/۸)

سلطان ابراہیم کے بعد خیر آباد مختلف شعبوں میں مسلسل ترقی کرتا رہا، یہاں کثرت سے اولیا و صوفیہ تشریف لائے، یاد الہی اور مخلوق خدا کی فیض رسانی کے لیے انہوں نے خیر آباد کی سرزمین کا انتخاب کیا اور یہیں کے ہو رہے، ان کی درگاہیں آج بھی خیر آباد کے تابناک روحانی ماضی کی یاد دلاتی ہیں، ان اہل اللہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عثمان غزنوی (خلیفہ حضرت نظام الدین محبوب الہی) حضرت مخدوم شیخ سعد الدین (م: ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) عرف بڑے مخدوم صاحب مرید و خلیفہ حضرت شاہ مینا اور حضرت مخدوم سید نظام الدین اللہ دیا عرف چھوٹے مخدوم صاحب (م: ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء) قابل ذکر ہیں۔

خیر آباد کی خانقاہوں میں خانقاہ حافظیہ اسلامیہ ایک خاص مقام رکھتی ہے، حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہ نے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی سے اجازت و خلافت حاصل کی اور خیر آباد میں رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم فرمایا، آپ کے بعد آپ کے برادر زادے حضرت حافظ محمد اسلم خیر آبادی قدس سرہ نے اس سلسلہ کو قائم رکھا، دونوں حضرات خیر آباد میں اپنی خانقاہ ہی میں آرام فرما ہیں، یہ خانقاہ ”خانقاہ حافظیہ اسلامیہ“ کے نام سے آج بھی موجود ہے جہاں سے رشد و ہدایت اور مخلوق خدا کو فیض رسانی کا سلسلہ جاری ہے۔

خیر آباد کی سرزمین شعرو سخن کے حوالے سے بھی مردم خیز ثابت ہوئی، عربی شاعری میں

علامہ فضل حق خیر آبادی نے وہ کمال حاصل کیا کہ نہ صرف خیر آباد بلکہ پورے برصغیر کی عربی شاعری کا فخر قرار پائے، اردو شعرو سخن کے میدان میں بھی فرزند ان خیر آباد نے کئی ایک معتبر نام دیے ہیں، ان میں ریاض خیر آبادی اور مضطر خیر آبادی محتاج تعارف نہیں ہیں۔

مولانا سید محمد میاں نے درست لکھا کہ:

”ہندوستان کے وہ قصبے جو مردم خیزی میں مشہور ہیں، ان میں ضلع سیتا پور کا قصبہ خیر آباد بھی ہے۔ اب چودھویں صدی کے ربح آخر میں اس کی حالت کچھ بھی ہو مگر حلقہ درس و تدریس سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی کے آخر تک خیر آباد کو خیر البلاد لکھا جاتا تھا۔“

(علمائے ہند کا شاندر ماضی: ص ۹۴۹)



## خانوادہ خیر آباد

خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد میں دو سگے بھائی بہاء الدین اور شمس الدین ایران سے ہندوستان وارد ہوئے، شمس الدین نے رپٹک کی مسند افتا سنبھالی اور بہاء الدین مدینۃ الاولیاء مدینہ میں فروکش ہوئے، ۱۲/ویں اور ۱۳/ویں صدی میں برصغیر میں شرافت و نجابت، علم و فضل، اور وسیع تردینی و قومی خدمات کے لحاظ سے دو خانوادے منفرد اور ممتاز نظر آتے ہیں، ایک خانوادہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دوسرا خانوادہ مولانا فضل امام خیر آبادی، آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ یہ دونوں عظیم خاندان انہیں دونوں بھائیوں کی اولاد میں ہیں، شمس الدین رپٹکی کی اولاد کا سلسلہ آگے بڑھا تو اس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدا ہوئے، دوسرے بھائی بہاء الدین کی کچھ نسلیں بدایوں ہی میں قیام پذیر رہیں، ان کی اولاد سے ایک بزرگ شیخ عماد الدین بدایوں سے ہرگام منتقل ہو گئے، اور قاضی ہرگام کے منصب پر فائز ہوئے، شیخ عماد الدین کی اولاد علم و فضل اور منصب قضا و افتا سے سرفراز رہی، ان کی اولاد سے ایک فرد شیخ محمد ارشد نے ہرگام ترک کر کے خیر آباد میں سکونت اختیار کر لی، مولانا فضل امام خیر آبادی انہیں شیخ محمد ارشد کے فرزند ہیں۔ مولانا فضل امام خیر آبادی کے سلسلہ اخلاف کو ”خانوادہ خیر آباد“ اور ان کے سلسلہ تلامذہ کو ”مدرسہ خیر آباد“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں ہم خانوادہ خیر آباد کے چند نامور افراد کا مختصر تعارف کروائیں گے، تاکہ اس خانوادے کی عظمت و شوکت کا اندازہ ہو سکے۔ (یہاں صرف اجمالی تعارف مقصود ہے، باقی تفصیلات اس کتاب میں جگہ جگہ موجود ہیں)

**مولانا فضل امام خیر آبادی:** آپ کی سنہ ولادت دستیاب نہیں ہو سکی، قیاس ہے کہ بارہویں صدی کے رابع آخر میں آپ کی پیدائش ہوئی ہوگی، ملا عبد الواجد خیر آبادی سے علوم کی تکمیل کی، دہلی آ کر ملازمت سے وابستہ ہوئے، پہلے مفتی ہوئے پھر ترقی کر کے صد الصدور کے عہدے تک پہنچے

دہلی میں درسگاہ آراستہ کی، اور معقولات کے ایک مخصوص مدرسے کی بنیاد ڈالی، علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدر الدین آزرہ جیسے اصحاب علم و فضل آپ کی درسگاہ سے فارغ ہو کر نکلے، تصانیف کا ایک قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا، جس میں آمدنامہ اور مرقاۃ جیسی ابتدائی کتابوں سے لے کر منطق و فلسفہ کی منہی کتب پر حواشی بھی شامل ہیں، آپ کی جن تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں: ۱۔ حاشیہ رسالہ میرزا ہد، ۲۔ حاشیہ میرزا ہد ملا جلال، ۳۔ تحذیر الافہان فی شرح المیزان، ۴۔ تلخیص الشفاء، ۵۔ حاشیہ افق مبین وغیرہ۔ تصانیف میں مرقاۃ کے علاوہ باقی سب غیر مطبوعہ ہیں، آمدنامہ کے باب پنجم میں اودھ کے بعض علما کا تذکرہ ہے، یہ حصہ شائع ہو چکا ہے مگر ہماری نظر سے نہیں گذرا ☆۔ آپ کی درسگاہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس زمانے میں دہلی علوم و فنون کا مرکز تھا اس وقت منقولات میں شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کی درسگاہیں ہندو بیرون ہند کے طلبہ کا مرکز توجہ تھیں تو معقولات میں درسگاہ فضل امام ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ آخری وقت میں اپنے وطن مالوف خیر آباد میں آگئے تھے، یہیں ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ء کو وفات پائی، مخدوم شیخ سعد کے احاطہ درگاہ میں سپرد خاک کیے گئے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی: مولانا فضل امام خیر آبادی کے صاحبزادے اور ان کے علمی وارث و جانشین تھے، آپ کی ذات سے برصغیر میں معقولات کو ایسا فروغ ہوا کہ لفظ ”خیر آباد“ علم و حکمت کا استعارہ بن گیا، ۱۲۱۲ھ / ۱۸۹۷ء میں ولادت ہوئی، تعلیمی مراحل اپنے والد مولانا فضل امام کی درسگاہ میں طے کیے، علم حدیث کی تحصیل شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کی درسگاہ میں کی، بعض حضرات کے مطابق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی استفادہ کیا، تصوف میں حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، صرف ۱۳ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت پائی اور دہلی میں مسند درس آراستہ کی، ابتدا میں کچھ سال انگریز کی ملازمت میں رہے اس کے بعد مختلف اوقات میں ریاست جھجھر، الور، سہارنپور، رامپور، لکھنؤ اور ٹونک وغیرہ میں ملازمت کی، درس و تدریس کا سلسلہ کہیں بھی منقطع نہیں ہوا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے

---

☆ ڈاکٹر سلمہ سیہول کے بقول باب پنجم میں اودھ کے سرکردہ علما و فضلا کا تذکرہ ہے جسے مفتی انتظام اللہ شہابی نے علیحدہ کتابی صورت میں ”تراجم الفضلا“ کے نام سے مرتب کیا، یہ ۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے (علامہ محمد فضل حق خیر آبادی: ص ۳۷)

خلاف نمایاں کردار ادا کیا، جس کی پاداش میں مقدمہ چلا اور ”جس دوام بعور در ریائے شوز“ کی سزا ملی، قید کر کے انڈمان بھیجے گئے، جہاں ایک سال دس ماہ تیرہ دن اسیری میں رہ کر ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ / ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے اور اس شعر کو سچ ثابت کر گئے کہ

زندگی اتنی غنیمت تو نہیں جس کے لیے  
عہد کم ظرف کی ہر بات گوارا کر لیں

تصانیف کا ایک ذخیرہ یادگار چھوڑا، جن میں زیادہ تر کتب منطق، طبوعات، امور عامہ، الہیات اور علم کلام و عقائد سے متعلق ہیں، تصانیف میں نقل و تقلید نہیں بلکہ اجتہاد و تحقیق کی شان نظر آتی ہے۔ بعض تصانیف کے اسما درج ذیل ہیں۔ حاشیہ افق ممین، حاشیہ تلخیص الشفا، حاشیہ قاضی مبارک، الہدیۃ السعدیۃ، الجنس العالی، شرح تہذیب الکلام، الروض المجود، الثورۃ الہندیہ وغیرہ ☆ عربی کے بلند پایہ شاعر تھے، مولانا عبداللہ بلگرامی کے مطابق آپ کے عربی اشعار کی تعداد ۴ ہزار سے متجاوز ہے، جن میں بیشتر نعت رسالت مابینہ ﷺ میں ہیں، ایک جہان نے آپ سے استفادہ کیا، آپ کے تلامذہ خود اپنے اپنے وقتوں میں ائمہ فن تسلیم کیے گئے۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی: علامہ فضل حق خیر آبادی کے فرزند سعید شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی جنہوں نے اپنی تصانیف اور درسی خدمات سے اس خاندان کی عظمت کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اوج ثریا تک پہنچا دیا، آپ کی ولادت ۱۲۴۴ھ / ۹-۱۸۲۸ء میں ہوئی، جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل اپنے والد گرامی استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی سے کی، لڑکپن میں ذہانت اور قابلیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے والد کے حاشیہ قاضی مبارک پر محض ۱۴ سال کی عمر میں برجستہ اور فی البدیہہ ایک صفحہ لکھ کر رکھ دیا (باغی ہندوستان: ص ۱۸۴/۱۸۵)

۱۶ سال کی عمر میں تمام درسیات معقول و منقول سے فارغ ہوئے (مرجع سابق ص ۳۱۴) زمانہ طالب علمی میں جس ”شاہیں بچہ“ کا یہ حال ہو عمر اور علم میں اضافے کے بعد اس کی پرواز کہاں تک پہنچی اس کو سمجھنے کے لیے صرف یہ واقعہ نقل کرنا کافی ہوگا کہ ایک مرتبہ مولوی اکرام اللہ شاہابی گویا موی نے مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پوچھا کہ ”بھائی صاحب! دنیا میں حکیم

☆ تفصیل کے لیے دیکھیے: تعارف تصانیف از مفتی نجم الحسن خیر آبادی، باغی ہندوستان، ص ۲۹۷ تا ۳۱۲



کا اطلاق کن کن پر ہے؟ مولانا نے فرمایا ”بھیا ساڑھے تین حکیم دنیا میں ہیں، ایک معلم اول ارسطو، دوسرے معلم ثانی فارابی، تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ (مرجع سابق ص ۱۹۶) مولانا عبدالحق خیر آبادی کی ساری عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری، بعض مشہور تصانیف یہ ہیں (۱) حاشیہ قاضی مبارک (۲) حاشیہ غلام یحییٰ (۳) حاشیہ حمد اللہ (۴) حاشیہ میرزا ہد امور عامہ (۵) شرح ہدایۃ الحکمۃ (۶) شرح مسلم الثبوت (۷) شرح کافیہ (۸) شرح سلاسل الکلام (۹) الجواہر الغالیہ (۱۰) رسالہ تحقیق تلازم (۱۱) شرح مرقات (۱۲) التحفۃ الوزیریہ (۱۳) زبدۃ الحکمۃ (۱۴) حاشیہ عقائد عضدیہ (۱۵) شرح حواشی الزہدیہ علی ملا جلال وغیرہ

سیکڑوں ہزاروں لوگوں نے آپ کی درس گاہ سے علوم عقلیہ کی تحصیل کی، جن میں والیان ریاست اور مقتدر علمی خانوادوں کے افراد کے علاوہ ہندو بیرون ہند کے بے شمار تشنگان علوم شامل ہیں۔ ۲۳۔ ۲۴ شوال ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء کو رحلت فرمائی، اپنے آبائی وطن خیر آباد میں مخدوم شیخ سعد کی درگاہ کے احاطے میں سپرد خاک کیے گئے۔

مولانا سعد الحق خیر آبادی مولانا عبدالحق خیر آبادی کے صاحبزادے تھے، علم و فضل میں اپنے آبا و اجداد کی یادگار تھے، مولانا عبدالحق کے بعد والی ریاست رامپور نے آپ کو مدرسہ عالیہ کا پرنسپل مقرر کیا مگر بہت کم زندگی لے کر آئے تھے، والد کی وفات کے صرف ڈیڑھ برس بعد ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں انتقال ہو گیا، یہ غالباً اس خاندان علم و فضل کے آخری علمی چشم و چراغ تھے، آپ کے صاحبزادے حکیم ظفر الحق خیر آبادی تھے، مولانا برکات احمد ٹوکنی سے تحصیل علم کی، بعد میں طب کو اختیار کیا، اور خیر آبادی میں مطب کے ذریعے خدمت خلق میں مصروف رہے، ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں وفات ہوئی، عین الحق خیر آبادی آپ کے صاحبزادے تھے، عصری تعلیم کے حصول کے بعد چھریہ ٹھا راجکیہ ودھیالیہ (ضلع سیتاپور کے ایک اسکول) میں ٹیچر ہوئے، ۲۰۰۵ء / ۱۴۲۶ھ میں وفات ہوئی، آپ کے تین صاحبزادے ہیں، نوح الحق خیر آبادی، معین الحق خیر آبادی، اور سیف الحق خیر آبادی، اول الذکر بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی۔ کرنے کے بعد ایک کالج میں استاذ ہیں، دوسرے تجارت کے پیشے سے وابستہ ہیں، اور چھوٹے ابھی زیر تعلیم ہیں، خانوادہ خیر آباد کے موجودہ وارثین میں یہی تینوں حضرات خیر آبادی میں ہیں۔ ☆

☆ اس کتاب کی ترتیب کے دوران ۱۷ مئی ۲۰۱۱ء کو میں محب گرامی مولانا ناخوش نورانی کے ساتھ خیر آباد حاضر ہوا تو محترم نوح الحق خیر آبادی صاحب سے ملاقات ہوئی، اور بعض خاندانی حالات کی اطلاع ملی۔

## خانوادہ خیر آباد کی اہل علم خواتین

خانوادہ خیر آباد کے رجال نے تو علم و فضل کے میدان میں اپنے جھنڈے نصب کیے ہی ہیں ان کی خواتین نے بھی اس میدان میں اپنی اہمیت اور قابلیت کو منوایا ہے، اس خاندان کی بعض خواتین جن کے تذکرے کتابوں میں محفوظ رہ گئے وہ علم و فضل میں اپنے عہد کی خواتین میں ممتاز نظر آتی ہیں، بقول بی بی ہاجرہ خیر آبادی (زوجہ مولانا عبدالحق خیر آبادی) ”میرزا ہدامور عامہ (فلسفہ و کلام کی منہی کتاب) تک تو اس خاندان کی مستورات بھی ہڈ بد رکھتی ہیں“۔ اس خاندان کی کم از کم تین خواتین کے بارے میں تاریخی شواہد موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ خواتین معقول و منقول اور علوم ادبیہ میں خاصا درک رکھتی تھیں، ممکن ہے اس خاندان کی اہل علم و فضل خواتین کی تعداد اس سے زیادہ ہو۔

ان ۳ خواتین کا تذکرہ بھی کہیں تفصیل کے ساتھ نہیں ملتا، ضمناً بعض کتابوں میں کہیں سرسری تذکرہ آگیا ہے، انہی منتشر معلومات کو جمع کر کے ہم یہاں پیش کر رہے ہیں تاکہ ”خیر آبادیات“ کا یہ تابناک باب بھی روشنی میں آ سکے۔

(۱) بی بی سعید النساء حرمات خیر آبادی: آپ علامہ فضل حق کی صاحبزادی تھیں، آپ کا عقد احمد حسین رسوا کے ساتھ ہوا، منشی افتخار حسین مضطر خیر آبادی اور محمد حسین بک خیر آبادی آپ ہی کے فرزند تھے، معروف شاعر جاں نثار اختر آپ کے پوتے اور مضطر خیر آبادی کے بیٹے تھے۔

بی بی حرمات خیر آبادی نے درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد ہی سے کی تھی، درسیات میں ان کی کیسی گہری نظر ہوگی اس کا اندازہ مولانا عبدالحق خیر آبادی کے اس مشہور جملے سے ہو سکتا ہے جو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

اچھا ہوا کہ سعید النساء بہن ہوئیں، ورنہ ان کے سامنے ہمیں کون  
پوچھتا (باغی ہندوستان، ص: ۳۳۳)

بی بی حرماں خیر آبادی ایک مرتبہ ٹونک تشریف لے گئی تھیں، حکیم برکات احمد ٹونکی کے صاحبزادے  
مولانا حکیم سید محمد احمد ٹونکی (م: ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء) اپنا مشاہدہ تحریر فرماتے ہیں:

”مجھے یہ عزت حاصل ہے کہ میں نے مجدد الحکمۃ الیونانیہ حضرت علامہ فضل  
حق خیر آبادی برد اللہ مضجعہ کی صاحبزادی انار اللہ برہانہا کی  
زیارت کی ہے، اس عزت کو میں سرمایہ سعادت سمجھتا ہوں، ہماری انتہائی  
خوش قسمتی تھی اور سرزمین ٹونک کو انتہائی فخر کا موقع حاصل ہونا تھا کہ وہ ٹونک  
تشریف لائیں تھیں، نواب وزیر الدولہ بہادر جنت آرام گاہ (دوسرے والی  
ٹونک) کی علم دوستی نے جہاں ہزاروں اہل کمال کو اطراف ہند سے  
کھینچا تھا وہاں خیر آباد تشریف کے بھی چند خاندانوں کو ٹونک بلا لیا گیا تھا، اس  
کی برکت سے اخیر اخیر میں مجھے اور میرے خاندان کو یہ عزت حاصل  
ہوئی، مجھے اچھی طرح یاد ہے اور آج بھی وہ تصویر آنکھوں میں پھر رہی ہے کہ  
استاذ الہند مولانا برکات احمد صاحب قبلہ بی بی صاحبہ کے سامنے گردن  
جھکائے مؤدب ایک بے علم انسان کی طرح بیٹھے ہیں اور ان کے جوش تقریر کا  
یہ عالم ہے کہ کسی موضوع پر نہیں رکتیں، ضعیف القویٰ تھیں کبیر سن تھیں، اعضا  
میں رعشہ تھا، مگر معلوم ہوتا تھا تمام قوتیں قوت ناطقہ میں منجذب ہو گئی ہیں، کیا  
تقریر تھی، کیا اتار چڑھاؤ تھا، کیا شستگی تھی، کیا برجستگی تھی، کیسی پُر رعب آواز  
تھی۔“ (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم، ص: ۱۰۳، ۱۰۴)

حضرت حرماں خیر آبادی کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا البتہ ان کی اردو اور فارسی شاعری کے  
کچھ نمونے مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے ”باغی ہندوستان“ میں اور مفتی نجم الحسن خیر آبادی نے  
”خیر آبادی ایک جھلک“ میں محفوظ کر دیے ہیں۔

(۲) حضرت ہاجرہ بی خیر آبادی: آپ مولانا فضل الرحمن بن مولانا فضل امام خیر آبادی کی

صاحبزادی، علامہ فضل حق خیر آبادی کی بھتیجی اور مولانا عبدالحق خیر آبادی کی زوجہ محترمہ ہیں، ان کے علم و فضل کے ثبوت میں یہ واقعہ کافی ہے کہ جب مولانا برکات احمد ٹوکی مولانا عبدالحق خیر آبادی سے اخذ علم کر رہے تھے تو ان کو احساس ہوا کہ اب وہ عالم ہو گئے ہیں ان کو واپس گھر جانا چاہیے، جب اجازت لینے کے لیے بی بی صاحبہ کے پاس گئے تو آپ نے پوچھا بیٹا کتنا پڑھ لیا؟ مولانا نے جواب دیا کہ میرا زہد امور عامہ تک پڑھ لیا، بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ میں تم سے امور عامہ کا کوئی سوال پوچھوں؟ یہ سن کر مولانا شرمندہ ہوئے اور واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا، یہ پورا واقعہ خود مولانا حکیم برکات احمد ٹوکی کی زبانی پڑھیے، آپ فرماتے ہیں:

میں نے مروجہ درس نظامی کی تکمیل کر لی تھی، متقدمین حکما کی کتابیں پڑھ رہا تھا، مگر ناغوں کی کثرت کی وجہ سے ایک باریاس کا سا عالم طاری ہو گیا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب اصل نصاب کی تکمیل ہو چکی ہے، غیر نصابی کتابیں بھی نکل جاتیں تو خوب تھا مگر ناغوں کی اس کثرت کے ساتھ تو کئی برس درکار ہیں، ادھر والد ماجد تقاضے فرما رہے تھے کہ جلد آؤ، اس لیے اب رخت سفر باندھنا چاہیے مگر علامہ سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس منزل کو تکمیل تصور فرما کر اجازت (مرحمت) فرمائیں، اس لیے بیوی صاحبہ (علامہ کی حرم محترم) رحمۃ اللہ علیہا سے رخصت کرنے کے لیے ڈیوڑھی (زنان خانہ) حاضر ہوا اور کہلوا یا کہ برکات احمد واپس جا رہا ہے، رخصت طلب کرنے اور سلام کرنے حاضر ہوا ہے، بیوی صاحبہ نے جب یہ پیغام سنا تو علامہ کی شفقت کے واسطے سے وہ بھی شفقت فرماتی تھیں، یہ اطلاع پا کر اتنی مضطرب ہوئیں اور پردہ کروا کر خود ہی ڈیوڑھی پر چلی آئیں اور فرمایا ”بیٹا ملا برکت! ہم نے سنا ہے تم جاتے ہو، اور ماشاء اللہ تکمیل درس کر لی ہے، اللہ تعالیٰ مبارک کرے مگر بیٹا مولانا نے ہم سے ذکر نہیں کیا کہ تم فارغ ہو گئے، کیوں بیٹا کہاں تک پڑھ لیا؟

مولانا نے ادب سے عرض کی کہ ”تمام نصاب درس کی تکمیل کر لی ہے اور

میرزا اہد امور عامہ تک پڑھ لیا ہے، ”امور عامہ کا نام سن کر ہنستے ہوئے فرمایا  
 ”بھئی امور عامہ تک پڑھ کر خود کو فارغ اور فاضل سمجھ رہے ہو، کیا میں امور  
 عامہ کے متعلق کوئی سوال پوچھ سکتی ہوں؟ بیٹے! امور عامہ تک تو اس  
 خاندان کی مستورات بھی شُد بُد رکھتی ہیں۔

مولانا فرماتے تھے کہ ”بیوی صاحبہ کی یہ تقریر سن کر انفعال سے حالت غیر  
 ہو گئی اور میں نے بمشکل یہ الفاظ ادا کیے کہ میں اپنے فیصلے پر نادم ہوں، اپنا  
 فیصلہ فسخ کرتا ہوں آپ سے استقلال کی دعا کی درخواست ہے (مولانا  
 حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۱۵۴/۱۵۵)

جس خاندان میں ۱۲/۱۳ سال کے بچے (علامہ فضل حق خیر آبادی) الافق المبین جیسی منطق  
 کی آخری کتاب پر محققانہ اور ناقدانہ گفتگو کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور ۱۲/۱۳ سال کے نوخیز  
 (مولانا عبدالحق خیر آبادی) قاضی مبارک جیسی دقیق کتاب پر برجستہ حاشیہ تحریر کر جاتے ہوں اس  
 خاندان میں اگر خواتین میرزا اہد امور عامہ تک ”شُد بُد رکھتی ہوں“ تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔

(۳) بی بی رقیہ بنت عبدالحق خیر آبادی: علامہ عبدالحق خیر آبادی کی صاحبزادی بی بی رقیہ  
 خیر آبادی ☆ بھی عالمہ اور فاضلہ تھیں، ان کے علم و فضل کے ثبوت کے لیے ان کی تفسیر قرآن ہی  
 کافی ہے، ہم یہاں ان کی تفسیر قرآن کا مختصر تعارف کروائیں گے۔

اس تفسیر کا نام ”تفسیر طبیات مینات“ معروف بہ ”صراط مستقیم“ ہے، سرورق پر لکھا ہے کہ  
 ”کتاب کا نام مولوی برکات احمد صاحب نے رکھا ہے“، یہ کتاب مصنفہ نے اپنی پھوپھی کی  
 فرمائش پر تصنیف فرمائی تھی، سرورق پر جلی قلم سے مرقوم ہے ”حسب فرمائش جناب پھوپھی صاحبہ

---

☆ مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے مولانا عبدالحق خیر آبادی کی صرف ایک صاحبزادی عائشہ بی بی زوجہ محمد حسین بہل کا  
 ذکر کیا ہے (باغی ہندوستان: ص ۳۲۹) البتہ مولانا عبدالحق کے صاحبزادے مولانا اسدالحق خیر آبادی کی صاحبزادی کا نام  
 رقیہ بی بی (وفات: ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) زوجہ حسن رضا سندیلوی لکھا ہے (سابق: ص ۳۳۱) ہمارے پیش نظر تفسیر کا جو قلمی  
 نسخہ ہے اس کے سرورق پر رقیہ بی بی بنت مولانا عبدالحق درج ہے، مولانا برکات احمد کی تقریظ میں بھی یہی ہے، اور کتاب  
 کے آخر میں مصنفہ نے بھی یہی لکھا ہے، یا تو مولانا شیروانی سے سہو ہوا ہے یا پھر یہ تفسیر نقل کرنے والے نے غلطی کی  
 ہے، بہر حال جیسا قلمی نسخے پر درج ہے ہم یہاں ویسا ہی نقل کر رہے ہیں۔

دختر مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی، یہ تفسیر آسان اردو میں خاص طور پر عورتوں کے لیے لکھی گئی ہے، اس میں آپ نے زیادہ تر آیات احکام کے ترجمہ و تفسیر پر اکتفا کیا ہے، یہ تفسیر علامہ برکات احمد ٹوکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) جیسے استاذ وقت کی تقریظ اور تصدیق سے مزین ہے، اس پر دوسری تقریظ مولانا بشیر خان رامپوری (تلمیذ مولانا فضل حق رامپوری) صدر المدرسین مدرسہ نیاز یہ خیر آبادی ہے۔

اس تفسیر کا ایک نایاب قلمی نسخہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف (یوپی، انڈیا) کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اسی نسخہ کا عکس کتب خانہ قادریہ بدایوں میں ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، یہ تفسیر بڑی تقطیع پر ۷۹ صفحات پر مشتمل ہے، جلی خط میں ہر صفحہ پر ۱۵ سطریں ہیں، اس نسخے کے کاتب ثار احمد خیر آبادی ابن مشیر احمد ابن بشیر احمد خان بہادر ہیں۔

علامہ برکات احمد ٹوکی اپنی تقریظ میں فرماتے ہیں:

آج تک جتنی تفاسیر اور تراجم عربی، فارسی، اردو میں قرآن پاک کی ہوئی ہیں گو وہ لائقہ و لا تخصی سہی لیکن یہ تراجم صرف رجال امت کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اب تک کوئی تفسیر یا ترجمہ قرآن پاک کا ایسا نہیں گذرا جو نساے امت سے تعلق رکھتا ہو، سب سے پہلے ملک ہندوستان میں جس نے اس میدان میں قدم رکھا وہ ملک العلماء، شمس الفضلا، وحید العصر، فرید الدہر علامہ زمن، استاذ الکمل، شہسوار میدان تحقیقات علمیہ، محرر تدقیقات حکمیہ استاذ ناو مولانا مولوی عبدالحق العمری الخیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ مع اساتذتہ رحمۃ واسعۃ کی صاحبزادی جنابہ رقیہ بی صاحبہ ہیں جنہوں نے عام اردو میں اکثر آیات احکامیہ کا ترجمہ کیا اور اس کے ذیل میں مفسرین کے اقوال سے اس کے فوائد بیان کیے، میں نے اس تفسیر کو اول سے آخر تک دیکھا ہے اس کے جملہ مضامین صحیح اور قابل عمل ہیں، ترجمہ نہایت سنجیدگی اور متانت سے کیا گیا ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اس تفسیر سے ملک کے افراد کو مستفیض کرے اور ہر فرد بشر اس

سے بہرہ مند ہو، اور سب کو عمل کی توفیق نصیب ہو۔ حررہ ابو محمد برکات احمد  
کفش بردار حضرت شمس العلماء علامہ عبدالحق خیر آبادی قدس سرہ۔

مولانا بشیر خان رامپوری نے اپنی مختصر تقریظ میں لکھا ہے کہ:

تفسیر بی بی صاحبہ کو میں نے مختلف مقامات سے دیکھا جس کے مضامین کی  
خوبی اور ترجمہ کی عمدگی کیا بیان کی جائے جس کی تقریظ علامہ زمن مولانا ابو  
محمد برکات احمد صاحب نے لکھی اور تعریف میں چند کلمات تحریر فرمائے ہیں  
دوسرا کیا قلم اٹھا سکتا ہے، آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ اس تفسیر  
سے افراد ملک کو فائدہ بخشے اور اس پر کار بند ہونے کی توفیق عطا فرمائے،  
محمد بشیر غفرلہ صدر المدرسین مدرسہ نیاز یہ خیر آباد۔

کتاب کی ابتدا خطبہ کے بعد ان جملوں سے ہوتی ہے:

”حمد اس خدا کو جو عالم کا پروردگار ہے اور درود اور سلام اس نبی پر جو سب نبیوں  
کا سردار ہے، میں نے قرآن شریف کا ترجمہ دیکھا اور تفسیر دیکھی تو آنکھیں  
کھل گئیں، دنیا کو دیکھا تو قرآن شریف سے بالکل خلاف چل رہی ہے، بہت  
لوگ ہمارے بھائی بند یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ قرآن شریف کیا چیز ہے اور  
کیوں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا، بہت لوگ ایسے ہیں کہ قرآن شریف کے  
خلاف ہر بات کرتے ہیں جو جی میں آتا ہے وہ کرتے ہیں اور اگر کوئی بات  
قرآن شریف کی کسی سے بیان کی جاتی ہے یا منع کیا جاتا ہے کہ ایسا نہ کرو تو یہ  
جواب دیتے ہیں ”تم ہی تو جانتی ہو“ اور ایک یہ جواب ہے کہ ”سبھی کرتے ہیں  
“، مثالیں دی جاتی ہیں کہ فلاں نے ایسا کیا۔ میں نے قرآن شریف کے کچھ  
حکم مع چند آیتوں کے اور ترجمہ و تفسیر لکھی ہے اردو صاف زبان میں جس کی  
صحت مولوی برکات احمد صاحب شاگرد رشید مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی  
و مولوی بشیر خان صاحب رامپوری شاگرد رشید مولانا عبدالحق صاحب  
خیر آبادی کرچکے ہیں، اب اس میں کسی بات کی غلطی نہیں ہے، اسے ہر شخص

اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے، پھر جس کو اللہ ہدایت دے گا وہ راہ پر آوے گا اور اس کتاب کا نام رکھا گیا ”تفسیر طیبات بینات المعروف بہ صراط مستقیم۔“

کتاب کا اختتام ان جملوں پر ہوتا ہے:

اللہم بارک فی کتابنا، میں اپنی اس ناچیز کتاب کو مندرجہ بالا دعا پر ختم کرتی ہوں، اور ناظرین سے درخواست ہے کہ خود بھی پڑھیں اور لوں کو بھی سناویں، مؤلفہ خاکپائے علما و خادماہ اہل جہاں رقیہ خاتون بنت وحید العصر علامۃ الدہر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مرحوم و مغفور ابن جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم و مغفور خیر آبادی مدفون در کالاپانی، ابن مولانا فضل امام صاحب جعل الجنة مثواہ المرقوم ۲۶ جمادی الاول ۱۳۴۵ ہجری المقدس نبوی۔

کتاب کی زبان نہایت آسان ہے، ترجمہ بہت سادہ الفاظ میں کیا گیا ہے تاکہ عام آدمی سمجھ سکے، تفسیر میں کسی قسم کے علمی مباحث کو نہیں چھیڑا گیا ہے، بلکہ آیت کریمہ سے جو ایک عمومی مفہوم مستفاد ہوتا ہے جس کا براہ راست تعلق فرد یا معاشرے کی اصلاح سے ہے اس کو داعیانہ اور مصلحانہ اسلوب میں بڑی سادگی سے بیان کر دیا گیا ہے، کہیں کہیں اودھ کی عام بول چال کا اسلوب بھی نظر آتا ہے، اور بعض جگہ ایسا محسوس ہوتا کہ مصنفہ آپ کے روبرو بیٹھ کر گفتگو فرما رہی ہیں۔

اس تفسیر کا تذکرہ اب تک کسی جگہ میری نظر سے نہیں گزرا، اور نہ ہی اس کے کسی دوسرے نسخے کا مجھے علم ہے، غالباً پہلی مرتبہ یہ تفسیر روشنی میں آرہی ہے۔





## مدرسہ خیر آباد

برصغیر ہندوپاک میں گیارہویں صدی ہجری کے بعد معقولات کی درس و تدریس کے اکثر سلسلے ملا نظام الدین فرنگی محلی (وفات: ۱۱۶۱ھ/۱۷۷۸ء) کے توسط سے آگے بڑھتے ہیں، جو مشہور ”درس نظامی“ کے بانی ہیں، ملا نظام الدین کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادے بحر العلوم ملا عبدالحی فرنگی محلی (وفات: ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) سے سلسلہ فرنگی محل آگے بڑھا، ملا نظام الدین کے دو اور باکمال شاگرد ملا کمال الدین سہالوی (وفات: ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء) اور ملا احمد اللہ سندیلوی (وفات: ۱۱۶۰ھ/۱۷۷۷ء) تھے، ان دونوں حضرات سے ملا علم سندیلوی (وفات: ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء) نے اخذ علم کیا، ملا علم سندیلوی اپنے زمانے کے باکمال مدرس اور معقولی تھے، بقول سید سلیمان ندوی ”فضل و کمال کا یہی وہ نخل بار آور ہے جس سے خیر آباد کی وہ شاخ نکلی ہے، جو پھیل کر خود ایک مستقل سلسلہ بن گئی، اور جو سلسلہ خیر آباد کے نام سے مشہور ہے“۔ ملا محمد علم سندیلوی کے تلامذہ میں مولانا عبدالواجد خیر آبادی کا نام اہمیت رکھتا ہے، جن سے مولانا فضل امام خیر آبادی نے کسب فیض کر کے مدرسہ خیر آباد کی بنیاد ڈالی، ان کے قابل فخر فرزند اور علمی جانشین علامہ فضل حق خیر آبادی ہوئے جن کی ذات سے برصغیر میں منطق و فلسفہ اور حکمت و کلام کا ایک مستقل مکتب فکر وجود میں آیا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

(مولانا فضل امام خیر آبادی) مرحوم کے جانشین، صاحبزادہ اور شاگرد مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی تھے، جن کے دم عیسوی نے معقولات میں وہ روح پھونکی کہ ابن سینائے وقت مشہور ہوئے، دیار و اطراف سے طلبہ نے ان کی طرف رجوع کیا اور منطق و فلسفہ کو نئے طور سے ملک میں

رواج دیا، شروح و حواشی کی بڑی بڑی کتابیں جو متاخرین کی نتائج طبع تھیں  
داخل درس ہوئیں (حیات شبلی: ص ۲۳)

علامہ فضل حق خیر آبادی کی تدریسی خدمات اور ان کے فیضان علمی کا تذکرہ کرتے ہوئے  
آگے لکھتے ہیں:

مولانا فضل حق خیر آبادی کے تلامذہ اور تلامذہ در تلامذہ نے سارے ملک  
میں پھیل کر علوم معقول کو بڑی رونق دی، اور وہ بڑے باکمال مدرس ثابت  
ہوئے، ان بزرگوں میں سے تین ارباب کمال کی درسگاہوں کو خاص  
شہرت حاصل ہوئی، مولانا عبدالحق خیر آبادی خلف الصدق مولانا فضل حق  
خیر آبادی، مولانا برکات احمد بہاری ٹونکی، مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری  
جونپوری۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی نے رؤسائے رامپور کی قدر دانی سے  
رامپور کو اپنے فضل و کمال سے منور کیا، مولانا برکات احمد صوبہ بہار میں ضلع  
مونگیر کے ایک گاؤں کے تھے، ان کے والد حکیم دائم علی صاحب ٹونک  
جا کر رہ گئے تھے، مولانا برکات احمد صاحب نے رئیس ٹونک کی قدر شناسی  
سے ٹونک کو علم و فن کا مرجع بنایا، مولانا ہدایت اللہ خاں رامپور سے جونپور  
آئے، اور مدرسہ شیخ امام بخش میں علم و فضل کی مجلس آراستہ کی، ان میں سے  
ہر ایک کی درسگاہ سے سیکڑوں علمائے تعلیم پا کر نکلے۔ (مرجع سابق: ص ۲۳)

چودہویں صدی کے نصف اول تک معقولات کی درس و تدریس کو رونق مدرسہ خیر آباد کے  
فضلا سے ہی رہی، مولانا عبدالسلام خاں رامپوری لکھتے ہیں:

تیرہویں صدی میں معقولات کی گرم بازاری میں جس طرح اساتذہ فرنگی  
محل خصوصاً بحر العلوم، ملا حسن اور ان کے تلامذہ و متنبین کو دخل رہا ہے، اسی  
طرح چودہویں صدی میں یہ تسلسل خیر آبادی خاندان اور ان کے تلامذہ  
و متنبین سے جاری رہا جو چودہویں صدی کے نصف اول سے کچھ زیادہ پر  
محیط ہے، مولانا عبدالحق خیر آبادی، شمس العلماء مولانا ہدایت علی بریلوی،

مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری، مولانا فضل حق رامپوری، حکیم برکات احمد ٹوٹکی وغیرہ فضلا اسی صدی کے نصف اول اور اس کے بعد کے لوگ ہیں۔  
(برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۵۶)

**نصاب تعلیم:** مدرسہ خیر آباد کا نصاب تعلیم بالجملة تو وہی تھا جس کو ملا نظام الدین نے درس نظامی کے نام سے متعارف کروایا تھا، مگر وقت اور ضرورت کے ساتھ ساتھ اس میں خیر آبادی علمائے اضافے بھی کیے، لہذا حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول مدرسہ خیر آباد کے نصاب تعلیم کو ”نظامی خیر آبادی“ کہنا زیادہ مناسب ہوگا، اس میں کچھ تو متقدمین کی کتب داخل کی گئیں مثلاً شرح اشارات طوسی، محاکمات رازی، افق مبین اور تجرید مع حواشی قدیمہ و جدیدہ وغیرہ اور کچھ خیر آبادی علمائے کتابیں داخل درس ہوئیں مثلاً مرقات (فضل امام خیر آبادی) ہدیہ سعیدیہ (فضل حق خیر آبادی) شرح مرقات، شرح ہدایت الحکمت، شرح مسلم الثبوت (عبدالحق خیر آبادی) وغیرہ، بعض مخصوص اور ذہین طلبہ کو علامہ کا حاشیہ افق مبین اور حواشی تلخیص الشفا بھی پڑھائے جاتے تھے۔ زواہد ثلاثہ ☆ بھی خیر آبادی علمائے مخصوص درسی کتابیں تھیں، زواہد ثلاثہ کے ساتھ بحر العلوم کے حواشی بھی پڑھائے جاتے تھے۔

علمائے خیر آباد گو کہ معقول و منقول کے جامع ہوا کرتے تھے مگر مدرسہ خیر آباد کے نصاب تعلیم پر معقولیت کا رنگ غالب تھا، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ عام طور پر طلبہ مدرسہ خیر آباد سے فراغت کے بعد علوم نقلیہ بالخصوص حدیث و تفسیر کی تحصیل کے لیے کسی دوسری درسگاہ کا رخ کیا کرتے تھے، مگر یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں تھا بلکہ بہت سے خیر آبادی افاضل کی درسگاہوں میں معقول و منقول دونوں کا درس پوری مہارت اور محققانہ شان سے جاری ہوتا تھا، مثال کے طور پر تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا برکات احمد ٹوٹکی اور مولانا امجد علی اعظمی کی درسگاہوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ مدرسہ خیر آباد کے عناصر اربعہ: علامہ فضل حق خیر آبادی کے بے شمار تلامذہ اپنی اپنی جگہ افق درس و تدریس پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، اور ہر ایک کی درسگاہ سے علما و فضلا کی ایک جماعت

---

☆ علامہ میرزا ہد ہروی کے تین حواشی حاشیہ رسالہ قطبیہ، حاشیہ ملا جلال اور حاشیہ امور عامہ کو زواہد ثلاثہ کہا جاتا ہے، ان حواشی کا تعارف آگے کسی مقام پر آ رہا ہے۔

فارغ ہو کر نکلی، مگر ان تمام تلامذہ میں علامہ کے چار شاگردوں کی درسگاہیں شہرہ آفاق ہوئیں۔

(۱) علامہ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی

(۲) تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی

(۳) استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری

(۴) مولانا فیض الحسن سہارنپوری

ان چاروں حضرات کی درسگاہوں سے مدرسہ خیر آباد کا فیض علم و فضل آفاق میں پھیل گیا، پھر ان حضرات کی درسگاہوں نے بھی ایسے ایسے کالمان فن پیدا کیے جن کی درسگاہیں خود اپنے زمانوں میں طلبہ کا مرکز توجہ بن گئیں، مولانا عبدالحق خیر آبادی کی درسگاہ سے سیکڑوں طلبہ نے استفادہ کیا اور اپنے اپنے وقتوں میں علم و فن کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ ان کے تلمیذ راشد مولانا برکات احمد ٹوکنی اس اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے ”مدرسہ ٹوکن“ کی بنیاد ڈالی جہاں سے علما کی ایک پوری فوج تیار ہو کر نکلی۔ ان کے تلامذہ میں علامۃ الہند مولانا معین الدین اجیمیری گونا گوں خوبیوں کے مالک ثابت ہوئے، انہوں نے بھی ہندوستان کے طول و عرض میں کئی جگہ اپنی درسگاہ آراستہ کی اور ایسے ایسے فاضل پیدا کیے جو خود اپنے اندر علم و فضل کی ایک انجمن ثابت ہوئے۔

اسی طرح تاج الفحول نے مدرسہ قادریہ بدایوں میں بیٹھ کر خیر آبادی فیضان علم کو عام کیا، آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی اور مولانا محبت احمد قادری بدایونی کی درسگاہیں اپنے زمانے میں شہرہ آفاق ہوئیں اور ایک زمانے نے ان سے استفادہ کیا، ان دونوں حضرات کے تلامذہ نے آگے چل کر مدرسہ قادریہ کے تعلیمی کارواں کو آگے بڑھایا اور مدرسہ قادریہ غیر منقسم ہندوپاک میں علم و فضل اور تعلیم و تعلم کا ایک شجر سایہ دار تسلیم کیا گیا، رب قدیر و مقتدر کے فضل اور اس کی توفیق سے یہ ادارہ آج بھی طالبان علم معقول و منقول کی خدمت کر رہا ہے، یہ بے بضاعت راقم الحروف اسی مدرسے میں درس نظامی و خیر آبادی کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری نے کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ رامپور میں درس دیا، پھر جونپور

میں برسہا برس تدریس کرتے رہے، یہ سلسلہ آپ کی وفات پر ہی ختم ہوا، آپ کے حلقہ درس سے ایسے ایسے کالمین روزگار پیدا ہوئے جو خود صاحب مدرسہ تسلیم کیے گئے، آپ کے تلمیذ رشید مولانا امجد علی اعظمی اپنے زمانے میں درس نظامی کے بہترین مدرس ہوئے، اور انہوں نے ایک مستقل دبستان درس و تدریس کی بنیاد ڈالی جس کو ہم مدرسہ امجدیہ کہہ سکتے ہیں، اس مدرسے نے بھی معقول و منقول دونوں میدانوں کے ایسے ایسے شہسوار پیدا کیے کہ زمانہ ان پر ناز کرتا ہے، مدرسہ امجدیہ کے بے شمار فارغین میں مولانا عبدالعزیز مراد آبادی کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، جنہوں نے ”مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم“ نام کے ایک چھوٹے سے مدرسے میں اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا جو بالآخر الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور اعظم گڑھ) جیسی عظیم درس گاہ پر جا کر ختم ہوا، یہ ادارہ آج برصغیر ہند و پاک کے چند بڑے دینی تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے اور آج بھی خیر آبادی فیضان پوری آب و تاب کے ساتھ یہاں سے جاری ہے۔

مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری کے تلامذہ میں ایک اہم نام مولانا یار محمد بندیا لوی کا بھی ہے، جن کے شاگرد ملک المدرسین مولانا عطاء محمد بندیا لوی ہوئے، آخری دور میں مولانا عطاء محمد بندیا لوی مدرسہ خیر آبادی آبرو قرار پائے، آپ کے شاگرد مولانا شاہ حسین گردیزی نے درست لکھا کہ:

خیر آبادی کا جانشینی کا ادعا آپ ہی کو زیب دیتا ہے، لا ریب علم کے اس دور انحطاط

میں آپ کا وجود مسعود خیر آباد کا روشن چراغ ہے (تجلیات مہر انور: ص ۵۷۰)

گزشتہ تیس چالیس برس میں پاکستان کے علمی افق پر جتنے بھی آفتاب و مانتاب درخشاں نظر آتے ہیں ان میں سے اکثر کا علمی شجرہ نسب مدرسہ بندیال تک پہنچتا ہے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے دیگر سیکٹروں افراد کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی نے علوم عربیہ میں خصوصی استفادہ کیا، یہ استفادہ اتنا جامع اور مکمل تھا کہ اس سلسلے کے کچھ واقعات لکھنے کے بعد علامہ شبلی کے شاگرد سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

غرض اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا فیض الحسن صاحب کے قلیل

المدت درس کا نقش علامہ مرحوم (شبلی) پر کس قدر گہرا پڑا تھا، یہی وجہ تھی کہ

استاذ مرحوم کو اپنے اساتذہ میں سے مولانا فیض الحسن صاحب کے ساتھ

مخصوص شیفتنگی تھی۔ (حیات شبلی: ص ۸۴)

علامہ شبلی کے مخصوص افکار و نظریات سے قطع نظر وہ خود ایک وسیع الحلقہ مدرس تھے، ندوۃ العلماء کے زمانے میں ان سے علوم عربیہ اور دیگر فنون میں صد ہا افراد نے استفادہ کیا، جن کے تلامذہ در تلامذہ آج بھی ملک کے طول و عرض میں موجود ہیں، ان حضرات کے شجر علمی کی جڑیں بھی علامہ شبلی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ہوتے ہوئے مدرسہ خیر آباد تک پہنچتی ہیں۔

ان کے علاوہ علامہ کے شاگرد مولانا عبدالعلی خاں رامپوری سے مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی تک، مولانا خیر الدین کے توسط سے مولانا ابوالکلام آزاد تک اور مولانا نادر الدین (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) کے توسط سے مولانا عبدالقدیر صدیقی حیدر آبادی سے ہوتا ہوا

جنوب ہند تک مدرسہ خیر آباد کا فیضان علمی پہنچا۔ ☆

مدرسہ خیر آباد کے فیضان علمی کے تذکرے کو میں اس شعر پر ختم کرتا ہوں کہ

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے

اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

☆☆☆

---

☆ مدرسہ خیر آباد کی اس تفصیل کے بعد غالباً اکثر ابوسلمان شاہجہانپوری کے اس ریمارک پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ: ”علامہ محمد فضل حق خیر آبادی نے ایک کامل درجے کی مدرسائے زندگی نہیں گزاری“ (علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی: ص ۱۸۰، بحوالہ علامہ محمد فضل حق خیر آبادی: ص ۶۶)

## خیر آبادی علما کا طریقہ درس اور اس کی خصوصیات

خیر آبادی علما اپنا ایک مخصوص طریقہ درس رکھتے تھے، جو ان کو دوسری درسگاہوں سے ممتاز کرتا ہے، طریقہ درس کے سلسلہ میں کچھ باتیں تمام خیر آبادی علما میں مشترک ہیں، اور کچھ خصوصیات شخصی طور پر کچھ اساتذہ نے اختیار کیں، پھر وہی خصوصیات ان کے تلامذہ میں منتقل ہوئیں۔

خیر آبادی طریقہ درس اور اس کی خصوصیات کے بارے میں مولانا سید نجم الحسن خیر آبادی فرماتے ہیں:

اساتذہ خیر آباد کے طریق تعلیم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ طالب علم کو کتاب کی چار دیواری میں مقید نہیں کرتے ہیں، بلکہ مسائل فن کو اس طرح ذہن نشین کرا دیتے ہیں جس سے طالب علم کے اندر مجتہدانہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے، وہ مقلد محض بن کر نہیں رہتا بلکہ بہ نظر دقیق ہر چیز کا تجزیہ کرتا ہے، اس کے برخلاف دوسرے اساتذہ عبارت پڑھوانے کے بعد ترجمہ کراتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مطلب بھی بیان کرتے جاتے ہیں، لیکن اساتذہ خیر آباد بقدر ضرورت عبارت کا ایک حصہ پڑھوانے کے بعد مسئلہ کی تقریر کر کے اس کے تمام پہلو طالب علم کے ذہن نشین کروا دیتے ہیں، اس کے بعد ترجمہ کراتے ہیں تاکہ کتاب سے بھی مطابقت ہو جائے اور عبارت کی پے چیدگیاں دور ہو جائیں (مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: ص ۱۵/۱۶)

مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی مدرسہ خیر آباد کے طریقہ تدریس کے بارے میں لکھتے ہیں:

سلسلہ خیر آباد میں عبارت پڑھوا کر خلاصہ مطلب بیان کیا جاتا ہے، اس کے بعد ترجمہ کرا کے لفظی مباحث کے بجائے تحقیق مسائل پر زور دیا جاتا ہے، یہ طریقہ زیادہ نافع اور باعث تسکین خاطر طلبہ ہے (باغی ہندوستان: ص ۱۸۶)

مولانا امجد علی اعظمی اپنے استاذ مولانا ہدایت اللہ رامپوری (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) کے طریقہ درس کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

ان کا مخصوص طلبہ کے ساتھ طریق تعلیم یہ تھا کہ سارا بوجھ طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا، خود صرف اغلاط پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے، نہ عبارت پڑھنے میں طالب علم کو کوئی مدد پہنچاتے تھے، نہ ترجمہ کرنے میں، اگر طالب علم نے عبارت غلط پڑھ دی یا ترجمہ غلط کیا تو اس عبارت کے غلط پڑھنے یا ترجمہ غلط کرنے کی وجہ دریافت کرتے کہ یہاں ایسا کیوں پڑھا؟ غرض یہ کہ طالب علم کو اپنی کوشش سے عبارت کو صحیح کرنا پڑتا تھا اور ترجمہ بھی عبارت کے مطابق کرنا پڑتا تھا، یہ تو معمولی باتیں ہیں جن کو بعض دیگر اساتذہ بھی برت لیا کرتے تھے، اگرچہ یہ اس زمانے میں بھی نادر تھا، مگر مولانا کی یہ خصوصیت خاصہ تھی کہ کتاب فہمی کا پورا بار طالب علم کے سر پر رکھا کرتے تھے، جس طرح کہ عموماً اساتذہ کا دستور ہے کہ تقریر کیا کرتے ہیں اور اپنی تقریر سے مضمون کو طلبہ کے ذہن نشین کیا کرتے ہیں، ان کے یہاں ایسا نہ تھا بلکہ طالب علم کو مطالعہ ایسا کرنا پڑتا تھا کہ کتاب کا پورا مضمون مطالعہ ہی کے ذریعے ذہن نشین ہوتا اور استاذ کے پاس سبق میں مطالعہ میں سمجھا ہوا مضمون پیش کرنا پڑتا، اگر صحیح ہے فہما اور غلطی ہو تو اگر وہ اس کی استعداد سے زائد ہے تو مولانا اپنی تقریر سے طالب علم کی غلطی کا ازالہ فرماتے اور صحیح مطلب ذہن نشین کراتے اور ایسی غلطی ہوتی جو اس طالب علم کے لیے نہیں ہونی چاہیے تھی تو حضرت مولانا اس کی تقریر پر اعتراض کر دیا کرتے



اور یہ بتاتے کہ کتاب کے اس لفظ سے یہ مضمون کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟  
طالب علم کو اپنے سبق میں یہ بھی بتانا پڑتا کہ مصنف نے یہ کہا تھا اس پر  
شارح نے یہ کہا اور محشی نے یہ، یعنی مضمون کا پورا سلسلہ اور مصنف،  
شارح، اور محشین کے اقوال کا حاصل بتانا اور ان میں فرق دکھانا اگر کچھ  
فرق ہو ضروری ہوا کرتا تھا۔ (حیات صدر الشریعہ: ص ۲۱)

مولانا حبیب الرحمن قادری بدایونی مدرسہ قادریہ کے فاضل اور خیر آبادی سلسلے کے ایک  
نامور فرزند تھے ان کے طریقہ درس کے بارے میں ان کے تلمیذ مولانا عبدالہادی قادری بدایونی  
لکھتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن قادری (علیہ الرحمہ) کا طریق درس یہ ہے کہ  
طالب علم سے عبارت پڑھواتے ہیں (تھے) پھر مسئلہ پر تقریر فرماتے ہیں، پھر  
سوال کرتے ہیں کہ ”سمجھ گئے؟“ پھر ارشاد ہوتا ہے اب آہستہ آہستہ عبارت  
پڑھو اور غور کرو کہ جو مطالب میں نے بیان کیے ہیں وہ اس عبارت سے سمجھ میں  
آ رہے ہیں یا نہیں، ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ترجمہ کرنے کی عادت پڑ گئی  
تو عربی عبارت کبھی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ (مقدمہ خمیازہ حیات: ص ۲۲)

مولانا فضل حق رامپوری نے بھی خیر آبادی طریقہ درس کی یہ خصوصیت بیان کی ہے فرماتے ہیں:  
خیر آبادی فضلا صرف تقریر کرتے تھے اور ترجمہ کرانا اور تقریر کو منطبق کرانا اپنے  
آپ سے فروتر اور معلمین کا پیشہ سمجھتے تھے (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۷۸)  
مولانا فضل حق رامپوری کے شاگرد مولانا عبدالسلام خاں رامپوری مولانا عبدالحق خیر آبادی کے  
طریق درس کے بارے میں لکھتے ہیں:

مولانا کے درس کی یہ صورت تھی کہ طالب علم عبارت پڑھتا اور مولانا تقریر کرتے،  
تقریر کو عبارت پر چسپاں کرنا مولانا کا طریق درس نہ تھا (مرجع سابق، ص ۶۹)  
خیر آبادی علما کے بارے میں ایک اہم بات یہ بھی ملتی ہے کہ زیر تدریس کتاب خواہ بالکل ابتدائی

درجہ ہی کی کیوں نہ ہو اس کو بھی بغیر مطالعہ کے نہیں پڑھاتے تھے، اور اس کو وہ اپنے اساتذہ خیر آباد کی ”سنت“ سمجھتے تھے، حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

مطالعہ غالباً صرف خیر آبادی سلسلہ کی مخصوص اصطلاح ہے، استاذ اور شاگرد کے لیے یہ لازمی تھا کہ وہ زیر تعلیم و متعلم کتاب کا بقدر درس پہلے مطالعہ کر لیں، اس کا اس قدر اہتمام و التزام کیا جاتا تھا کہ ابتدائی کتابوں تک کے درس سے پہلے مطالعہ کر لینا اساتذہ نے اپنے اوپر فرض کر رکھا تھا، اور جس روز اس کا موقعہ نہیں ملتا صبح بے تکلف کہہ دیتے تھے کہ آج سبق نہیں ہوگا رات مطالعہ نہیں کر سکا۔ (مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص ۲۸/۲۹)

مولانا عبدالحق خیر آبادی کے بارے میں حکیم صاحب لکھتے ہیں:

علامہ عبدالحق کو نحو کی کافیہ لابن حاجب کے درس کا ذوق تھا، اس کی شرح (تسہیل الکافیہ) بھی لکھی تھی، مگر اس کا درس بھی مطالعہ کے بغیر نہیں دیتے تھے (مرجع سابق: ۲۹)

مولانا برکات احمد ٹونگی کے بارے میں ان کے تلمیذ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

بغیر مطالعہ کے حضرت شرح تہذیب و قطبی جیسی آسان ابتدائی کتابیں مشکل ہی سے پڑھاتے، فرماتے تھے کہ بغیر دیکھے ہوئے کسی کتاب کا درس جائز نہیں ہے (حیات مولانا حکیم سید برکات احمد: ص ۵۷)

دور آخر میں خیر آبادی درس گاہ کی آبرو مولانا عطاء محمد بندیا لوی کے بارے میں ان کے تلمیذ رشید مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

بیسوں دفعہ درسی کتب پڑھانے کے باوجود ہر کتاب باقاعدہ مطالعہ کر کے پڑھاتے ہیں، پھر یہی نہیں کہ کتاب پر ایک سرسری نگاہ ڈال لی بلکہ نظر غائر سے مطالعہ فرماتے ہیں (تجلیات مہر انور: ص ۵۷۰/۵۷۱)

یہی بات میں نے دیگر اساتذہ خیر آباد کے بارے میں بھی پڑھی اور اپنے اساتذہ سے سنی ہے

۔ اسی طرح اساتذہ خیر آباد اپنے طلبہ کو بھی مطالعہ کر کے آنے کی سخت تاکید کیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں اپنے استاذ کے بارے میں مولانا امجد علی اعظمی کا بیان گزشتہ صفحات میں گزرا، مولانا عبدالحکیم شرف قادری اپنے استاذ مولانا عطاء محمد بند یاوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

طلبہ سے مطالعہ کی سخت پابندی کرواتے ہیں کسی طالب علم کے متعلق اگر یہ محسوس کر لیں کہ اس نے پوری طرح مطالعہ نہیں کیا ہے تو اسے اچھی خاصی سرزنش فرماتے ہیں، اس لیے آپ کے یہاں غیر محنتی طالب علم کی بہت کم گنجائش ہوتی ہے (مرجع سابق: ص ۵۷۱)

طلبہ کے اوپر خیر آبادی اساتذہ کی بے پناہ شفقت بھی اپنے اندر ایک الگ شان رکھتی ہے، آئندہ سطور میں ہم مدرسہ خیر آباد کے اس پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔



## خیر آبادی اساتذہ کی شفقت

مدرسہ خیر آباد کی ایک امتیازی خصوصیت اساتذہ کی طلبہ کے ساتھ شفقت و محبت ہے، اساتذہ خیر آباد اپنے طلبہ کو اپنی اولاد سے کم نہیں سمجھتے تھے، ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے، اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بڑی توجہ دیتے تھے، مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد مولانا اسرائیل پشاوری لکھتے ہیں:

ہندوستان کے اکثر علما اپنے شاگردوں پر انتہائی شفقت اور بے حد مہربانی فرمایا کرتے تھے، مگر خاندان عالیہ خیر آبادیہ کے علما تو بالخصوص انہیں اپنی اولاد سمجھتے تھے، اور اپنی حویلی، مکان، یا قریبی جگہ میں ٹھہرایا کرتے تھے، کیوں کہ ان کا مقصد صرف پڑھنا نہیں تھا ساتھ ساتھ صحیح تربیت بھی ہوتی تھی۔ (مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: ص ۹۷)

شفقت و محبت کا یہ انداز بانی مدرسہ خیر آباد مولانا فضل امام خیر آبادی سے چلا آرہا ہے، ان کی تربیت و تعلیم کا نتیجہ تھا کہ یہ شفقت و محبت خیر آبادی اساتذہ میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی، حضرت غوث علی شاہ پانی پتی (ولادت: ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء۔ وفات: ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) مولانا فضل امام خیر آبادی کے تلمیذ ہیں، اپنے استاذ اور ان کی اہلیہ کی شفقتوں کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ (مولانا فضل امام خیر آبادی) مبرور مغفور ہمارے حال پر نہایت شفقت فرماتے تھے، اور ان کی اہلیہ کو بھی مثل مادر مشفقہ محبت تھی حتیٰ کہ بغیر ہمارے کھانا تناول نہ فرمایا کرتی تھیں، ہم ان کے ساتھ پٹیلہ بھی گئے اور ضروری کتب دینیہ اور منطق پڑھتے رہے جب وہ عالم قدس کو رحلت فرما ہوئے تو

ہم کو نہایت رنج و الم ہوا اس دن سے کتابیں بالائے طاق رکھ دیں کہ نہ اس شفقت سے کوئی پڑھائے گا نہ ہم پڑھیں گے۔ (تذکرہ غوثیہ: ص ۱۷)

مولانا فضل امام خیر آبادی نے اپنے طلبہ سے شفقت و محبت کرنے کی تربیت کس طرح اپنے فرزند و جانشین علامہ فضل حق کو دی اس کا احوال بھی غوث علی شاہ نے لکھا ہے، علامہ فضل حق خیر آبادی درسیات سے فارغ ہوئے تو والد کے حکم سے مسند درس کو رونق بخشی، مولانا فضل امام نے ایک طالب علم کو علامہ کے پاس سبق پڑھنے بھیجا، یہ طالب علم دراز عمر اور کند ذہن تھے، علامہ نوخیز، نازک مزاج اور ذہین و فطین، سبق پڑھانے کے دوران جھنجلا گئے، غصے سے کتاب اٹھا کر پھینک دی اور طالب علم کو برا بھلا کہہ کر درس سے نکال دیا، طالب علم روتا ہوا مولانا فضل امام کے پاس پہنچا اور شکایت کی، مولانا فضل امام نے علامہ کو بلایا، غوث علی شاہ جو اس واقعے کے عینی شاہد ہیں فرماتے ہیں:

مولوی فضل حق صاحب آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے مولانا (فضل امام) صاحب نے ایک تھپڑ دیا ایسے زور سے کہ ان کی دستار فضیلت دور جا پڑی اور فرمانے لگے کہ تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز و نعمت میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا، طالب علموں کی قدر و منزلت (تو) کیا جانے، اگر مسافرت کرتا بھیک مانتا اور طالب علم بننا تو حقیقت معلوم ہوتی ارے طالب علمی کی قدر ہم سے پوچھ..... خبر دار تم جانو گے اگر آئندہ ہمارے طالب علموں کو کچھ کہا، یہ چیپ کھڑے روتے رہے، کچھ دم نہ مارا، خیر قصہ رفع دفع ہوا، لیکن پھر کسی طالب علم کو کچھ نہ کہا (تذکرہ غوثیہ: ص ۱۳۰)

مولانا فضل امام کی یہی وہ تربیت تھی جو آگے چل کر خیر آبادی مدرسہ کی خصوصیت بن گئی، علامہ فضل حق خیر آبادی کے بارے میں ان کے تلمیذ مولانا عبد اللہ بلگرامی لکھتے ہیں:

و کان رحمہ اللہ رؤفاً بالطلاب حریصاً علی تدریس اولی

الافہام والالباب (التحفة العلمیة حاشیہ ہدیہ سعیدیہ: ۲۹)

ترجمہ: آپ طلبہ پر بہت شفیق، اور ذہین طلبہ پر نہایت مہربان تھے۔  
آگے لکھتے ہیں:

ویسوی بین ولده و فلذة كبده و بین احد من الطلبة فى الرشاد  
والتعلیم (مرجع سابق)

ترجمہ: تعلیم و ارشاد کے باب میں اپنے بیٹے اور جگر گوشے اور عام طلبہ کو  
برابر سمجھتے تھے، (یعنی کوئی فرق نہیں کرتے تھے)

استاذ کی یہی وہ شفقت و محبت تھی جس سے طلبہ ایسے گرویدہ ہو جاتے تھے کہ تعلیم مکمل ہونے  
کے باوجود بھی برسہا برس استاذ کی خدمت میں رہتے تھے، علامہ کے شاگرد مولانا ہدایت اللہ  
رامپوری ایسے ہی طلبہ میں تھے، علامہ جب ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں رامپور پہنچے تو مولانا ہدایت اللہ  
صاحب علامہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، یہاں علامہ تقریباً ۸/۷ برس رہے، رامپور سے  
علامہ لکھنؤ اور وہاں سے الور گئے، مگر مولانا ہدایت اللہ نے علامہ کا ساتھ نہ چھوڑا، اور اس وقت  
تک علامہ کی خدمت رہے جب تک علامہ قید کر کے انڈمان نہ بھیج دئے گئے۔

مولانا ہدایت اللہ رامپوری خود اپنے طلبہ پر بہت شفقت فرماتے تھے، جو طلبہ ذہین اور محنتی  
ہوتے تھے ان کے ساتھ خصوصیت سے شفقت کا معاملہ کرتے تھے، ان کے تلمیذ مولانا امجد علی  
اعظمی لکھتے ہیں:

حضرت مولانا عموماً جملہ طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی فرماتے اور  
خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد صدیق اور مولانا سید سلیمان اشرف صاحب  
بہاری، ان صاحبوں پر مخصوص کرم تھا (حیات صدر الشریعہ: ص ۲۳)

مولانا عبدالحق اپنی تمام تر نازک مزاجی بلکہ تنگ مزاجی کے باوجود اپنے تلامذہ پر بے حد شفیق تھے،  
ان کی طلبہ پر شفقت و محبت کا تذکرہ باغی ہندوستان میں شیروانی صاحب نے کیا ہے، مولانا عبدالحق  
کے شاگرد مولانا برکات احمد ٹوکنی کے بارے میں ان کے تلمیذ سید مناظر حسن گیلانی لکھتے ہیں:

صحبتوں میں وہ ایک مہربان دوست سے زیادہ معلوم نہیں ہوتے تھے، غیر  
درسی مجلسوں میں ہر قسم کے ذکر و اذکار بلکہ کبھی کبھی کسی طالب علم سے

ظرافت بھی فرمالیا کرتے، تواضع کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی وجہ سے کسی طالب العلم پر آپ خفا بھی ہوتے تو تھوڑی دیر بعد آپ کو منفعلانہ افسوس ہوتا اور اس کی تلافی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا فرمالیتے (حیات مولانا حکیم برکات احمد: ص ۵۶)

ایک مرتبہ غصے میں کسی سرحدی طالب علم کو اثنائے درس کچھ سخت سست کہہ دیا، وہ طالب علم خفا ہو کر درس گاہ سے اٹھ کر چلا گیا، مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

اس وقت تو بات یوں ہی ہو گئی، مغرب کے بعد میں نے تاریکی میں دیکھا کہ کوئی آدمی اس کے حجرے میں داخل ہوا، اور مولوی ابوالبشر سے مرضاة بلکہ معافی کے کلمات کہہ رہا ہے، غور کیا تو وہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس تواضع اور انکسار پر دل نے عبرتوں کا ایک سبق حاصل کیا (مرجع سابق: ص ۵۷)

مولانا برکات احمد کے تلمیذ علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے بارے میں بھی یہی بات ان کے شاگرد مولانا نجم الحسن خیر آبادی نے لکھی ہے:

اگر کبھی کسی طالب علم سے ناراض ہو جاتے تھے تو دوسرے وقت اس کی پوری دلجوئی فرماتے تھے (مولانا معین الدین تلامذہ کا خراج عقیدت: ص ۲۶)

مزید فرماتے ہیں:

طلبہ کے حال پر شفقت و کرم کا یہ عالم تھا کہ دو ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مولانا اپنے دست مبارک سے کھانے کی سینی لے کر آئے ہیں (مولانا معین الدین تلامذہ کا خراج عقیدت: ص ۲۵)

مولانا برکات احمد اور مولانا معین الدین اجمیری کا ایک واقعہ اور پڑھ لیں جس سے استاذ کی اپنے شاگرد پر شفقت اور اس کی صلاحیتوں پر اعتماد کی ایک جھلک نظر آتی ہے، مولانا برکات احمد کے مدرسے میں سالانہ امتحان تھا، حسب روایت کوئی صاحب باہر سے امتحان لینے کے لیے آئے تھے، دستور کے مطابق امتحان گاہ میں استاذ مولانا برکات احمد، تمام طلبہ اور بعض طلبہ کے والدین بھی موجود تھے، مولانا معین الدین اجمیری کی باری آئی تو انہوں نے نہایت عمدگی، اعتماد اور بے

تکلفی سے جوابات دئے، اس پر استاذ مولانا برکات احمد اور مولانا جمیری کے والد مولوی عبدالرحمن سمیت سبھی حاضرین بہت خوش ہوئے، مگر طالب علم کی یہ حاضر جوابی اور خود اعتمادی ممتحن کو گراں گزری، انہوں نے زیر امتحان کتاب کے معیار سے بلند سوالات پوچھنا شروع کر دیے، یہ سوالات اگرچہ مولانا معین الدین کی پڑھی ہوئی کتاب کے نہیں تھے، مگر پھر بھی انہوں نے شافی جواب دیا، اس کے بعد ممتحن نے مولانا کا امتحان ختم کیا اور ان کو جانے کی اجازت دی، آگے کا حال حکیم محمود احمد برکاتی کے الفاظ میں پڑھیے:

اب مولانا جو اس صورت حال اور ممتحن کے اس طرز عمل پر برہم ہو چکے تھے کہ یہ طالب علم کے ساتھ زیادتی ہے، ممتحن سے مخاطب ہوئے کہ ”ابھی سوالات کا سلسلہ بند نہ کیجیے اور پوچھیے جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھیے، یہ سب کے جوابات دے گا اور اگر یہ جواب نہ دے سکا تو میں اسی محفل میں ذبح کر دوں گا“ یہ تھا اپنے طلبہ پر اعتماد، یہ تھی محبت کہ ان کے ساتھ ممتحن کی زیادتی پر برہم ہوئے، ان کو ملال ہوا اور عالم جلال میں طالب علم کے والد کے سامنے یہ اعلان کر گئے کہ ”اگر یہ جواب نہ دے سکا تو میں اسے اسی محفل میں ذبح کر دوں گا“ (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۱۲۵/۱۲۶)

مولانا سید عبدالعزیز انیٹھوی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) بھی اپنے طلبہ پر نہایت شفقت و مہربان تھے، حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی رامپور میں سید صاحب کی خدمت میں معقولات کی تحصیل کرنے گئے تو آپ کے ساتھ آپ کے طلبہ بھی گئے، حضرت دن میں سید صاحب سے پڑھتے تھے، اور خالی اوقات میں اپنے طلبہ کو پڑھاتے تھے، اسی دوران یونیورسٹی کے امتحانات کا زمانہ آ گیا، حضرت نے طلبہ کو خرچہ دے کر دہلی روانہ کیا، اب آپ کے پاس رقم ختم ہو گئی تو ملازم کو بدایوں بھیجا کہ اور رقم لے کر آجائے، ملازم بدایوں آیا تو اس نے سوچا جب آیا ہوں تو دو ایک روز اپنے گاؤں بھی رہ لوں، ادھر حضرت کے پاس پیسے ختم ہو گئے، اور فاقوں کی نوبت آ گئی، مگر درس ترک نہیں کیا، چہرے سے کمزوری کے آثار ظاہر ہونے لگے، استاذ مولانا سید عبدالعزیز نے بھانپ لیا درس کے بعد فرمایا کہ آؤ آج تمہاری قیام گاہ پر چلیں، آگے کا واقعہ مولانا عبدالہادی



بدایونی کے الفاظ میں سنیں جن کا کہنا ہے کہ مجھے یہ واقعہ خود میرے والد مولانا عبدالقدیر بدایونی نے سنایا، جب حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی اور ان کے استاذ مولانا سید عبدالعزیز حضرت کی قیام گاہ پر پہنچے تو:

وہاں دروازہ پر قفل تھا، انھوں نے بڑھ کر قفل کھولا، استاذ نے پوچھا تمہارے شاگرد کہاں ہیں؟ عرض کیا امتحان دینے دہلی گئے ہیں، استاذ نے پوچھا اور ملازم؟ عرض کیا وہ کام سے بدایوں گیا ہے۔ استاذ نے سارا معاملہ سمجھ لیا اور کہا اچھا تم بیٹھو، وہ اپنے گھر گئے وہاں سے کھانا لے کر آئے اور خود کھلایا اور فرمایا مجھ سے کیوں نہ کہا؟ ایسی تکلیف کیوں اٹھائی؟ اور جب تک ملازم بدایوں سے واپس نہ آیا استاذ المولوی (مولانا عبدالقدیر بدایونی) کے کھانے کا انتظام کرتے رہے۔ (احوال و مقامات: ص ۵۴)

یہ ہے خیر آبادی اساتذہ کی اپنے طلبہ کے ساتھ شفقت و محبت، جس کو مدرسہ خیر آباد کا امتیاز کہا جاسکتا ہے۔



## خیر آبادی تلامذہ کی عقیدت

خیر آبادی اساتذہ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ آپ نے دیکھ لیا، جب خیر آبادی اساتذہ اس انداز میں اپنے شاگردوں کو نوازا کرتے تھے تو تلامذہ بھی ان کے بندہ بے دام ہو جاتے تھے، اور ایک خیر آبادی تلمیذ اپنے استاذ سے اتنی ہی عقیدت و محبت رکھتا تھا جتنا ایک مرید اپنے پیر سے رکھتا ہے، بقول مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی:

اسی طرز تعلیم اور شفقت کا یہ نتیجہ ہے کہ شاگرد اپنے استاذ کا عاشق و فدا کا نظر آتا ہے، ایک جاں نثار مرید کو اپنے پیر سے اتنی ہی عقیدت ہو سکتی ہے جتنی سلسلہ خیر آباد کے تلامذہ کو اپنے اساتذہ سے ہوا کرتی ہے (باغی ہندوستان: ص ۱۸۶)

یہ اساتذہ سے محبت و عقیدت کا ہی کرشمہ ہے کہ بہت سے خیر آبادی افاضل عقیدہ و مسلک کے باب میں اپنا انتساب خیر آباد کی طرف کیا کرتے تھے اور خود کو فخریہ ”خیر آبادی“ کہا اور لکھا کرتے تھے، علامۃ الہند مولانا معین الدین اجیری کے شاگرد مولانا محمد اسرائیل پشاور کے بارے میں حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

مولانا اسرائیل اپنے مکتب فکر (خیر آباد) سے شیفتگی کی بنا پر اپنے نام کے ساتھ مستقلاً ”خیر آبادی“ لکھا کرتے تھے (مولانا معین الدین اجیری تلامذہ کا خراج عقیدت: ص ۸)

مولانا معین الدین اجیری کے ایک دوسرے شاگرد شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی کے بارے میں ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی (ابن مولانا عبدالحکیم شرف قادری پاکستان) نے راقم کو بتایا کہ ایک بار کسی نے آپ سے آپ کے مسلک کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ

”میں خیر آبادی ہوں۔“

مولانا ہدایت اللہ رامپوری: مولانا ہدایت اللہ رامپوری (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) اپنے استاذ زادے مولانا عبدالحق خیر آبادی سے کیسی والہانہ محبت کرتے تھے اس کی ایک جھلک مولانا برکات احمد ٹوکنی کے صاحبزادے حکیم سید محمد احمد ٹوکنی کی اس تحریر میں ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

استاذ کی یاد سے مجبور ہو کر ہر چند مہینے بعد مولانا عبدالحق (اپنے استاذ زادے) کے یہاں چلے آتے تھے اور فرماتے ”باز گواز نجد و یاران نجد“ مولانا عبدالحق بھی ان کا بڑا احترام فرماتے تھے اور انہیں اپنے حلقے کا قابل فخر رکن سمجھتے تھے، مگر ان کی فرمائش سے مجبور ہو کر سبق پڑھانے بیٹھ جاتے، مولانا عبدالحق مسند درس پر بیٹھتے اور مولانا ہدایت اللہ خاں حلقہ تلامذہ میں کتاب کھول کر بیٹھتے، دوسرے علما اور مدرسین بھی دور دور سے مولانا ہدایت اللہ کی آمد کی خبر سن کر آ جاتے تھے، اور حلقہ درس آراستہ ہو جاتا تھا مولانا عبدالحق خاص طور پر تیاری کر کے سبق پڑھانے بیٹھتے، تقریر درس کے بعد مولانا ہدایت اللہ خاں اپنے شبہات پیش کرتے مولانا عبدالحق جواب دیتے یہ سلسلہ گھنٹوں دراز رہتا، شریک درس دوسرے علما و طلبہ حیرانی کے ساتھ یہ منظر دیکھتے انہوں نے بھلا مولانا عبدالحق کو اس تیاری اور اہتمام سے پڑھاتے اور مولانا ہدایت اللہ خاں جیسے منجھے ہوئے مدرس، دقیقہ رس اور وسیع النظر فاضل کو پڑھتے اور شبہات و ایرادات وارد کرتے کہاں دیکھا ہوگا، مولانا ہدایت اللہ خاں بایں ہمہ فضل و کمال جب شاگرد بن کر بیٹھتے تو اس عجز و انکسار اور خضض جناح کے ساتھ کہ طلبہ کے لیے ادب کا ایک نمونہ ہوتا، پھر استاذ زادے کی ادائے برہمی کا نظارہ کرنے اور استاذ علامہ کی یاد تازہ کرنے کے لیے کوئی مہمل سوال کر دیتے بس پھر مولانا عبدالحق کو کچھ یاد نہ رہتا اور برہم ہو کر کتاب اٹھا کر پھینک دیتے اور کہتے ”مہمل سمجھتا کیوں نہیں“ فاضل جو پوری کتاب اٹھا کر لاتے اور پھر مودبانہ آ بیٹھتے اور فرماتے اب انشاء اللہ غلطی نہیں ہوگی، ذرا یہ شبہ اور رفع

فرمادیجیے، مولانا عبدالحق سرگرم جواب ہو جاتے

اب کہاں سے لاؤں وہ دشت جنوں پرور جہاں

رقص میں لیلیٰ رہی، لیلیٰ کے دیوانے رہے

(مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۵۰)

مولانا ہدایت اللہ رامپوری اپنے استاذ یا استاذ زادے تو درکنار استاذ زادے کے نوکر کا وہ ادب واحترام کرتے تھے کہ شاید آج کل لوگ اپنے استاذوں کا نہ کرتے ہوں، مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی لکھتے ہیں:

مولانا ہدایت اللہ خاں جو پنپوری کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ استاذ زادہ مولانا

عبدالحق کا ملازم وخادم لاو جب کبھی جو پنپور پہنچ جاتا تھا، اور مولانا اس کی

آوازن پاتے تھے تو پیرانہ سالی اور ضعف بصارت کے باوجود تعظیم کو

کھڑے ہو جاتے، کھانا ساتھ کھلاتے اور سفر خرچ وغیرہ دے کر عزت

وسرت کے ساتھ رخصت فرماتے (باغی ہندوستان: ص ۱۸۶)

مولانا ہدایت اللہ رامپوری کو جیسا عشق اپنے استاذ سے تھا ویسے ہی آپ کے تلامذہ بھی آپ

سے محبت کرتے تھے، آپ کے تلامذہ میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کا نام نمایاں حیثیت

رکھتا ہے، سید سلیمان ندوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری صاحب کو حقیقت یہ ہے کہ اپنے استاذ کے

ساتھ عقیدت ہی نہیں عشق تھا، ان کے حالات جب سناتے تو ان کے طرز

بیان اور گفتار کی ہر ادا سے والہانہ عقیدت تراوش کرتی تھی (معارف اعظم

گر ۱۳۳۹ھ بحوالہ سید سلیمان اشرف بہاری حیات و کارنامے: ص ۲۸)

اساتذہ کی تقریر اور اداؤں کا استحضار: مولانا سید عبدالعزیز انپٹھوی (وفات: ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء)

کو اپنے استاذ مولانا عبدالحق خیر آبادی سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ انہیں اپنے استاذ کی درسی

تقریریں تو ایک طرف استاذ کی ادائیں بھی یاد تھیں، مولانا عبدالسلام خاں رامپوری لکھتے ہیں:

مولانا (عبدالحق خیر آبادی) کی اکثر تقریریں ان کے الفاظ اور ان کے ہاتھوں

کے اشاروں کے ساتھ محفوظ تھیں) (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۱۷)

یہی بات میرے دادا مولانا عبدالقدیر بدایونی بھی فرماتے تھے، ان کے صاحبزادے مولانا عبدالہادی ان سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے:

میرے استاذ (مولانا سید عبدالعزیز انیٹھوی) کو اپنے استاذ (مولانا عبدالحق خیر آبادی) کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ تو یاد تھے ہی، ان کی ادائیں بھی یاد تھیں، ایک روز پڑھانے بیٹھے تو اگال دان مانگا، حالانکہ وہ پان کھاتے نہیں تھے اور کتاب پڑھاتے ہوئے اگال دان پر انگلی مارتے جاتے تھے، پڑھا چکے تو فرمایا سمجھ میں آیا؟ عرض کیا جی سمجھ میں آیا، استاذ نے اگال دان پر انگلی مارتے ہوئے پوچھا اور یہ؟ عرض کیا یہ تو میں نہیں سمجھا تو فرمایا ”استاذ محقق نے جب یہ سبق پڑھایا تھا تو اگال دان بجا رہے تھے اس کے بغیر سبق ادھور اڑتا ہے“۔ (احوال و مقامات: ص ۵۳)

مولانا عبدالعزیز انیٹھوی کو اپنے استاذ کی درسی تقریریں لفظ بلفظ یاد تھیں مگر ان کے بعض تلامذہ کو بھی اپنے استاذ مولانا عبدالعزیز کی درسی تقریریں بلفظ یاد ہو گئی تھیں، آپ کے تلامذہ میں ایک مولانا رفیق صاحب تھے جب مولانا عبدالقدیر بدایونی رامپور میں مولانا عبدالعزیز کے یہاں تحصیل کر رہے تھے اس زمانے میں مولانا رفیق صاحب بھی مولانا عبدالعزیز کی خدمت میں تھے، والد محترم بتاتے ہیں کہ ان کے سامنے کئی مرتبہ ان کے والد حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی نے فرمایا کہ میرے استاذ بھائی مولانا رفیق کو اپنے استاذ مولانا عبدالعزیز کی درسی تقاریر بلفظ یاد ہو گئی تھیں۔

سلسلہ خیر آباد کے اور بھی بہت سے بادہ نوش ایسے تھے جن کو اپنے اساتذہ کی درسی تقریریں مع ان کی ادائوں کے یاد تھیں، رامپور کے نواب زادہ محمد علی خاں عرف چٹن صاحب (وفات: ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء) تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی کے بارے میں ان کے معاصر مولانا فضل حق رامپوری کا بیان ہے کہ:

ان کی تقریر کا انداز بالکل مولانا (عبدالحق) جیسا تھا، حتیٰ کہ جن موقعوں پر

مولانا ہاتھ سے اشارہ کرتے یہ بھی ان ہی موقعوں پر ان ہی جیسا اشارہ کرتے (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۸۲/۸۳)

اساتذہ کی درسی تقریریں لفظ بہ لفظ یاد ہونے کا ایک حیرت انگیز واقعہ انہیں نواب زادہ چھٹن کے ساتھ جھانسی میں پیش آیا، ایک مرتبہ جھانسی میں ان کی ملاقات حافظ بخاری شاہ عبدالصمد سہسوانی (تلمیذ تاج الفحول) سے ہوگئی، نواب صاحب نے فرمائش کی کہ حضرت ان کو علامہ فضل حق خیر آبادی کا رسالہ الروض الجو دپڑھادیں، چنانچہ بعد فجر یہ درس شروع ہوا، اور تقریباً دن میں بارہ بجے رسالہ اپنے اختتام کو پہنچا، جب حافظ بخاری نے رسالے کا درس ختم کیا تو نواب صاحب نے حیرت و استعجاب میں فرمایا کہ:

میں نے اس رسالہ کو سبقاً سبقاً اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے پڑھا تھا، مگر واللہ حضور نے مجسہ وہی تقریر فرمائی جو حضرت مولانا صاحب کیا کرتے تھے، نہ ایک لفظ کم نہ ایک لفظ زیادہ ہوا۔ (ملفوظ مصابیح القلوب: ص ۴۰)

درس کی اس حیرت انگیز مماثلت کی اس کے علاوہ اور کیا توجیہ کی جائے کہ یہ رسالہ مولانا عبدالحق خیر آبادی اور حضرت تاج الفحول نے اپنے استاذ علامہ فضل حق خیر آبادی سے پڑھا ہوگا، اور ان کی تقریر بالفاظ ذہن میں محفوظ ہوگی، اس کے بعد ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے شاگردوں کو انہیں الفاظ میں درس دیا ہوگا، مولانا شاہ عبدالصمد نے اپنے استاذ حضرت تاج الفحول کی تقریر کو بالفاظ یاد رکھا ہوگا، اور انہیں الفاظ میں انہوں نے رسالہ کی تشریح نواب زادہ صاحب کے سامنے کردی۔

ان استاذ و شاگرد (تاج الفحول اور حافظ بخاری) کی تقریر میں حیرت انگیز مماثلت کی طرف مولانا ضیاء القادری (جنہوں نے دونوں کی زیارت کی ہے) نے بھی اشارہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

حضور تاج الفحول رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ کا پورا لطف آپ (حافظ بخاری) کے وعظ میں آجاتا تھا، بعض وقت بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ خود حضور پر نور (تاج الفحول) قدس سرہ العزیز بول رہے ہیں (دربار عرس شریف: ص ۴۶)

مولانا محمود رفاقتی کے بقول:

وعظ میں انداز بیان واستدلال حضرت مولانا تاج الفحول کی طرح تھا، بعض وقت اجنبی دھوکا کھا جاتے کہ حضرت تاج الفحول بیان فرما رہے ہیں۔  
(تذکرہ علمائے اہل سنت: ص ۱۲۹/۱۳۰)

اساتذہ کی کتب سے محبت: خیر آبادی فضلا صرف اپنے استاذوں ہی سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی تصانیف سے بھی عشق کرتے تھے، علامہ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے بارے میں ان کے تلمیذ مولانا عبدالشاد خاں شیروانی لکھتے ہیں کہ:

(علامہ فضل حق کے) اس حاشیہ قاضی سے حضرت الاستاذ مولانا اجمیری مرحوم کو عشق تھا، سفر و حضر ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور وقتاً فوقتاً مطالعہ کرتے رہتے تھے (باغی ہندوستان: ص ۱۸۵)

مولانا حبیب الرحمن اڑیسوی مولانا امجد علی اعظمی کے واسطے سے سلسلہ خیر آباد سے منسلک ہیں، ان کو اپنے خیر آبادی اساتذہ کی کتب سے اتنا شغف تھا کہ ان کے بارے میں میں نے اپنے استاذ حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی زبانی بارہا سنا کہ مولانا حبیب الرحمن اڑیسوی منطق کے نصاب میں ملاحسن کی شرح سلم کی جگہ مولانا عبدالحق خیر آبادی کی شرح مرقاۃ اور فلسفہ میں میبذی کی جگہ مولانا عبدالحق خیر آبادی کی شرح ہدایت الحکمۃ پڑھایا کرتے تھے، غالباً انہوں نے اپنے مدرسے کے نصاب میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا رسالہ ”الروض المجود“ بھی داخل کیا تھا۔ مولانا برکات احمد ٹوکی کے حالات میں ملتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے مدرسہ خلیلیہ نظامیہ کے نصاب تعلیم میں مولانا عبدالحق خیر آبادی کی شرح مرقاۃ اور شرح ہدایت الحکمۃ داخل کی تھیں۔ اکثر خیر آبادی تلامذہ اپنے اساتذہ خیر آبادی کی کتابوں کے قلمی نسخے بڑے اہتمام سے اپنے ذاتی کتب خانوں میں محفوظ کرتے تھے، فوٹو کاپی کا زمانہ نہیں تھا اس لیے خود بیٹھ کر بڑی دیدہ ریزی سے ان ضخیم کتابوں کو نقل کیا کرتے تھے، یہ بھی اپنے اساتذہ سے غیر معمولی تعلق خاطر ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کی نایاب اور غیر مطبوعہ کتابوں کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرتے تھے (اس کی قدرے تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)

مولانا حکیم برکات احمد ٹوکی: سلسلہ خیر آباد کے قابل فخر فرزند اور مولانا عبدالحق خیر آبادی کے حلقہ

درس کے ایک نمایاں فرد تھے، استاذ اور استاذ زادوں سے محبت اور عقیدت کے معاملہ میں اپنے خیر آبادی مسلک پر گامزن تھے، ان کے پوتے مولانا حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

مولانا (برکات احمد ٹوکی) اپنے اساتذہ سے شیفتگی کی حد تک محبت کرتے تھے، اور ان کی ہر ہر ادا سے پیار کرتے تھے، خصوصاً علامہ عبدالحق سے ان کی عقیدت ایک شان امتیاز رکھتی تھی۔ (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۱۰۰)

محبت و عقیدت کا یہ تعلق زمانہ طالب علمی کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد ہر سال علامہ کے درحکمت پر حاضری دیتے، ایک بار ایک شدید مرض کے دوران زیادہ مدت تک مقیم رہ کر تیمارداری کی سعادت حاصل کی، اور استاذ کی دعائیں سمیٹیں، ہر بار خیر آباد سے رخصت کے وقت پاؤں ہوتے تو علامہ اپنے دست مبارک سے ان کا سر اٹھاتے۔ (مرجع سابق ص ۱۰۱/۱۰۰)

اپنے استاذ زادوں کے ادب و احترام میں بھی مولانا برکات احمد ٹوکی ایک نمایاں شان رکھتے تھے، اپنے استاذ مولانا عبدالحق خیر آبادی کے پوتے حکیم ظفر الحق خیر آبادی کو تعلیم و تربیت کے لیے اپنے ساتھ ٹونک لائے، ٹونک میں کس شان سے استاذ زادے کی تعلیم ہوئی ملاحظہ فرمائیں:

مولانا سید برکات احمد جب ان (حکیم ظفر الحق) کو اپنے ساتھ ٹونک لے کر آئے تاکہ خود ان کی تعلیم و تربیت کی سعادت حاصل کر سکیں تو آتے ہی سب کو متنبہ کر دیا گیا کہ یہ ہمارے استاذ زادے ہیں شاہ زادے ہیں سب ان کا ادب کریں اور ان کی پسند و ناپسند کو ہر بات میں ہر قدم پر ملحوظ رکھیں، ان کے درس کی شان یہ ہوتی کہ میاں ظفر الحق پلنگ پر تشریف فرما ہوتے اور استاذ (مولانا سید برکات احمد) اور دوسرے رفقاء درس (مولانا معین الدین اجمیری وغیرہ) پلنگ کے نیچے فرش پر۔ (مرجع سابق ص ۲۴۲)

استاذ زادے سے محبت اور اس کے ادب و احترام کی یہ ادبھی ملاحظہ فرمائیں:



مولانا (سید برکات احمد) دونوں وقت کھانے کا خوان خود لے کر ان (حکیم ظفر الحق صاحب) کے کمرے میں جاتے مگر کسی معمولی سی فروگزاشت پر (حکیم ظفر الحق) خوان اٹھا کر پھینک دیتے، مولانا (برکات احمد) پھر خوان سجا کر لے جاتے، مناتے اور اپنے سامنے کھانا کھلا کر لوٹتے۔ (مرجع سابق ص ۲۴۲)

حکیم ظفر الحق صاحب تو پھر بھی استاذ کے پوتے تھے، مولانا برکات احمد ٹوکنی تو استاذ کے نوکروں اور خادموں تک سے عقیدت و احترام کا معاملہ فرماتے تھے، مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی کے بقول:

مولانا حکیم برکات بہاری ٹوکنی طبیب خاص ریاست ٹونک (استاذ حضرت الاستاذ مولانا معین الدین اجمیری) کو زمانہ تعلیم و قیام خیر آباد میں اپنے استاذ گرامی مولانا محمد عبدالحق کے خدام کو بسا اوقات پورے مہینے کے مصارف کی رقم نذر کر دینی پڑتی اور ٹونک سے دوسری بار روپیہ منگنا پڑتا تھا (باغی ہندوستان: ص ۱۸۶)

مولانا سید برکات احمد ٹوکنی نے اپنے اخلاف و تلامذہ کی تربیت بھی ایسی ہی کی تھی کہ وہ بھی استاذ اور استاذ زادوں کا ادب و احترام کرنے میں اپنی مثال آپ ہو گئے تھے، حکیم ظفر الحق خیر آبادی ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۵ء میں کراچی تشریف لے گئے، مولانا سید برکات احمد ٹوکنی کے پوتے حکیم محمود احمد برکاتی فرماتے ہیں:

غریب خانے کو بھی عزت بخشی تھی، میں نے حسب دستور قدیم قدم بوسی کی، اور اپنے بڑے لڑکے سہیل (اب ڈاکٹر سہیل برکاتی) کا جو اس وقت ۸۷ سال کا تھا سران کے قدموں پر جھکایا اور نذر پیش کروائی (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۱۰۰)

یہی حکیم ظفر الحق خیر آبادی صاحب کبھی کبھی اجمیر شریف حاضری کے لیے تشریف لے جاتے تو: جوں ہی مولانا معین الدین (اجمیری تلمیذ مولانا برکات احمد ٹوکنی) کو خبر

ہوتی وہ تشریف لاتے اور آداب و احترام بجالاتے، ایک بار مولانا کو حکیم ظفر الحق کی آمد کی خبر ایسے وقت ملی جب انہیں مدرسہ سے ماہانہ معاوضہ ملا تھا، مولانا تشریف لائے اور پوری جیب حکیم ظفر الحق کے قدموں پر الٹ دی (مرجع سابق ص ۲۴۴)

مولانا معین الدین اجمیری کے چھوٹے بھائی حکیم نظام الدین اجمیری بھی مولانا برکات احمد ٹوکی کے ارشد تلامذہ میں شامل تھے، استاذ اور استاذ زادوں کے ادب و احترام میں اپنی مثال آپ تھے، حکیم محمود احمد برکاتی فرماتے ہیں:

استاذہ خصوصاً سید برکات احمد کے ساتھ شیفتگی اور حسن عقیدت میں کم سے کم میری نظر میں وہ اپنی مثال آپ تھے، بہت سے مرید اپنے شیوخ کا اتنا ادب نہیں کرتے جتنا وہ اپنے استاذ گرامی کا ادب کرتے تھے، صرف استاذ کا نہیں استاذ کے متوسلین کا ادب وہ بھی صرف رسمی اور زبانی نہیں عملاً، میں کہ ان کے استاذ (مولانا برکات احمد ٹوکی) سے صرف نسبی نسبت ہی رکھتا ہوں نہ ان کے علم سے مجھے حصہ ملا ہے نہ ان کے اخلاق و کردار سے، سات مہینے ان کے ساتھ ایک ہی کمرے میں مقیم رہا مگر وہ خود زمین پر سوتے رہے، اور مجھے با اصرار پلنگ پر سلاتے رہے، میرا الحاح و انکار بے نتیجہ رہا اور وہ کمرے میں دوسرا پلنگ بچھوانے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے، اور فرش پر استراحت فرماتے رہے۔ (مرجع سابق ص ۲۴۸)

مولانا عبد الجلیل سرحدی: مولانا برکات احمد ٹوکی کے ایک اور مایہ ناز شاگرد مولانا عبد الجلیل سرحدی (متوفی: ۱۹۶۳ء) تھے، ان کو استاذ سے ایسی عقیدت و محبت ہوئی کہ کسی طرح استاذ کا در چھوڑنے کو تیار ہی نہیں ہوتے تھے، جو کتابیں پڑھ چکے تھے دوبارہ سہ بارہ پڑھتے چلے جاتے تھے، حکیم صاحب فرماتے کہ ”تم تو یہ کتاب پڑھ چکے ہو“ تو جواب دیتے کہ ”ابھی ہمارا تشفی نہیں ہوا ہے“، کہیں سے خط آتا کہ فلاں مدرسے میں کسی لائق استاذ کی ضرورت ہے بھیج دیں، مولانا برکات احمد صاحب ان سے کہتے مگر یہ کسی بھی حال میں جانے کو تیار نہیں ہوتے، ایسے ہی ایک

موقع پر جھنجلا کر استاذ سے کہہ دیا کہ ”ہم تم کو مار کر جائے گا“، یعنی آپ کے جیتے جی یہ در نہیں چھوٹے گا، ایک مرتبہ دہلی کے کسی مدرسے کے لیے مدرس کی ضرورت تھی، مولانا برکات احمد نے فرمایا میں وہاں کسی ایسے آدمی کو بھیجنا چاہتا ہوں جو وہاں میرا نام روشن کرے، یہ سنتے ہی مولانا جلیل نے نعرہ لگایا کہ ”ہم تمہارا نام روشن کرے گا“، (باختصار و تلخیص از مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۲۷۴) خدا خدا کر کے دہلی پہنچے، وہاں ایک لطیفہ پیش آگیا جس کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے، اور اس سے بھی خیر آبادی درسگاہ کا معیار تعلیم معلوم ہوتا ہے، حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

ایک بار ترنگ میں آ کر طیبہ کالج دہلی میں داخلہ لے لیا، وہاں کلیات قانون کا سبق شروع ہوا تو پہلے ہی سبق میں استاذ کے پسینہ چھوٹ گئے، بھلا اس خیر آبادی اور برکاتی فاضل معقولات کے اعتراضات کا سامنا کون کر سکتا ہے، جب معلم کلیات کو معلوم ہوا کہ یہ مولانا برکات احمد سے نسبت تلمذ رکھتے ہیں تو انہوں نے بے تکلف اور برملا سپر ڈال دی اور صاف کہہ دیا کہ آپ کو مطمئن کرنا ہمارے بس میں نہیں اور پھر وہ درس کلیات سے مستثنیٰ قرار دے دیے گئے۔ (مرجع سابق ص ۲۷۵)

بات چل رہی تھی خیر آبادی تلامذہ کے اپنے اساتذہ سے عشق و محبت کی، اس ضمن میں سابق الذکر مولانا عبد الجلیل سرحدی کا ایک واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، ایک مرتبہ دہلی میں اپنی درسگاہ میں محو تدریس تھے، شرح تہذیب کا درس ہو رہا تھا، مولانا کے استاذ کے پوتے حکیم محمود احمد برکاتی جو اس وقت نو جوان تھے، درس میں پہنچ گئے اور طلبہ کی صف میں خاموش دوزانو بیٹھ گئے، آگے کا حال خود حکیم محمود احمد برکاتی کی زبانی ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں:

مولوی صاحب ادائے خاص سے سرگرم تقریر تھے، مگر چند لمحے بعد ہی دیکھا کہ تقریر کا زور ٹوٹ گیا اور مولوی صاحب الجھنے لگے، رک رک کر بولنے لگے، اٹکنے لگے، آخر گھبرا کر میری طرف دیکھا، اور خود کلامی کے سے انداز میں کہنے لگے ”یہ ہم کو کیا ہو گیا سارا مضمون خبط ہو گیا شاید استاذ کا

روح آگیا،“ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا ”تم کو ہمارے استاذ سے نسبت ہے؟“ میں نے کہا ”جی ہاں میں محمود میاں ہوں“ یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اچھلے اور میری گود میں سر رکھ کر چیخ چیخ کر رونے لگے، بڑی دیر میں اور بمشکل جذبات کا سیلاب کم ہوا (مرجع سابق ص ۲۷۵)

مولانا عبدالقدیر بدایونی: راقم الحروف کے دادا عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی بھی حکیم برکات احمد ٹوکنی کے تلمیذ ہیں، اپنے مشائخ طریقت اور اساتذہ کی نسبتوں کے احترام میں آپ بھی ایک الگ شان رکھتے تھے، استاذ زادے کے ادب و احترام کا ایک واقعہ عم مکرم حضرت عبدالمجید اقبال قادری صاحب (مقیم کراچی) نے سنایا، انہوں نے فرمایا کہ غالباً ۱۹۵۷ء یا ۵۸ میں جب حضرت عاشق الرسول آخری بار کراچی تشریف لائے تو صدیق بھائی کے گھر قیام پذیر تھے، صحت بہت خراب تھی بغیر سہارے کے خود سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے، مریدین و متوسلین کا مجمع تھا، اسی درمیان حکیم محمود احمد برکاتی (جو اس وقت نوجوان تھے) آئے اور مصافحہ کر کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گئے، کافی دیر کے بعد کسی نے حضرت کو بتایا کہ مولانا برکات احمد ٹوکنی کے پوتے یہاں تشریف فرما ہیں، یہ سنتے ہی حضرت اپنی تمام تر کمزوری کے باوجود کھڑے ہوئے، حکیم صاحب کو آگے بلایا، دست بوسی کی اور فرمایا کہ

صاحبزادے آپ نے اپنا تعارف بھی نہیں کروایا اگر آپ ایسے ہی اٹھ کر چلے جاتے تو میں قیامت میں استاذ کو کیا جواب دیتا

اس واقعہ کی طرف خود حکیم محمود احمد برکاتی نے بھی مختصر اشارہ کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

۱۹۵۷ء میں آخری بار کراچی تشریف لائے تھے، میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو مفلوج ہونے کے باوجود دوسروں کا سہارا لے کر مجھے تعظیم دی، صرف مولانا سید برکات احمد سے صلبی نسبت کی بنا پر۔ (مولانا حکیم

سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۲۷۹)

جب استاذ اور استاذ زادوں سے خیر آبادیوں کے عشق و محبت اور ادب و احترام کا ذکر چل رہا ہے تو یہاں یہ واقعہ بھی بے محل نہیں ہوگا کہ ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء میں خانقاہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف

میں حضرت سید محمد اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی کا جلسہ تھا، جس میں اپنے وقت کے اجلہ علما تشریف فرما تھے مگر جلسہ کی صدارت کے لیے بانی محفل حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی کا نام پیش کیا، اور اس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرمادی، جلسہ کی روداد کے مرتب حکیم ظہیر السجاد لکھتے ہیں:

جلسہ کی صدارت کے واسطے حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب بدایونی کا نام نامی اس مختصر تقریر کے ساتھ پیش فرمایا ”حضرات! اس قصبہ پھپھوند میں مسلمانوں کو جس ذات اقدس کی وجہ سے علم و مذہب سے ذوق و شوق پیدا ہوا وہ میرے حضرت قبلہ عالم (مولانا شاہ عبدالصمد سہوانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات اقدس تھی، چونکہ میرے حضرت قبلہ عالم نے تمام تر فیض علم حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر (بدایونی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل فرمایا جو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب کے والد ماجد تھے، پس میں نے اسی لحاظ سے حضرت مولانا (عبدالقدیر بدایونی) کا نام نامی پیش کیا ہے۔“ (یوم فضیلت: ص ۳۸)

اس سے اندازہ ہوتا ہے خیر آبادی سلسلے میں نہ صرف تلامذہ اپنے استاذ اور استاذ زادوں کا لحاظ فرماتے تھے بلکہ تلامذہ کے اخلاف و جانشین بھی اپنے اکابر کے استاذ زادوں کا ادب و احترام فرماتے تھے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پھپھوند شریف میں آج بھی یہ روایات زندہ ہیں، والد گرامی حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں) نہ صرف یہ کہ عمر میں حضرت سید شاہ محمد اکبر میاں رحمۃ اللہ علیہ سے چھوٹے ہیں بلکہ رشتے میں ان کے داماد بھی ہیں، مگر میرے نانا حضرت اکبر میاں نے ان سے کبھی دامادوں والا معاملہ نہیں کیا بلکہ والد گرامی کو ہمیشہ حضرت حافظ بخاری کے استاذ زادے کی حیثیت سے ہی مقام و مرتبہ دیا، اور آج بھی ان کے اخلاف اسی روش پر قائم ہیں۔



## استاذ بھائی کا رشتہ

خیر آبادی سلسلے میں تلامذہ پر اساتذہ کی شفقت اور تلامذہ کا اپنے استاذوں کا ادب اور ان کی محبت کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی، اب سلسلہ خیر آباد کے وابستگان کی ایک اور خصوصیت بھی دیکھتے چلیں، مینانہ خیر آباد کے بادہ خوار آپس میں ایک رشتہ محبت و خلوص رکھتے تھے جس کو ”استاذ بھائی“ کا رشتہ کہا جاتا تھا، ایک خیر آبادی استاذ کے شاگرد آپس میں ایک دوسرے کو بھائی گمان کرتے تھے، یہ رشتہ اخوت کسی بھی طرح حقیقی بھائیوں سے کم نہیں ہوتا تھا، حد یہ ہے کہ ایک استاذ کے شاگرد اپنے استاذ کے استاذ بھائی کو چچا کہا کرتے تھے، اور وہ ان کو کسی بھتیجے سے کم نہیں سمجھتے تھے، باہم پیار تھا، محبت تھی، خلوص تھا، بے تکلفی تھی اور ہر مرحلے میں اپنے استاذ بھائی کی مدد کرنے کا جذبہ تھا، آپس میں بے تکلفی کے نتیجے میں طنز و مزاح اور ظرافت طبع کے نمونے بھی سامنے آتے تھے، گو یہ بھی محبت و خلوص ہی کا نتیجہ تھا۔

مولانا ہدایت اللہ رامپوری اور تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی علامہ فضل حق خیر آبادی سے نسبت تلمذ کی بنیاد پر آپس میں استاذ بھائی تھے، ایک مرتبہ مولانا ہدایت اللہ صاحب نے حافظ بخاری مولانا عبدالصمد سہسوانی (تلمیذ تاج الفحول) کو ایک ضرورت کے تحت جمادی الاول ۱۳۲۲ھ کو خط تحریر فرمایا، خط میں مولانا نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ آخر کس استحقاق کی بنیاد پر وہ انہیں یہ خط لکھ رہے ہیں، مکتوب میں مولانا ہدایت اللہ رامپوری فرماتے ہیں:

یہ نیاز نامہ ایک خاص وجہ سے ارسال خدمت عالی ہے، اور قبول گزارش کی نہایت تمنا و آرزو، مگر قبل التماس مدعا مناسب ہے کہ میں اپنا وہ استحقاق ظاہر کردوں جس سے مجھے اس التماس کی جرأت ہوئی، میں اور مولانا عبدالقادر

صاحب بدایونی قدس سرہ بھائی بھائی تھے، مولانا فضل حق صاحب اناراللہ برہانہ وابررد اللہ العزیز مضجعہ کی کفش برداری نے یہ رشتہ ایسا محکم باندھا تھا کہ جسے بجز رحلت دارفانی اور کوئی نہ توڑ سکا، میرے خیال میں مولانا (تاج الفحول) غریق رحمت سے اس تعلق کا ہونا اپنی ایک دلی آرزو کے بیان کو کافی دوانی ہے۔ (ملفوظ مصابیح القلوب: ص ۴۲)

اسی استاذ بھائی کے رشتے کی مضبوطی کا ایک اور نمونہ پھپھوند شریف میں دیکھنے میں آیا، ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ / ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو خانقاہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف میں میرے نانا (اور آگے چل کر اس خانقاہ صمدیہ کے صاحب سجادہ) حضرت سید شاہ محمد اکبر چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی دستار فضیلت کا موقع تھا، حضرت سید محمد اکبر چشتی نے مفتی رفاقت حسین صاحب (تلمیذ مولانا امجد علی اعظمی، تلمیذ مولانا ہدایت اللہ رامپوری) کی درس گاہ میں تکمیل درسیات فرمائی تھی، حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی بھی مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے شاگرد تھے، اس رشتے کی بنیاد پر مولانا امجد علی اعظمی اور خواجہ مصباح الحسن چشتی استاذ بھائی ہوئے، اس جلسہ دستار بندی کی صدارت بھی سلسلہ خیر آباد کے ایک مایہ ناز فرزند عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی فرما رہے تھے، جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزرا، حضرت سید اکبر میاں صاحب کی دستار بندی سے پہلے حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

اگرچہ مفتی (رفاقت حسین) صاحب فارغ التحصیل اور متبحر عالم ہیں، لیکن مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ مفتی صاحب کی دستار بندی ابھی تک نہیں ہوئی، لہذا میں ضروری اور مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر حضرت مفتی صاحب کی بھی دستار بندی کر دی جائے، اور چوں کہ مفتی صاحب کے استاذ حضرت صدر الشریعہ (مولانا امجد علی اعظمی) میرے استاذ بھائی اور بے تکلف دوست تھے، اور اسی رشتہ کی بنیاد پر مفتی صاحب مجھے چچا کہتے ہیں لہذا اسی لحاظ سے میں ان کا یہ حق اپنے اوپر ضروری سمجھتا ہوں کہ میں خود ان کی دستار بندی کروں۔ (یوم فضیلت: ص ۳۹)

میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی پھچھوندوی مولانا محبت احمد بدایونی کو ”چچا“ کہا کرتے تھے، کیوں کہ مولانا محبت احمد بدایونی اور حافظ بخاری مولانا عبدالصمد سہسوانی آپس میں استاذ بھائی تھے، اور تاج الفول کی درسگاہ کے ہم سبق ساتھی تھے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ استاذ بھائی کے رشتہ کی وجہ سے آپس میں مزاح لطیف اور طنز بلیغ بھی ہوا کرتا تھا، جس سے دوسرے کی توہین و تحقیر مقصود نہیں تھی بلکہ یہ بھی ایک گونہ آپس میں خلوص و محبت ہی کا نتیجہ تھا، جب مولانا عبدالقدیر بدایونی مولانا سید عبدالعزیز انیٹھوی کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے گئے، تو انہوں نے پوچھا کہ اب تک کیا کرتے رہے، آپ نے عرض کیا کہ حکیم برکات احمد ٹونکی کی درسگاہ میں تحصیل کر رہا تھا، چونکہ حکیم برکات احمد ٹونکی اور مولانا سید عبدالعزیز انیٹھوی مولانا عبدالالحق خیر آبادی سے نسبت تلمذ کی بنیاد پر استاذ بھائی تھے اس لیے انہوں نے ہنستے ہوئے فرمایا

یہ تو مان سکتا ہوں کہ استاذ نے بڑھاپے میں خدمت گار رکھ لیا تھا ورنہ  
برکات کا علم سے کیا تعلق؟

مولانا عبدالقدیر بدایونی نے عرض کیا آپ استاذ بھائی ہیں ایک دوسرے کو جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، مگر میں تو حکیم صاحب کا شاگرد ہوں، میرے سامنے کچھ نہ فرمائیں۔ سید صاحب خوش ہو گئے فرمایا ”ادب جانتے ہو شاید پڑھ جاؤ“ (احوال و مقامات: ص ۵۳)

اس آخری جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً سید صاحب نے یہ جملہ اس لیے فرمایا ہو کہ وہ امتحان لینا چاہتے تھے کہ یہ طالب علم اساتذہ کے ادب و احترام کا ”خیر آبادی سلیقہ“ رکھتا ہے یا نہیں۔

اسی استاذ بھائی کے رشتے کا ایک واقعہ خود راقم کے سامنے پیش آیا، ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۷ء تک راقم الحروف نے (دارالعلوم نورالحق چرمہ پور فیض آباد میں) حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی کفش برداری کی سعادت حاصل کی، اور آپ کی درس گاہ میں معقولات کی اعلیٰ کتب کی تحصیل کی، اسی زمانے میں ایک مرتبہ مولانا غلام آسی چشتی ابو العلانی مدرسہ میں تشریف لائے، یہ مولانا سردار احمد لائل پوری (تلمیذ مولانا امجد علی اعظمی، تلمیذ مولانا ہدایت اللہ



راہپوری) کے شاگرد تھے، میرے استاذ کے ایک استاذ حضرت مولانا معین الدین خاں اعظمی بھی مولانا سردار احمد کے شاگرد اور مولانا غلام آسی چشتی کے استاذ بھائی تھے، استاذ محترم نے مہمان کی تواضع کی، چائے ناشتہ کے بعد استاذ محترم نے حسب عادت سگرٹ سے شغل کرنا چاہا، جیسے ہی مولانا غلام آسی نے خواجہ صاحب کے ہاتھ میں سگرٹ دیکھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”خواجہ صاحب آپ میرے سامنے سگرٹ پی رہے ہیں حالانکہ میں آپ کے استاذ مولانا معین الدین خاں کا استاذ بھائی ہوں، اس رشتہ سے آپ میرے بھتیجے ہوتے ہیں“، یہ سنتے ہی حضرت استاذ نے سگرٹ بھادی اور فرمایا ”حضرت غلطی ہو گئی معافی کا خواستگار ہوں“، سچ ہے کہ جن کے رتبے ہیں سوا ان سے سوا مشکل ہے



## بدایوں میں سلسلہ خیر آباد

بدایوں صدیوں سے علم و فن کا مرکز رہا ہے، مختلف ادوار میں یہاں کی علمی درسگاہیں ملک و بیرون ملک میں شہرہ آفاق رہی ہیں، اور ایک عالم نے ان سے استفادہ کیا ہے، جب مولانا فضل امام خیر آبادی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کی شکل میں درس و تدریس کا باقاعدہ ایک مکتب فکر وجود میں آیا تو اہل بدایوں بھی اس سے استفادہ کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے، علمائے بدایوں میں سے کئی نام پیش کیے جاسکتے ہیں جنہوں نے براہ راست مولانا فضل امام خیر آبادی، علامہ فضل حق خیر آبادی یا ان کے تلامذہ سے استفادہ کیا ہے، خیر آبادی سلسلے سے استفادہ کرنے والے تمام اہل بدایوں کا بالاستیعاب تذکرہ نہ یہاں ممکن ہے اور نہ اس کے لیے فی الحال ہمارے سامنے مواد ہے، لہذا ہم یہاں صرف خاندان عثمانیہ قادریہ کے چند ایسے حضرات کا تذکرہ کریں گے جنہوں نے خیر آبادی اساتذہ سے اکتساب علم کیا ہے، اور ساتھ ہی ان کے بعض نامور تلامذہ کا بھی مختصر تذکرہ کریں گے تاکہ مدرسہ خیر آباد کی تاریخ کا یہ باب بھی ریکارڈ میں آ سکے۔

خانوادہ عثمانیہ کے متعدد افراد نے اپنے اپنے وقتوں میں خیر آبادی فضلا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور معقولات میں درسگاہ خیر آباد سے استفادہ کیا۔ ان میں مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

(۱) مولانا سناء الدین عثمانی: مولانا سناء الدین عثمانی بن مولانا محمد شفیق عثمانی بن مولانا عبدالحمید عثمانی، آپ شاہ عین الحق عبدالجید قادری بدایونی کے بھتیجے اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے چچا زاد بھائی تھے، ۲۵/ رزی الحجۃ ۱۲۱۹ھ/ ۱۸۰۵ء کو ولادت ہوئی اور ۵/ محرم ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء کو وفات پائی، ابتدائی تعلیم اپنے عم مکرّم شاہ عین الحق عبدالجید قادری بدایونی سے حاصل کی، علوم عقلیہ کی تکمیل مولانا فضل امام خیر آبادی کی درسگاہ میں کی، اجازت حدیث شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

سے حاصل کی، مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

علم ادب میں اپنا نظیر نہ رکھتے، محاورات عرب پر عبور کامل حاصل، فن لغت اور علم نحو میں استاذ وقت تھے۔ (اکمل التاریخ: ج ۱ ص ۸۳)

عربی لغت کی مشہور کتاب القاموس کا حاشیہ تحریر فرمایا، علم نحو میں فوائد معتمدہ بھی آپ کی تصنیف ہے، اس کے علاوہ دو تین مجلدات میں مسودات اپنی یادگار چھوڑے جس میں مختلف علوم و فنون میں فوائد و حواشی تحریر ہیں۔ (مرجع سابق ص ۸۴)

آپ کو کتابوں کا بے حد شوق تھا، نادر و نایاب کتابیں دور دراز سے منگوا کر آپ نے اپنا ذاتی کتب خانہ ترتیب دیا تھا، آپ کی وفات کے بعد آپ کا ذاتی کتب خانہ کتب خانہ قادریہ مدرسہ قادریہ میں ضم کر دیا گیا، آج بھی کتب خانہ قادریہ میں موجود مخطوطات میں ایک بڑا حصہ آپ ہی کے ذخیرہ کتب کا ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کا جو قلمی مجموعہ قصائد کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے وہ آپ ہی کے قلم کا ہے۔

(۲) مولانا نور احمد عثمانی بدایونی: آپ سابق الذکر مولانا سناء الدین عثمانی کے چھوٹے بھائی ہیں، ۱۳ جمادی الآخر ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۵ء میں ولادت ہوئی، ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء میں وفات پائی، آپ نے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل و تکمیل مجاہد آزادی مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی سے کی تھی، معقولات کی بعض انتہی کتابیں پڑھنے کا شوق آپ کو علامہ فضل حق خیر آبادی کی درس گاہ میں لے گیا، علامہ کے زمانہ قیام لکھنؤ میں آپ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر جب علامہ لکھنؤ سے ریاست الور منتقل ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ الور آ گئے، الور سے علامہ نے مولانا سلطان حسن خاں کو خط لکھا اس میں لکھتے ہیں کہ ”مولوی نور احمد صاحب افق مبین مع حاشیہ پڑھ رہے ہیں“ (باغی ہندوستان: ص ۲۴۶)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس زمانے میں مولانا نور احمد بدایونی علامہ سے استفادہ کر رہے تھے اس وقت آپ کی عمر ۴۰ برس سے متجاوز تھی، فراغت کے بعد بدایوں میں اپنے آبائی مدرسے میں درس و تدریس میں منہمک تھے، جب تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی فراغت کے بعد علامہ کی خدمت میں جانے کو تیار ہوئے، تو معقولات کی مخصوص کتابوں کی

تحصیل کا شوق مولانا نور احمد بدایونی کو بھی تاج الفحول کے ساتھ علامہ کی خدمت میں لے گیا، حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

مگر اس سال (۱۲۷۲ھ میں) مولانا نور احمد ۴۲ سال کے تھے، جو تعلیم کی عمر نہیں ہے، مگر اس مکتوب میں مولانا کی زبردست کتابوں کی بنا پر میرا قیاس ہے کہ یہ مولانا کے تعلم کا دور ثانی تھا، یہ کتابیں الافق المبین اور اس کا حاشیہ تھیں جو داخل نصاب نہیں ہیں، بلکہ یہ کتابیں فراغت کے بعد ان طلبہ کو پڑھائی جاتی تھیں جن کو خصوصی ذوق اور صلاحیت ہوتی تھی۔ موجودہ اصطلاح میں یہ درجہ تخصص کی کتابیں ہیں۔ (مقالہ علمائے خیر آباد و بدایوں کے روابط: تاج الفحول نمبر: ص ۴۳۱)

مزید لکھتے ہیں:

مولانا نور احمد نے نصابی کتابیں تو اپنے وقت پر اور اس عمر سے بہت پہلے پڑھ لی ہوں گی اور اب وہ خارج از نصاب کتابیں پڑھنے کے لیے گئے ہوں گے۔ مولانا فضل حق نے اپنے مکتوب میں الافق المبین کے ساتھ حاشیہ بھی لکھا ہے، یہ حاشیہ خود مولانا کا لکھا ہوا ہے۔ (مرجع سابق، نفس صفحہ)

تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی مولانا نور احمد بدایونی کے شاگرد بھی ہیں اور خیر آباد کے رشتے سے استاذ بھائی بھی، تاج الفحول آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: (۱)

ترجمہ: ان بلاد میں علمی و استاذی (مولانا نور احمد بدایونی) علیہ الرحمۃ کی نظیر دیکھنے میں نہ آئی، بلاشبہ آپ وحید عصر اور یکتائے زمانہ تھے، طلبہ کی تعلیم و تدریس اور غربا و فقرا کی اعانت کے علاوہ شب و روز میں آپ کو کوئی اور کام مرغوب نہ تھا، آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے..... تمام بدایوں میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو آپ کا شاگرد یا آپ کے شاگرد کا شاگرد نہ ہو۔ (تحفہ فیض: ص ۲۸/۲۹)

(۳) تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی: تاج الفحول مولانا عبدالقادر محبت رسول قادری بدایونی متخلص بہ فقیر قادری (ولادت: ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء۔ وفات: ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) مولانا شاہ

فضل رسول قادری بدایونی کے فرزند ارجمند ہیں، اپنے زمانہ میں امام اہل سنت تسلیم کیے جاتے تھے، مختلف علوم پر آپ کی تصانیف آپ کے تبحر علمی پر شاہد عدل ہیں، پہلے اپنے والد اور مولانا نور احمد بدایونی سے اکتساب علم کیا، آپ کے والد مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے درمیان جو مراسم خلوص و محبت تھے ان کا تذکرہ اسی کتاب میں آگے آتا ہے، انہیں مراسم محبت کا نتیجہ تھا کہ مروجہ نصاب تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کے والد نے آپ کو معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھنے کے لیے علامہ کی خدمت میں بھیجا، پہلے آپ لکھنؤ حاضر ہوئے اور وہاں علامہ سے استفادہ کیا، ڈاکٹر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق لکھنؤ میں اس وقت جو حضرات علامہ سے اکتساب فیض کر رہے تھے ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:

(۱) مولانا محمد حسن ترہتی مصنف الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی

(۲) مولانا عبداللہ بلگرامی (وفات: ۱۳۰۵ھ)

(۳) مولانا شاہ عبدالحق کانپوری (وفات: ۱۳۱۲ھ)

مولانا نور احمد بدایونی تو آپ کے ساتھ ہی گئے تھے، جب علامہ لکھنؤ سے الور منتقل ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ الور آ گئے۔

مولانا ضیاء القادری نے اکمل التاریخ میں تاج الفحول کے بارے میں کچھ تعریفی و توصیفی جملے علامہ کی طرف منسوب کر کے لکھے ہیں، جن سے استاذ کی نظر میں شاگرد کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

(علامہ فضل حق خیر آبادی) اکثر فرمایا کرتے کہ صاحب قوت قدسیہ ہر زمانہ میں ظاہر نہیں ہوتے وقتاً بعد وقت اور عصر بعد عصر پیدا ہوتے ہیں اگر اس زمانہ میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ ہیں، یہ ہی بار بار کہا کرتے کہ ان کے ذہن کی جودت و سلامت ابوالفضل و فیضی کے اذہان ثاقبہ کی جودت کو مات کرتی ہے (اکمل التاریخ: ص ۲۰۷)

مولانا ضیاء القادری کی پیدائش (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) علامہ فضل حق خیر آبادی کی وفات (۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کے ۲۲ برس بعد ہوئی، ظاہر ہے کہ انہوں نے علامہ کے یہ جملے مدرسہ قادریہ

میں ہی کسی ثقہ کی زبانی سنے ہوں گے، لہذا اس روایت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، مگر انہوں نے اس کا حوالہ نہیں دیا، ممکن ہے کوئی ناقد اس کو بنیاد بنا کر ان جملوں کے انتساب پر شبہ ظاہر کرے، مجھے ان کی صحت انتساب پر اصرار نہیں ہے، تاج الفحول کی ذہانت و فطانت اور علمی گہرائی و گیرائی کے ثبوت میں اس کے علاوہ بے شمار دلائل و شواہد موجود ہیں، اور پھر ان کے بارے میں ان کے استاذ علامہ فضل حق خیر آبادی کا یہ جملہ اپنے اندر بڑی اہمیت اور معنویت رکھتا ہے کہ:

اعزاز جاں مولوی عبدالقادر شرح اشارات و محاکمات و شرح قاضی

وحاشیہ می خوانند و فہم درست دارند (باغی ہندوستان: ص ۲۴۶)

ترجمہ: عزیز تر از جاں مولوی عبدالقادر شرح اشارات، محاکمات، شرح

قاضی اور حاشیہ پڑھ رہے ہیں اور اچھی سمجھ رکھتے ہیں۔

علامہ کا اپنے ایک تلمیذ کے بارے میں ”فہم درست دارند“ فرمانا سند کا درجہ رکھتا ہے۔

مولانا ضیاء القادری نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

مولانا فضل حق علیہ الرحمۃ کے صد ہا شاگردوں میں چار بزرگ عناصر رابعہ

سمجھے جاتے ہیں۔ ایک مولانا کے صاحبزادہ مولانا عبدالحق صاحب،

دوسرے مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری، تیسرے مولانا ہدایت اللہ

خاں صاحب رامپوری، چوتھے حضرت تاج الفحول رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین لیکن بقول حضرت مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی ہر سہ اصحاب

کسی خاص فن میں یکتاے عصر اور وحید روزگار ہیں مگر حضرت تاج الفحول کا

تبحر اور جامعیت جملہ علوم و فنون میں ہے۔ (اکمل التاریخ: ص ۲۰۷)

حضرت تاج الفحول کو اپنے استاذ اور استاذ زادے سے بے حد محبت تھی، یہ استاذ سے عقیدت

و محبت ہی کی دلیل ہے کہ علامہ کی کتاب ”تحقیق الفتویٰ“ حضرت تاج الفحول نے اپنے ہاتھ سے

نقل کر کے اپنے کتب خانے میں محفوظ کی، اپنے استاذ زادے مولانا عبدالحق خیر آبادی سے بھی

حضرت کے مخلصانہ روابط تھے، اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی تھا، کسی جگہ میں نے حضرت تاج الفحول

کے سفر خیر آباد اور مولانا عبدالحق خیر آبادی سے ملاقات کا احوال پڑھا تھا، مگر فی الحال وہ کتاب

پیش نظر نہیں ہے۔

(۴) عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی: عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی (ولادت: ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء - وفات: ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء) حضرت تاج الفول کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، مدرسہ عالیہ قادریہ میں دیگر اساتذہ کے علاوہ خصوصی طور سے مولانا محبت احمد قادری بدایونی اور مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی سے اکتساب علم کیا، مروجہ نصاب کی تکمیل کے بعد مولانا برکات احمد ٹوکی اور مولانا سید عبدالعزیز انیٹھوی کی خدمت میں حاضر ہو کر معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ تکمیل کے بعد مدرسہ قادریہ کی مسند تدریس کو زینت بخشی، طلبہ کی ایک تعداد نے آپ سے استفادہ کیا، ابتدائی دور کے تلامذہ میں مولانا عبدالحامد قادری بدایونی صدر جمیعت علمائے پاکستان (م: ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) اور مولانا خوجہ غلام نظام الدین (م: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) بدایونی شامل ہیں (اکمل التاریخ: ج ۱/ص ۲۰۶، اور ص ۲۱۷) تحریک خلافت اور ترک موالات کے زمانے میں عملی طور پر قومی سیاست میں حصہ لیا، ایک زمانے تک عدالت عالیہ ریاست حیدرآباد میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔

مولانا عبدالعزیز انیٹھوی کی درسگاہ میں آپ کی تعلیم کے آغاز کا واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے، مولانا محمد عبدالہادی قادری لکھتے ہیں:

استاذ (مولانا سید عبدالعزیز صاحب) کی خدمت میں حاضری دی انھوں نے پوچھا کون ہو کیوں آئے ہو؟ انھوں نے عرض کیا بدایوں سے پڑھنے آیا ہوں، بدایوں کا نام سن کر وہ چونکے، والد کا نام پوچھا، انھوں نے بتایا مولوی عبدالقادر قادری، سید صاحب نے فرمایا ”تمہارے والد میرے استاذ کے بھائی تھے، انھوں نے اتنا پڑھ لیا ہے کہ سات پشتوں تک کافی ہے، اب تم کیا پڑھو گے؟“ المولوی (مولانا عبدالقدیر بدایونی) نے عرض کیا آپ پڑھائیں گے تو میں بھی پڑھا ہوا ہو جاؤں گا، سید صاحب نے پوچھا ابھی تک کیا کرتے رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا درسیات کی تکمیل گھر پر ہی کی پھر حکیم برکات احمد صاحب کے پاس ٹونک گیا۔ استاذ ہنسے اور فرمایا ”یہ تو مان سکتا ہوں کہ استاذ

نے بڑھاپے میں خدمت گار رکھ لیا تھا ورنہ برکات کا علم سے کیا تعلق؟ المولوی (مولانا عبدالقدیر بدایونی) نے عرض کیا آپ استاذ بھائی ہیں ایک دوسرے کو جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، مگر میں تو حکیم صاحب کا شاگرد ہوں، میرے سامنے کچھ نہ فرمائیں۔ سید صاحب خوش ہو گئے فرمایا ”ادب جانتے ہو شاید پڑھ جاؤ مگر میں بڑی کتابیں نہیں پڑھاتا۔“ المولوی (مولانا عبدالقدیر بدایونی) نے عرض کیا ”جو کتاب آپ کہیں وہی پڑھوں گا مجھے تو آپ سے پڑھنا ہے۔“ سید صاحب نے فرمایا ”ایسا غوجی لاؤ“ (منطق کا پہلا قاعدہ) دوسرے روز ایسا غوجی لے کر پہنچے، پوچھا کون سی کتاب لائے؟ عرض کیا جو آپ نے فرمائی تھی وہی لایا ہوں ایسا غوجی، انھوں نے پڑھانا شروع کیا، پہلی کتاب میں وہ مطالب بیان کرنا شروع کیے جو بڑی سے بڑی کتابوں میں ہی ملتے ہیں۔ درس ختم ہوا تو فرمایا کل سے اپنی پسند سے جو کتاب چاہو لاؤ۔ (احوال و مقامات: ص ۵۳)

مصنف اکمل التاریخ کے مطابق حضرت عاشق الرسول مولانا برکات احمد ٹونکی کے پاس تین ماہ رہے، اور مولانا سید عبدالعزیز کی درس گاہ میں بھی چند ماہ استفادہ کیا، یہ ۱۳۳۱ھ کا زمانہ تھا، حضرت عاشق الرسول کو بھی اپنے خیر آبادی اساتذہ اور ان کی تصانیف سے والہانہ محبت تھی، اپنے استاذ زادے کے غایت ادب و احترام کا واقعہ ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے، زمانہ تحصیل علم میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا حاشیہ قاضی مبارک آپ کے زیر مطالعہ رہا، اور اس پر آپ نے مختصر حواشی بھی قلم بند فرمائے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

مولانا ضیا احمد صدیقی بدایونی (صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے مسئلہ وحدۃ الوجود پر ایک تحقیقی مضمون لکھا، حضرت نے ایک مکتوب میں اس مضمون کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، اسی میں آپ پروفیسر صاحب کو علامہ فضل حق خیر آبادی کے رسالے ”الروض المحجود“ کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں:

استدلالی طور سے متقدمین میں علامہ قونوی اور متاخرین میں حضرت بحر العلوم فرنگی محلی اور استاذ مطلق مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس بحث



میں رسائل تصنیف فرمائے ہیں، مولانا فضل حق کا رسالہ غالباً علامہ راغب الجیلانی کے پاس ہوگا اس کا مطالعہ کیجیے۔ (مکتوب عبدالقدیر بدایونی بنام ضیا احمد بدایونی مخزنہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کی تصانیف کی آپ کی نظر میں کیا قدر و قیمت تھی۔ تاج الفحول کے تلامذہ: حضرت تاج الفحول کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے، اکمل التاریخ میں مولانا ضیاء القادری نے حضرت تاج الفحول کے ۵۰ سے زیادہ تلامذہ کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- (۱) مولانا عبدالرزاق مکی
- (۲) مولانا سید مصطفیٰ گیلانی بغداد شریف
- (۳) سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن مارہروی
- (۴) سید شاہ حسین حیدر قادری مارہروی
- (۵) مولانا محمد عبدالمتقدر قادری بدایونی
- (۶) حافظ بخاری سید شاہ عبدالصمد چشتی سہوانی
- (۷) مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی
- (۸) استاذ العلماء مولانا محبت احمد قادری بدایونی
- (۹) مولانا فضل احمد قادری بدایونی
- (۱۰) مولانا فضل مجید فاروقی شیخوپوری
- (۱۱) مولانا فصیح الدین عباسی بدایونی
- (۱۲) مولوی علی احمد خاں اسیر (پروفیسر عربی آگرہ سینٹ جانس کالج)
- (۱۳) مولوی سدید الدین شائق عباسی
- (۱۴) خان بہادر رضی الدین بسمل وکیل
- (۱۵) مفتی کرم احمد میخوار
- (۱۶) مولانا غلام شہر صدیقی نوری

(۱۷) مولوی ابرار الحق کیف بدایونی

(۱۸) مولانا محمد حسن اسرانیلی سنبھلی

(۱۹) قاضی معین الدین کیفی میرٹھی

(۲۰) مفتی عزیز الرحمن دیوبندی

(۲۱) مولانا حافظ بخش قادری آنولوی

(۲۲) اخوند عبدالرزاق صاحب قندھاری

ان تلامذہ میں اکثر حضرات صاحب درس ہیں جن سے پھر صد ہا لوگوں نے استفادہ کیا، اور خیر آبادی سلسلہ کہاں سے کہاں تک پہنچا  
کہاں کھولے ہیں گیسویار نے خوشبو کہاں تک ہے  
یہاں ہم تاج الفحول کے تلامذہ میں خصوصیت کے ساتھ تین حضرات کا ذکر کریں گے، جن کی دینی اور تدریسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

حافظ بخاری مولانا عبدالصمد سہوانی: تاج الفحول کے ارشد تلامذہ میں تھے، ۱۲۶۹ھ-۱۸۵۳ء میں ولادت ہوئی، صرف سات سال کی عمر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت پائی، اس کے بعد ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی اپنے خالہ زاد بھائی مولانا حکیم سخاوت حسین سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم اور تکمیل کے لیے مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں تشریف لائے، مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی، اور تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہما سے تکمیل درسیات کی، مصنف تذکرہ علمائے اہل سنت نے لکھا ہے کہ کچھ استفادہ مولانا نور احمد عثمانی (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) سے بھی کیا، یہ بات عین قرین قیاس ہے، کیوں کہ جس زمانے میں حافظ بخاری مدرسہ قادریہ میں زیر تعلیم تھے اس زمانے میں مولانا نور احمد بدایونی پوری آب و تاب کے ساتھ مدرسہ قادریہ کی مسند درس پر جلوہ افروز تھے، شیخ المشائخ حافظ سید محمد اسلم چشتی خیر آبادی کے دست حق پرست پر سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ سلیمانیہ میں بیعت ہوئے، تصانیف کا ایک قابل قدر ذخیرہ ملت اسلامیہ کی رہنمائی کے لیے چھوڑا، بعض اہم تصانیف یہ ہیں: (۱) افادات صمدیہ (۲) الطوارق الصمدیہ (۳) حق البیقین فی مبحث مولد اعلیٰ النبیین (۴) نصر المسلمین علیٰ عداۃ

سید المرسلین (۵) نصر السنین (۶) ارغام الشیاطین (۷) تبعید الشیاطین بامداد جنود الحق المبین (۸) جمع تلیسات صواعق وغیرہ۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں ۱۷ جمادی الاخریٰ اور ۱۸ جمادی الاخریٰ کی درمیانی شب میں وصال فرمایا۔

آپ کے صاحبزادے مولانا خواجہ مصباح الحسن چشتی مودودی (ولادت: ۱۳۰۴ھ - وفات: ۱۳۸۴ھ) اولاً تو اپنے والد کے شاگرد تھے، جو علامہ فضل حق خیر آبادی کے تلمیذ التلمیذ تھے، کچھ کتابیں مولانا مفتی ابراہیم قادری بدایونی سے پڑھیں یہ بھی بدایونی سلسلہ خیر آباد کے فاضل تھے، اور پھر آپ نے جو پورجا کر مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا لہذا اس نسبت سے بھی آپ خیر آبادی ہوئے۔

مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی: آپ حضرت تاج الفول کے بڑے صاحبزادے ہیں، ولادت ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۳ھ/اکتوبر ۱۸۶۶ء میں ہوئی، مولانا نور احمد بدایونی (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) اور اپنے والد سے درسیات کی تکمیل کی، مدرسہ عالیہ قادریہ کی مسند درس کو زینت بخشی، معقولات کے علاوہ عربی زبان و ادب کا خاص ذوق تھا، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کی المقامة البغدادیة پر عربی میں مقدمہ اور فارسی میں تشریحی حواشی تحریر فرمائے، جس سے عربی زبان و ادب میں رسوخ کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کا عربی کلام بھی قابل قدر ہے۔ بے شمار حضرات نے اکتساب فیض کیا چند مشاہیر کے اسامہ درج ذیل ہیں:

- (۱) مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
- (۲) مولانا عبد القدیر قادری بدایونی مفتی اعظم ریاست حیدر آباد
- (۳) مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی
- (۴) مولانا عبد المجید قادری آنولوی
- (۵) مفتی حبیب الرحمن قادری بدایونی
- (۶) مفتی ابراہیم قادری بدایونی مفتی اعظم بمبئی
- (۷) تاج العلماء مولانا اولاد رسول محمد میاں برکاتی مارہروی

(۸) مترجم قرآن مفتی عزیز احمد بدایونی ثم لا ہوری

(۹) مولانا ضیا احمد صدیقی صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۹۱۵ء کو فجر کی نماز میں عین حالت سجدہ میں وصال فرمایا۔

تقویٰ اور پرہیزگاری میں یکتائے روزگار تھے، ایک مرتبہ علی گڑھ میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی مجلس میں دوسرے اہل علم کے علاوہ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی نواب صدر یار جنگ بھی موجود تھے، بات اسلاف کی عبادات اور جذبہ اطاعت کی ہو رہی تھی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے فرمایا کہ ”خیر القرون کا حال کتابوں میں پڑھا ہے آنکھوں سے دیکھنا ہو تو بدایوں جاؤ اور حضرت مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری کو دیکھو“۔ (احوال و مقامات: ص ۱۹)

علامہ فضل حق خیر آبادی کا رسالہ غدیریہ اور قصائد فتۃ الہند آپ کے ہاتھ کے نقل کیے ہوئے کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو خانوادہ خیر آباد سے گہرا قلبی لگاؤ تھا۔

استاذ العلماء مولانا محبت احمد قادری بدایونی: علامہ محبت احمد قادری بدایونی (ولادت: ۱۲۶۶ھ/۵۰ - ۱۸۴۹۔ وفات: ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) نے ابتدائی تعلیم سے لے کر فراغت تک تعلیم و تربیت کے سارے مراحل مدرسہ عالیہ قادریہ میں طے کیے، کچھ کتابیں مولانا نور احمد عثمانی بدایونی (م: ۱۳۰۱ھ) تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی سے پڑھیں، درسیات کی اکثر کتابیں تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی سے پڑھیں، فراغت کے بعد مدرسہ قادریہ میں مسند درس آراستہ کی، اور ایک جہان کو فیض یاب کیا، کچھ عرصہ مارہرہ شریف میں مدرسہ برکاتیہ میں بھی مدرس رہے، اور شاہزادگان برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی بھی تعلیم و تربیت کا آپ کو افتخار حاصل ہوا، مدرسہ شمس العلوم بدیوں کی مسند صدارت کو بھی زینت بخشی، آپ کو بجا طور پر استاذ العلماء کہا جاسکتا ہے، اس زمانے میں خانوادہ قادریہ بدایوں اور علمائے بدایوں میں شاید ہی کوئی صغیر و کبیر ایسا ہو جس نے آپ سے استفادہ نہ کیا ہو، آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ درس و تدریس کے علاوہ کچھ کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، ان میں سے بعض یہ ہیں (۱) الطوارق الاحمدیہ (۲) صون الایمان عن وساویس قرن الشیطان (۳) ہدیۃ احمدیہ رد مبتدعات نجدیہ (۴)

الحدوث والقدم (۵) التناسخ (۶) الکلام الحق الجلی (۷) الابتهاج  
 بذکر معراج صاحب التاج (۸) رسالہ عظمت اولیاء اللہ (۹) توضیح حق  
 ان رسائل میں التناسخ اور الحدوث والقدم فلسفیانہ انداز کی تصانیف ہیں، جن سے معقولات  
 میں آپ کی گہری نظر کا پتہ ملتا ہے۔

علامہ یعقوب بخش راغب بدایونی: مولانا محبت احمد بدایونی کے تلامذہ میں علامہ یعقوب بخش  
 راغب بدایونی (ولادت: ۱۸۸۸ء - وفات: ۱۹۴۸ء / ۱۳۶۷ھ) خصوصیت سے قابل ذکر  
 ہیں، آپ بدایوں کے اس مشہور خاندان کے فرد ہیں جو علم و ادب اور دنیاوی جاہ و حشمت میں ممتاز  
 رہا ہے، دو واسطوں (مولانا محبت احمد بدایونی اور حضرت تاج الفحول) سے آپ کا سلسلہ تلمذ علامہ  
 فضل حق خیر آبادی تک پہنچتا ہے۔  
 سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

مرحوم نے درس نظامی کے اسباق مولانا رفاقت اللہ صاحب اور مولانا فضل  
 احمد بدایونی سے پڑھے، تہرگا چند سبق مولانا عبدالمقتدر بدایونی رحمۃ اللہ  
 علیہ سے بھی پڑھے، حدیث میں مولانا مرحوم کا سلسلہ تلمذ سید یونس علی  
 صاحب (متوفی ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء) کے واسطے سے خاندان ولی اللہی  
 تک اور معقول میں مولانا محبت احمد صاحب بدایونی (متوفی ۱۳۳۵ھ  
 مطابق ۱۹۱۶ء) کے توسط سے خانوادہ خیر آباد تک پہنچتا ہے۔ (معارف  
 مئی ۱۹۴۸ء، بحوالہ کلیات راغب ص ۱۴)

پروفیسر ضیا احمد صدیقی لکھتے ہیں:

مولانا راغب مرحوم بڑے جامع الکملات انسان تھے، تفسیر، حدیث، فقہ،  
 کلام و اصول میں تبحر کے ساتھ تصوف، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، نجوم، رمل، جفر  
 ، ادب تاریخ اور دوسرے مختلف علوم میں بھی کافی دسترس رکھتے تھے، حدیث  
 اور ادب سے ان کو خاص شغف تھا، حدیث کے رجال اور لغت کے شواہد پر  
 حیرت انگیز عبور تھا، عربی لکھنے اور بولنے پر انہیں کامل قدرت تھی، فارسی اور

اردو کا مذاق بلند تھا، اسی کے ساتھ انگریزی اور سنسکرت بقدر ضرورت جانتے تھے (علی گڑھ میگزین ۱۹۲۸ء، بحوالہ کلیات راغب ص ۱۶/۱۷)

علامہ راغب نے حضرت تاج الفحول کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی، پروفیسر ضیا احمد صدیقی لکھتے ہیں:

مولانا عقیدتاً سنی حنفی اور مشرباً قادری تھے، بچپن ہی میں والد نے ان کو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرید کرا دیا تھا، شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے خلف اکبر حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کی تھی (مرجع سابق)

پروفیسر ضیا احمد صدیقی نے علامہ راغب کی مندرجہ ذیل قلمی کاوشوں کا تذکرہ کیا ہے:

(۱) الانجم الطوالع مشتمل بر متن وکس کتاب المطالع وترجمہ وشرح اردو

(۲) بہار بوستاں..... انتخاب بوستاں مع مقدمہ وشرح

(۳) مالا بدمنہ کا تشریحی ترجمہ

(۴) ارکان دینیہ

(۵) مسئلہ علم: مسلم مفکرین کی نظر میں (۱۹۷۴ء میں پاکستان میں شائع ہوئی)

(۶) قصائد الکوکبیہ فی المناقب العلویہ

(۷) قصائد ہاشمیات

(۸) اللامیۃ الراسیہ

آخری تین رسائل عربی منظومات میں ہیں (مرجع سابق)



## کتب خانہ قادریہ میں خیر آبادی نوادر

بدایوں اور خیر آباد کے تعلقات و روابط پر ہم گزشتہ صفحات میں روشنی ڈال چکے ہیں، انہیں قریبی تعلقات کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ عالیہ قادریہ کے کتب خانہ میں خیر آبادی علما کی تصانیف کے نایاب و نادر نسخے موجود ہیں۔

کتب خانہ قادریہ میں خیر آبادیات سے متعلق قلمی نوادر بھی ہیں، اور قدیم مطبوعات بھی، یہاں ہم دونوں قسم کی کتابوں کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں، ممکن ہے کسی ریسرچ اسکالر کے کام آجائے۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان      گر ما نرسیدیم تو شاید بری  
(ترجمہ: خزانے کا پتہ ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں اگر ہم وہاں تک نہ پہنچ سکے تو شاید تم ہی وہاں تک پہنچ جاؤ)

### قلمی کتب و رسائل:

(۱) حاشیہ میرزا ہدر رسالہ: از مولانا فضل امام خیر آبادی۔ مولانا سناء الدین عثمانی بدایونی مولانا فضل امام خیر آبادی کے تلمیذ تھے، اپنے استاد کا یہ حاشیہ انہیں کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا ہے، پھر اس حاشیہ پر خود مولانا سناء الدین کا حاشیہ ہے، یہ نسخہ بعض جگہ سے کرم خوردہ ہے اور آخر کے اوراق چپک گئے ہیں۔  
(۲) امتناع العظیم: یہ علامہ فضل حق خیر آبادی کی مشہور زمانہ تصنیف ہے، اس کا یہ نسخہ بڑی تقطیع کے ۱۴۲ اوراق (۲۸۴ صفحات) پر مشتمل ہے، ایک صفحہ پر ۲۰ سطریں ہیں، کاتب اور سنہ کتابت درج نہیں ہے، جب مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے رسالہ امتناع العظیم کی اشاعت کا ارادہ کیا تو رسالے کے دوسرے قلمی نسخوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے کتب خانہ قادریہ کے اس نسخے سے بھی استفادہ کیا تھا۔

(۳) تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ: علامہ فضل حق خیر آبادی کی مشہور تصنیف ہے، چھوٹے سائز میں ۱۰۶/۱ اوراق (۲۱۲ صفحات) پر مشتمل ہے، اس نسخے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ مصنف کتاب کے شاگرد تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، نسخے کے سرورق پر تحریر ہے: ہذا الکتاب تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ کہ در ۱۲۴۰ھ ۱۸ رمضان المبارک تالیف یافتہ در رد تقویت الایمان کہ در ۱۲۴۰ھ در پانزدہم محرم الحرام تالیف شدہ از مولوی اسماعیل صاحب دہلوی۔

لیکن سرورق کی یہ تحریر تاج الفحول کے قلم کی نہیں ہے۔  
(۴) ہدیہ سعیدیہ: یہ بھی علامہ فضل حق خیر آبادی کی مشہور تصنیف ہے، یہ متوسط تقطیع پر ۱۰۲/۱ اوراق (۲۰۴ صفحات) پر مشتمل ہے، جس میں ایک صفحے پر ۲۱ سطریں ہیں، کاتب کا نام نہیں ہے البتہ کتابت کی تاریخ ۱۲۸۹ھ درج ہے۔

(۵) حاشیہ قاضی مبارک: علامہ فضل حق کا یہ شہرہ آفاق حاشیہ بڑی تقطیع پر ہے، یہ نسخہ مولانا سناء الدین عثمانی کے ذخیرہ کا ہے، جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزرا، سرورق پر ان کے قلم کی یہ تحریر درج ہے: حاشیہ استاذ مطلق جناب مولانا فضل حق دام ظلہم در ملک فقیر سناء الدین

اس کے بعد بھی دو جملے تحریر کیے ہیں جو پڑھنے نہیں جاسکے، یہ نسخہ مولانا عبدالقیوم قادری بدایونی (تلمیذ مولانا عبدالقادر بدایونی) کے زیر مطالعہ رہا ہے، سرورق پر مولانا کے قلم سے یہ تحریر درج ہے:

حاشیہ قاضی مبارک تصنیف حضرت مولانا استاذ الاساتذہ حضور استاذ مطلق

مولوی فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ در ۱۳۰۲ ہجری قدسی غرہ ماہ ربیع

الثانی آغاز نمودم: محمد عبدالقیوم قادری عفی عنہ

(۶) مجموعہ قصائد علامہ فضل حق: اس مجموعے ☆ میں علامہ کے ۱۴ مکمل قصائد اور ایک قصیدے

---

☆ سنہ ۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۲ء میں مولانا ممتاز احمد سیدی جامعہ ازہر میں علامہ کی شاعری پڑا کٹریٹ کر رہے تھے اس وقت میں نے اس مجموعہ قصائد کا عکس ان کی خدمت میں پیش کیا تھا، پھر مولانا عبدالکیم شرف قادری کے توسط سے وہی عکسی نسخہ ڈاکٹر سلمہ سیہول کو دستیاب ہوا، انہوں نے اپنے مرتبہ دیوان فضل حق میں اس نسخے سے استفادہ کیا ہے، ترتیب دیوان کے وقت علامہ کی ذاتی بیاض کے علاوہ علی گڑھ اور لکھنؤ وغیرہ کے کم از کم ۵/۵ قلمی مجموعے موصوفہ کے پیش نظر تھے، مقدمہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ بدایوں والے مجموعے میں ۳ قصائد ایسے ہیں جو اس مجموعے کے علاوہ اور کہیں نہیں ہیں۔



۲ شعر ہیں، مجموعے میں شامل اشعار کی مجموعی تعداد ۱۶۵ ہے ☆، قصیدہ نمبر ۶/۱۳ اور ۱۴/۱ کے علاوہ باقی قصائد مولانا سناء الدین عثمانی بدایونی کے قلم کے ہیں جو انہوں نے سنہ ۱۲۶۹ھ اور ۱۲۷۰ھ میں بمقام رامپور نقل کیے ہیں، حاشیہ اور بین السطور میں حل لغات بھی ہے جو حضرت تاج الفحول کے قلم کا معلوم ہوتا ہے، اگرچہ مخطوطے میں اس بات کی صراحت نہیں ہے مگر راقم تاج الفحول کا خط پہچانتا ہے، بعض جگہ مختصر حواشی مولانا عبدالقیوم قادری بدایونی کے قلم سے بھی ہیں، سرورق پر درج ہے ”قصائد حضرت استاذ مطلق ملک سناء الدین ختم اللہ تعالیٰ بالصدق والیقین“ اس مجموعے میں شامل قصائد کی تفصیل درج ذیل ہے:

قصیدہ (۱) ۲۳۵/۱ اشعار پر مشتمل اس قصیدے میں رافضیوں کا رد اور ان کے شہر لکھنؤ کی ہجو ہے، مولانا عبدالقیوم قادری بدایونی کے قلم سے یہ حاشیہ درج ہے:

فی هذه القصيدة انكى رافضة وابكى واخذ لهم واخزى

، و هجاهم و بلد هم لکهنؤ و بین ما لهم من الضلال و السوء۔

۲۱/ رجب ۱۲۶۹ھ کو رامپور میں نقل کیا گیا، مطلع درج ذیل ہے:

ماللزمان یربى الدانئ الدونا من دان دان و بعدى الدونا بعدونا

قصیدہ (۲) یہ نعتیہ قصیدہ ہے جس میں ۱۱۹/۱ اشعار ہیں، تاریخ کتابت ۲۳/ رجب ۱۲۶۹ھ درج ہے، مطلع حسب ذیل ہے:

و کفت تعبر عن جوئ عبراته و کفت مؤون و شاته زفراته

قصیدہ (۳) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، ۹۳/۱ اشعار ہیں، اس پر ۲۴/ رجب ۱۲۶۹ھ کی تاریخ درج ہے، مطلع یہ ہے:

يَخْفِي مَا يُخْفِي مَذْمَعُهُ و يذيع السر توجعه

قصیدہ (۴) ڈاکٹر سلمہ کے مطابق یہ قصیدہ علامہ نے ۱۲۳۶ھ میں نظم کیا تھا، یہ بھی نعتیہ ہے، اور

☆ ڈاکٹر سلمہ نے مجموعے کے قصائد کی تعداد ۱۶۶ اور اشعار کی مجموعی تعداد ۷۰۷ لکھی ہے، دراصل اس میں انہوں نے وہ مطبوعہ قصیدہ بھی شمار کیا ہے جو علامہ نے نواب علی نقی خاں کی مدح میں کہا تھا، اس کا تعارف میں نے نادر مطبوعات کے ذیل میں کروایا ہے، اس میں ۵۰/۱ اشعار ہیں، مجموعے میں ایک قصیدے کے صرف دو شعر ہیں، ڈاکٹر سلمہ نے ان کو بھی ایک قصیدہ شمار کیا ہے، اسی لیے انہوں نے مجموعے کے اشعار کی تعداد ۷۰۷ اور قصائد کی تعداد ۱۶۶ بتائی ہے۔

۱۲۱ اشعار پر مشتمل ہے، ۲۷/ رجب ۱۲۶۹ھ تاریخ کتابت درج ہے، مطلع درج ذیل ہے:

ما زال يحذر يوم بعد سعاد      حتى دنا بعداً ليوم بعدا

قصیدہ (۵) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، ۱۰۳/ اشعار پر مشتمل ہے، ۳۰/ رجب ۱۲۶۹ھ کی تاریخ درج ہے، قصیدے کا مطلع یہ ہے:

حاشی الرقیب و خان کل امین      حتی بکی فاذا ع کل مصون

قصیدہ (۶) یہ قصیدہ نصاریٰ کی ہجو اور متصرین کی مذمت میں ہے، جس میں ۲۳۵ اشعار ہیں، ڈاکٹر سلمہ نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ اس مجموعے کے علاوہ اور کہیں نہیں ہے، تاریخ کتابت درج نہیں ہے، قصیدے کا مطلع یہ ہے:

كَمْ فِي هَوَى الْخَوْرِ مِنْ خَوْرٍ وَمِنْ خَوْرٍ      فَكَمْ فَتَى بِشِفَارِ الشَّفْرِ مَنْخُورٍ

قصیدہ (۷) یہ ۱۲۵/ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ ہے، ڈاکٹر سلمہ کے بقول یہ قصیدہ ۱۲۶۲ھ میں نظم کیا گیا ہے، ۱/ شعبان ۱۲۶۹ھ میں نقل کیا گیا، مطلع یہ ہے:

اتى من تباشير الصباح بشير      ببشر بشير الصبح بشير

قصیدہ (۸) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، جس میں ۷۰/ اشعار ہیں، ڈاکٹر سلمہ نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ علامہ کی بیاض میں بھی ہے مگر اس میں صرف ۴۳ اشعار ہیں، باقی کے اشعار صرف اسی مجموعے میں ہیں، اپنی بیاض میں علامہ نے اس قصیدے سے پہلے لکھا ہے کہ ”یہ قصیدہ میں نے محرم ۱۲۴۱ھ میں حضور اکرم ﷺ کی مدح میں نظم کیا ہے، اس وقت ایک فتنہ ظاہر ہوا ہے جو مخلوق کو گمراہ کر رہا ہے، اور حضور اکرم ﷺ کی شان عالی میں تخفیف و اہانت کے ذریعے اہل اسلام کو دھوکے میں ڈال رہا ہے“ (ترجمہ ملخصاً دیوان فضل حق ج ۲۱) اس پر تاریخ ۲/ شعبان ۱۲۶۹ھ درج ہے، مطلع یہ ہے:

وَاهَا لَوَاهٍ مُكَمِّدٌ أَرِقٍ بِلَيْلٍ سَرْمَدٍ

قَدْ بَاتَ بِلَيْلَةٍ أَنْقَدُ وَارَى الْوَرَى وَكَانَقَدُ

قصیدہ (۹) یہ ۶۱/ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ ہے، تاریخ ۳/ شعبان ۱۲۶۹ھ درج ہے، آغاز یوں ہوتا ہے:

إِنْ لَمْ تُصَبِّ نَظْرَةً مِنْ أَغْنَيْنِ نَعْسٍ      فَمَنْ نَفَى النَّوْمَ مِنْ عَيْنَيْكَ فِي الْغَلَسِ

قصیدہ (۱۰) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، ڈاکٹر سلمہ کے بقول ۱۲۳۶ھ میں نظم کیا گیا، اس میں ۱۲۷ اشعار ہیں، تاریخ کتابت ۴/ شعبان ۱۲۶۹ھ درج ہے، مطلع یہ ہے:

خفیٰ خفیٰ ہواہ دمعہ الحاری

لما خفا بارق بادی السنا شاری

قصیدہ (۱۱) یہ نعتیہ قصیدہ ۶۱ اشعار پر مشتمل ہے، جس میں امکان نظیر کے نظریے کی تردید کی گئی ہے، تاریخ کتابت ۱۳/ رجب ۱۲۷۰ھ درج ہے، قصیدے کا مطلع یہ ہے:

قم یا صباح فصیح قبل اصباح

فانما الراح فی راح علیٰ راح

قصیدہ (۱۲) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، جس میں ۹۰ اشعار ہیں، تاریخ کتابت ۱۴/ رجب ۱۲۷۰ھ درج ہے، آغاز یوں ہوتا ہے:

لا تنصبغ بھوی بیض امالید

فاحمر الموت فی اجفانہا السود

قصیدہ (۱۳) یہ قصیدہ بھی نعت پاک میں ہے، ڈاکٹر سلمہ کی تحقیق کے مطابق یہ قصیدہ اس وقت کا ہے جب علامہ ملازمت ترک کر کے دہلی سے روانہ ہو رہے تھے، قصیدہ ۱۲۵ اشعار پر مشتمل ہے، تاریخ کتابت درج نہیں، مطلع حسب ذیل ہے:

مودع سلمیٰ للحیاء مودع فعمما قریب حفرة الودع یودع

قصیدہ (۱۴) یہ نعتیہ قصیدہ ۹۰ اشعار پر مشتمل ہے، اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی امکان نظیر کے قضیہ کے بعد کا ہے، تاریخ کتابت درج نہیں، مطلع درج ذیل ہے:

فؤادی ہائم والد مع هام

وسہدی دائم والجفن دام

دیوان فضل حق کی مرتبہ ڈاکٹر سلمہ فردوس کے مطابق علامہ نے ۱۲۴۰ھ میں امیر ٹونک نواب محمد امیر خان بہادر کی مدح میں ۵۴ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ کہا تھا، ہمارے مجموعے کے آخری صفحے پر یہ ادھوری عبارت درج ہے:

و له أفاض الله علينا من بركاته - لما طلبه محمد أمير خان

بہادر.....

اس کے بعد اس قصیدے کا مطلع اور ایک شعر نقل کیا گیا ہے، قصیدے کا مطلع یہ ہے:

هنيئاً فقد وافى الى بشير

فاقبل نحوى جدة و حبور

(۷) قصیدہ ممیہ: یہ قصیدہ سید حیدر علی ٹوکی اور شاہ اسماعیل دہلوی کی ہجو میں ہے، جو ۱۱۴۲/ اشعار پر مشتمل ہے، مولانا عبدالنبی فصیح الدین عباسی بدایونی (تلمیذ تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی) کے ہاتھ سے نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے، حاشیہ اور بین السطور میں حل لغات بھی ہے، قصیدے کے اختتام پر یہ عبارت درج ہے:

تمام شد قصیدہ من تصنیف حضرت جناب قدوة السالکین زبدة العارفين

استاذ مطلق حضرت جناب مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درہجو

حیدر علی نجدی و بابی علیہ ما علیہ مطبع شیخ النجدی، ساطر عبدالنبی قادری

قصیدے کا مطلع یہ ہے:

کلامی فی حشا العادی کلام

نوافذ ما له منها التیام

(۸) فتویٰ تردید حیدر علی ٹوکی: از علامہ فضل حق خیر آبادی (قیاساً)

سید حیدر علی ٹوکی کی بعض عبارات سے متعلق ۱۵ سوالات پر مشتمل استفتا اور اس کے جواب میں تفصیلی فتویٰ ہے، یہ نسخہ چھوٹے سائز میں ۵۱۵ اوراق (۱۰۱ صفحات) پر مشتمل ہے، باریک قلم سے ہر صفحے میں ۲۴ سطریں ہیں، آخر میں علامہ فضل حق کی مہر بھی ثبت ہے۔ دہلی، رامپور اور مراد آباد وغیرہ کے ۳۰ سے زائد علما کی تصدیقات کے ساتھ یہ فتویٰ مطبع ہدایہ دہلی سے ۱۲۶۹ھ میں شائع بھی ہوا تھا۔

(۹) رسالہ الثورة الهندیة وقصائد فتنہ الہند: علامہ فضل حق کا رسالہ غدریہ اور قصائد فتنہ الہند حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کے ہاتھ سے نہایت خوش خط لکھے ہوئے ہیں، رسالہ غدریہ

۷/اوراق (۱۴ صفحات) پر جب کہ قصائد ۳/اوراق (۶ صفحات) پر مشتمل ہیں، آخر میں حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کی یہ تحریر درج ہے: (۲)

ترجمہ: یہ مقامہ سنجیہ (رسالہ الثورة الہندیہ) اور یہ دونوں قصیدے میں نے ماہ رجب ۱۳۱۱ھ میں نقل کیے، مصنف کے ہاتھ کے نسخے سے میں نے ان کو نقل کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جب نعت رسالت میں یہ دونوں قصیدے نظم فرمائے، تو نعت پاک کی برکت سے قید سے رہائی اور وطن واپسی کا حکم سنا دیا گیا، لیکن اس وقت وہ متعدد امراض کا شکار تھے، لہذا وہیں ان کی وفات ہو گئی، ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کہنے والے نے سچ ہی کہا کہ ع

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

کتبہ محمد عبدالمقتدر مطبع الرسول عفی عنہ

(۱۰) مجموعہ مکاتیب: یہ کل ۷/خطوط ہیں، متوسط سائز پر ایک صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔ خطوط کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مکتوب مفتی آزر دہ بنام علامہ فضل حق۔ (تقریباً ایک صفحہ)

(۲) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزر دہ۔ (تقریباً ساڑھے چھ صفحات)

(۳) مکتوب مولانا شاہ فضل رسول بنام علامہ فضل حق۔ (ساڑھے پانچ صفحات)

(۴) مکتوب مفتی آزر دہ بنام مولانا شاہ فضل رسول۔ (آدھا صفحہ)

(۵) مکتوب مفتی آزر دہ بنام علامہ فضل حق۔ (تین صفحات)

(۶) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزر دہ۔ (ڈیڑھ صفحہ)

(۷) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزر دہ۔ (دو صفحات)

ان مکاتیب کی باقی تفصیلات اسی کتاب میں کسی دوسرے مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱) رسالہ مولوی محمد سراج الدین بر حواشی مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۲) جواب رسالہ از مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۳) جواب الجواب از مولوی محمد سراج الدین

(۱۴) روداد مباحثہ اول علامہ فضل حق خیر آبادی و مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۵) روداد مباحثہ دوم علامہ فضل حق خیر آبادی و مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۶) رسالہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۷) تقریر جواب ایرادات مفتی سعد اللہ صاحب: از مولانا محمد ہدایت علی بریلوی

(۱۸) رسالہ مولانا سلطان حسن بریلوی در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۹) رسالہ نامعلوم المصنف در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۲۰) رسالہ نامعلوم المصنف در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۲۱) رسالہ در جواب مولانا عبدالحق خیر آبادی از مولانا فدا حسین ☆

(۲۲) تفسیر طیبات بینات المعروف ب صراط مستقیم: از بی بی رقیہ خیر آبادی دختر مولانا عبدالحق

خیر آبادی، اس کا اصل قلمی نسخہ خانقاہ صدیہ پھوند شریف (یو۔ پی۔ انڈیا) میں محفوظ ہے، کتب خانہ قادریہ بدایوں میں اسی نسخہ کا عکس ہے، اس تفسیر کا تعارف ”خانوادہ خیر آباد کی اہل علم خواتین“ کے ضمن میں گزر گیا۔

نایاب مطبوعات:

ان قلمی نوادر کے علاوہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولانا

عبدالحق خیر آبادی کی بعض قدیم مطبوعہ تصانیف بھی موجود ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حاشیہ قاضی مبارک: از علامہ فضل حق خیر آبادی، بڑی تقطیع پر ۲۸۸ صفحات، خولجہ مصلح الدین

احمد معروف بہ ابوسعید اقبال الدین کے زیر اہتمام مطبع مصلح المطابع دہلی سے ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء

میں شائع ہوا۔

یہ نسخہ حضرت مولانا عبد القدیر بدایونی کے زیر مطالعہ رہا ہے، سرورق پر حضرت کے قلم سے یہ

---

☆ نمبر ۱۰ سے نمبر ۱۵ تک کے رسائل ایک جلد میں ہیں، اور ۱۶ سے ۲۱ تک ایک الگ جلد میں۔ ۱۱ سے ۲۱ نمبر تک کے رسائل کی تفصیلات ”علامہ فضل حق اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی“ کے ضمن میں ملاحظہ کریں۔

عبارت درج ہے:

حاشیہ قاضی مبارک در بلدہ حیدرآباد دکن ترب بازار مکان رحیم الدین  
خان صاحب تعلقہ دار شروع نمود بتاریخ ۴ شعبان المعظم روز شنبہ  
۱۳۲۷ھ / محمد عبدالقدیر عاشق الرسول بدایونی

اس کے علاوہ کتاب میں متعدد مقامات پر حضرت کے قلم سے مختصر حواشی بھی درج ہیں۔

(۲) الهدیۃ السعیدیہ: از علامہ فضل حق خیر آبادی

اس کے تین مختلف نسخے ہیں:

(۱) مطبع شعلہ طور کانپور شوال ۱۲۹۲ھ

(۲) مطبع احمدی لکھنؤ ۱۳۳۰ھ

(۳) یہ نسخہ اول و آخر سے ناقص ہے، یہ بھی قدیم ہے، اور مذکورہ دو نسخوں کے علاوہ کسی اور

مطبع کا شائع شدہ ہے۔

(۳) المقامۃ المشورہ والقصیدۃ السیدیۃ: از علامہ فضل حق خیر آبادی

یہ مقامہ اور قصیدہ نواب مدار الدولہ منتظم الملک علی نقی خان بہادر سہراب جنگ کی مدح میں  
ہے، قصیدے کا مطلع ہے:

وافی بشیرا بالنفس نسَم سرّی طاب النفس

قصیدے میں ۵۰ اشعار ہیں، یہ دونوں مطبع محمد حسین میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں، سنہ  
طباعت ندارد ہے، تاہم سرورق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علامہ کی حیات ہی میں شائع ہوئے تھے۔

(۴) حاشیہ علی حاشیہ غلام یحییٰ بہاری: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

مطبع نظامی کانپور سے محرم ۱۲۷۸ھ میں باہتمام محمد عبدالرحمن مہتمم مطبع نظامی شائع ہوا، یہ حاشیہ بڑی  
تفصیل کے ۱۹۴ صفحات پر مشتمل ہے، مولانا سید عبداللہ بلگرامی کی فرمائش پر طبع ہوا اور تصحیح کی ذمہ  
داری بھی انہوں نے ہی ادا کی۔ دوران طالب علمی یہ نسخہ کم ترین راقم سطور کے زیر مطالعہ رہا۔

(۵) شرح ہدایت الحکمۃ: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

متوسط سائز پر ۲۳۸ صفحات پر مشتمل ہے، مولانا سید عبداللہ بلگرامی کی تصحیح و تقریظ کے ساتھ مطبع  
شعلہ طور کانپور سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی۔

یہ نسخہ مولانا عبد الماجد بدایونی کے زیر مطالعہ رہا ہے، سرورق پر مولانا کے دستخط موجود ہیں۔

(۶) زبدۃ الحکمۃ: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

مع یادگار حامد یہ ضمیمہ زبدۃ الحکمۃ از مولانا اسدالحق خیر آبادی ابن مولانا عبدالحق خیر آبادی حسب فرمائش مولانا سید اولاد حسین صاحب خیر آبادی، مطبع افضل المطابع دہلی ۱۳۳۱ھ زبدۃ الحکمۃ ۶۵ صفحات پر اور ضمیمہ ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے، آخر میں سید اصغر علی آبرو، صاحبزادہ محمد عبدالقدوس خاں صاحب اور محمد صابر شاہ کر کے قطعات تاریخ طبع درج ہیں۔

(۷) شرح مرقات: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

متوسط سائز میں ۲۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ میں مطبع انتظامی کانپور سے شائع ہوئی۔

(۸) تسہیل الکافیۃ: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

متوسط سائز میں ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے مطبع مجیدی کانپور سے ۱۳۳۸ھ میں شائع ہوئی۔

(۹) حاشیہ بر شرح حمد اللہ: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

۴۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، مولانا سید احمد حسین سندیلوی کی فرمائش اور آپ ہی کی تصحیح کے ساتھ مطبع علوی لکھنؤ سے ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوئی۔ ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ میں اس کم علم راقم الحروف نے اس نسخہ سے استفادہ کیا۔

(۱۰) حاشیہ شرح مواقف امور عامہ: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

مرزا احمد شاہ کے زیر اہتمام مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئی۔

(۱۱) الجواهر الغالیۃ فی الحکمۃ المتعالیۃ: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

مولوی احمد علی خیر آبادی کی تصحیح کے بعد مطبع سعیدی رامپور سے ۱۹۰۶ء/ ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی

(صفحات: ۱۹۶) ☆

(۱۲) شرح حواشی الزاہد یہ امور عامہ: از مولانا عبدالحق خیر آبادی

یہ نسخہ اول و آخر سے ناقص ہے، صفحہ ۳ سے صفحہ ۱۱۲ تک ہے، اس لیے اس کے سنہ طبع اور مطبع کے بارے معلوم نہیں ہو سکا۔



☆ یہ کتاب ۱۳۰۲ھ میں مطبع احمدی رامپور سے بھی شائع ہوئی تھی، یہ نسخہ خانقاہ صمدیہ پھونڈ شریف میں راقم کی نظر سے گزرا



## فضل حق، فضل رسول اور آزرده ☆

شدت پسندی اور نرم خوئی، سخت مزاجی اور رحم دلی یہ متضاد صفات ہیں، مگر قرآن کریم نے اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے ان کو بیک وقت ان متضاد صفات کا حامل قرار دیا ہے، اشداء علی الکفار اور رحماء بینہم، اقبال نے غالباً اسی آیت کے مفہوم کو شعری قالب میں ڈھالا ہے کہ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ..... رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

تیرہویں صدی کی جن تین عبقری شخصیات کا ہم ذکر کرنے جا رہے ہیں ان میں یہ متضاد صفتیں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتی ہے، ان تینوں حضرات کے باہم تعلقات، بے تکلفی، مراسلت اور ایک دوسرے کے بارے میں تاثرات کو دیکھا جائے تو یہ ریشم کی طرح نرم نظر آتے ہیں، مگر جب یہی لوگ اپنی اس تمام تر نرمی کے باوجود رزم گاہ حق و باطل میں ہوتے ہیں تو ان کا قلم تیغ آبدار بن کر چمکتا ہے۔

(۱) علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء - ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

(۲) مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء - ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء)

(۳) مفتی صدر الدین آزرده دہلوی (۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء - ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء)

یہ تینوں اپنے زمانے میں علم و فضل کے گنج گراں مایہ تھے، ان کی تدریسی، تصنیفی، ادبی اور انقلابی خدمات کی ایک زریں تاریخ ہے، تینوں تقریباً ہم عمر ہیں، پیدائش کے اعتبار سے مفتی صاحب مقدم ہیں، پھر علامہ اور آخر میں حضرت، جب کہ رخصتی میں علامہ مقدم ہیں، پھر مفتی

☆ یہ مضمون ماہنامہ جام نور دہلی دسمبر ۲۰۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ نظر ثانی اور کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ اس کو یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔ ناموں کی تکرار سے بچنے کے لیے ہم علامہ فضل حق کے لیے صرف ”علامہ“، مولانا شاہ فضل رسول کے لیے ”حضرت“، اور مفتی صدر الدین آزرده کے لیے صرف ”مفتی صاحب“ لکھیں گے۔

صاحب، اور سب سے آخر میں حضرت نے پردہ فرمایا۔ مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے اس عجیب اتفاق کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفتی صاحب علامہ سے آٹھ سال پہلے دنیا میں تشریف لائے، اور تقریباً آٹھ سال بعد ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

ان تینوں عبقری شخصیات کے درمیان ایک سے زیادہ امور ایسے قدر مشترک تھے جو باہم یگانگت اور رشتہ خلوص و محبت کی بنیاد بن سکتے تھے، مثال کے طور پر ہم یہاں چند باتوں کی طرف اشارہ کریں گے:

(۱) معقولات سے خاص شغف، دلچسپی، اور علوم حکمیہ میں گہری نظر ان تینوں حضرات میں قدر مشترک ہے۔ مفتی صاحب نے معقولات کی اعلیٰ تعلیم خود علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی سے حاصل کی تھی، حضرت نے فرنگی محل (جو اس وقت منقولات سے زیادہ معقولات کی درس و تدریس کا مرکز تھا) میں تکمیل علم کی تھی، پھر معقولات میں آپ کی مہارت اور دلچسپی کے ثبوت میں آپ کا حاشیہ بر رسالہ میرزا اہد اور حاشیہ میرزا اہد ملاجلال پیش کیا جاسکتا ہے، اور رہے علامہ تو وہ تو معقولات میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے، بقول سرسید احمد خان ”منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کے فکر عالی نے بنا ڈالی ہے“ (آثار الصنادید: ج ۲ ص ۸۸) اور بقول منشی جعفر تھانی سری ”دلم منطق کے پتلے اور افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے“ (سوانح احمدی: ص ۱۴۳)

(۲) شعر گوئی، سخن فہمی، سخن سنجی اور اعلیٰ ادبی ذوق تینوں حضرات کی مشترک صفت ہے، عربی شعر و ادب میں علامہ کا جو پایہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے، مفتی صاحب بھی شعر و سخن اور ادبیات کے باب میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے، بقول مولانا آزاد ”علاوہ اور فنون کے فارسی و عربی کی ادبی فضیلت میں اس پائے کے عالم تھے کہ ان کے بعد پھر کوئی ویسا عالم نہ ہوا“ (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: ص ۶۶) ان کے عربی، فارسی، اردو کلام کے نمونے سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید میں درج کیے ہیں (آثار الصنادید: ج ۲ ص ۵۹ تا ۷۳)۔

مفتی صاحب کی سخن فہمی اور سخن سنجی کے معیار کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ علامہ نے اپنا ایک عربی قصیدہ مفتی صاحب کو ارسال کیا، مفتی صاحب نے قصیدے کی تعریف

کی، اس کے جواب میں علامہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: (۳)  
ترجمہ: یہ جو کچھ قصیدہ حانیہ کے بارے میں آپ کے خاتمہ مشکیں نے تحریر  
فرمایا ہے وہ آپ کی قدردانی اور قدر افزائی ہے، سوائے آپ کے اور کون  
ہے جس کے سامنے یہ سرمایہ پیش کر سکوں۔ (مکتوب علامہ بنام مفتی  
صاحب مخزنہ کتب خانہ قادری بدایوں)

اردو شعر و ادب میں مفتی صاحب کا مرتبہ جگہ ظاہر ہے، علامہ غالباً اردو میں طبع آزمائی نہیں  
فرماتے تھے، مگر غالب جیسے مشکل پسند کو ٹھکانے کے شعر کہنے پر آمادہ کرنا علامہ ہی کا کارنامہ  
ہے (یادگار غالب: ص ۲۰۱) بقول مولوی محمد حسین آزاد غالب کا موجودہ اردو دیوان علامہ اور مرزا  
خانی ہی کا انتخاب ہے (آب حیات: ص ۵۱۲، بحوالہ باغی ہندوستان: ص ۱۵۸)  
حضرت اعلیٰ اشعری ذوق کے مالک تھے، علم و فضل، بزرگی اور خدا رسیدگی کے ساتھ ذرا شعر کا یہ  
رنگ ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں:

تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر      ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے  
ہم جو چپ بیٹھیں تو کہلائیں سر ٹی      شیخ بیٹھیں تو توکل ٹھہرے



حسن الفاظ ہے کس حور لقا کا صدقہ      ہے یہ انداز سخن، کس کی ادا کا صدقہ  
پاؤں پھسلا تو دیا اس نے مرے ہاتھ میں ہاتھ      ید بیضا ہے یہاں لغزش پا کا صدقہ



یوں بہانے بھی نہ آنے کے بنا سکتے ہو      پر جو آنے ہی پہ آجاؤ تو آسکتے ہو  
(مولود منظوم: ص ۵)

(۳) علامہ اور مفتی صاحب میں ایک رشتہ استاذ بھائی کا بھی تھا، اولاً دونوں حضرات مولانا فضل امام  
خیر آبادی کے تلمیذ تھے، پھر خاندان ولی اللہی سے نسبت تلمذ رکھنے میں دونوں حضرات شریک ہیں۔

(۴) شاہ اسماعیل دہلوی نے جب تقویت الایمان لکھ کر ہندوستان میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی  
کے افکار و عقائد کو عام کرنا شروع کیا تو ان تینوں نے ان کے خلاف قلم اٹھایا، گویا ”رد

وہابیت،“ بھی ان تینوں حضرات کی مشترکہ دلچسپی کا موضوع ہے۔

(۵) انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے یہ تینوں حضرات سرکاری ملازمت سے وابستہ ہونے کے باوجود ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے خلاف صف آرا ہو گئے، علامہ کے مجاہدانہ کردار سے سب واقف ہیں، فتویٰ جہاد پر مفتی صاحب نے بھی دستخط کیے، جس کی پاداش میں نظر بندی اور جائداد کی ضبطی کا شکار ہوئے، انقلاب ۱۸۵۷ء میں علامہ کے شانہ بشانہ جہاد کرنے کے لیے حضرت نے اپنے بیٹے کی طرح پالے ہوئے عزیز ترین بھانجے اور شاگرد مولانا فیض احمد بدایونی کو جہاد آزادی کے لیے قربان کر دیا، چنانچہ دہلی کے مشہور فتویٰ جہاد پر مولانا فیض احمد بدایونی نے بھی دستخط کیے اور مردانہ وار جنگ آزادی میں حصہ لیا۔

یہ تمام وہ امور مشترک ہیں جو ان تینوں حضرات کو مزاج و مذاق، مسلکی میلان، ادبی رجحان، سیاسی خیالات اور اتحاد و یگانگت کے ایک نقطے پر جمع کر دیتے ہیں۔ اور یہی نقطہ اتحاد ان تینوں حضرات میں محبت، خلوص، بے تکلف دوستانہ مراسم، ایک دوسرے کے لحاظ و پاس، عزت و احترام، قدر و منزلت، قدر شناسی اور قدر دانی کی بنیاد ہے۔ ان تینوں حضرات کے باہم روابط و تعلقات پر اب تک کوئی تحقیقی کام سامنے نہیں آیا، ڈاکٹر ایوب قادری نے اس جانب اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں:

علمائے وقت مفتی صدر الدین آزاد (ف: ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) مولانا رشید الدین خاں دہلوی (ف: ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۲۷ء) مولانا فضل رسول بدایونی (ف: ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) مولانا محمد حسن خاں صدر الصدور بریلوی (ف: ۱۸۷۳ء) وغیرہ سے ان (علامہ فضل حق خیر آبادی) کے خصوصی تعلقات تھے، ضرورت ہے کہ اس اعتبار سے مولانا فضل حق کی کتاب حیات کی ورق گردانی کی جائے (مولانا فضل حق خیر آبادی ایک تحقیقی مطالعہ: ص ۳۸/۳۹) یہاں ہم اسی کتاب حیات کی ورق گردانی کی کوشش کر رہے ہیں۔

علامہ ریاست الور میں: علامہ لکھنؤ سے ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء کے ابتدائی مہینوں میں ریاست الور تشریف لے آئے، مفتی صاحب نے فوراً ایک نظم کہہ کر علامہ کی خدمت میں روانہ کر دی، نظم کا

ایک شعر سن لیں:

رشک تہران و صفا ہاں شدہ دلی ازمن  
الور از ذات ہما یون تو یوناں باشد  
(ترجمہ: میری بدولت دہلی رشک تہران و اصفہان بنا ہوا ہے جب کہ آپ کے الور جانے سے الور یونان بن گیا ہے)

حکیم محمود احمد برکاتی نے اس پر دلچسپ ریمارک دیا، لکھتے ہیں:  
شرافت المکان بالکین کی صداقت دیکھیے کہ بر عظیم کے مراکز علمیہ میں الور  
نامی کسی مقام کا کوئی ذکر نہیں تھا، مولانا فضل حق وہاں پہنچ گئے تو ان کی  
ذات ہمایوں نے الور کو یونان بنا دیا۔ سچ ہے ع  
ہم جہاں بیٹھ کے پی لیں وہیں مے خانہ بنے

اور

میں چن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا  
آج وہاں الافق المبین، شرح اشارات محاکمات، قاضی مبارک جیسی  
کتا میں معرض تدریس میں ہیں (تاج الفحول نمبر: ص ۴۳۱)

جن دنوں علامہ الور میں تھے اسی زمانے میں حضرت کے صاحبزادے تاج الفحول مولانا  
عبد القادر بدایونی علامہ کی درس گاہ سے فیضان علمی حاصل کر رہے تھے (جس کا ذکر پیچھے گزرا)  
لطیفہ: حضرت تاج الفحول کے قیام الور کے دوران ایک لطیفہ درپیش آیا جس کا ذکر دلچسپی سے خالی  
نہ ہوگا ☆ ہوا یہ کہ ایک رات تاج الفحول کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اچانک علامہ وہاں  
ٹپکتے ہوئے آ گئے، آپ نے شاگرد کو مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا عبد القادر کون سی کتاب کا  
مطالعہ کر رہے ہو؟ شاگرد نے ادب سے جواب دیا کہ ”دن میں وقت نہیں ملا تھا اب دلائل  
الخیرات کا حزب مکمل کر رہا ہوں“ اس جواب پر استاذ نے فرمایا کہ ایسی کتابیں تو تمہارے والد  
صاحب اچھی پڑھا سکتے ہیں یہ انہیں سے پڑھ لیا کرو، جب بدایوں آ کر اس بات کا تذکرہ اپنے  
والد ماجد سے کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ”تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے والد تو وہ کتابیں بھی

☆ یہ روایت ہمارے خاندان میں چلی آرہی ہے اور اس کا تذکرہ عم محترم مولانا ہادی القادری نے بھی کیا ہے (احوال  
و مقامات (قدیم): ص ۹۴/۹۵)

اچھی پڑھا سکتے ہیں جو آپ پڑھاتے ہیں۔“

اس قسم کے واقعات اکابر کے بے تکلف رشتہ خلوص و محبت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔  
 بے مرچ کی کھیر: اسی قسم کا ایک دلچسپ لطیفہ دہلی میں مفتی صاحب کے دولت کدے پر پیش آیا،  
 حضرت دہلی تشریف لے گئے تو مفتی صاحب نے آپ کی دعوت کی، دہلی والے مرچ مسالے  
 بہت زیادہ کھاتے ہیں، حضرت اس قسم کے کھانوں کے عادی نہیں تھے، آپ جو بھی چیز اٹھاتے  
 اس میں تیز مرچ ہوتی، آخر آپ کی نظر کھیر کے پیالے پر پڑی، حضرت نے بڑی سادگی سے مفتی  
 صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”مفتی صاحب اگر آپ کی یہ کھیر بے مرچ کی ہو تو ذرا  
 اٹھادیں“، اس جملہ پر پوری محفل زعفران زار ہو گئی۔ (احوال و مقامات: ص ۸۰)

علامہ بدایوں میں: حضرت کا خاندان تو ساتویں صدی ہجری کے آغاز سے ہی بدایوں میں قیام  
 پذیر تھا، مگر بدایوں کو علامہ سے بھی ایک گونہ نسبت حاصل ہے، گودورہی کی سہی، حکیم محمود احمد برکاتی  
 لکھتے ہیں:

ویسے مولانا فضل امام خیر آبادی کا خاندان اصلاً بدایونی ہی تھا، مولانا ضیاء  
 القادری نے تو اگرچہ مولانا فضل امام کے والد محمد ارشد کے لیے لکھا ہے کہ وہ  
 بدایونی تھے اور خیر آباد منتقل ہو گئے تھے، مگر یہ حقیقت نہیں ہے، بلکہ مولانا فضل  
 امام کے اجداد میں سے ایک بزرگ قاضی عماد الدین بدایوں سے ہر گام منتقل  
 ہوئے تھے، مولانا محمد ارشد ہر گام میں ہی پیدا ہوئے، اور وہاں سے خیر آباد منتقل  
 ہوئے تھے، مختصر یہ کہ اصل پر نظر کی جائے تو دونوں (حضرت اور علامہ) بدایونی  
 ہیں مگر بات ذرا دور کی ہے۔ (تاج الفحول نمبر: ص ۴۳۰)

حضرت سے مراسم محبت و یگانگت علامہ کو بدایوں کھینچ لائے، ممکن ہے بدایوں کے سفر کے  
 پیچھے اپنے قدیم وطن کو دیکھنے کی خواہش بھی شامل رہی ہو، بہر حال علامہ بدایوں تشریف لائے اور  
 مدرسہ قادریہ میں فروکش ہوئے، مولانا ضیاء القادری نے اکمل التاریخ میں لکھا ہے کہ:

حضرت سیف اللہ المسلول سے آپ (علامہ) کو نہایت خلوص و عقیدت  
 تھی، ایک زمانے میں بدایوں بھی تشریف لائے تھے، اکثر اوراد و اشغال

کی اجازتیں بھی حاصل کی تھیں، مدرسہ قادریہ میں مقیم رہے تھے (اکمل التاریخ: ج ۱ ص ۸۹)

ڈاکٹر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق علامہ اپنے زمانہ قیام رامپور (۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۷ء) میں بدایوں تشریف لائے تھے۔

**علم و فضل اور خدمات کا اعتراف:** حضرت نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر علامہ کے علم و فضل اور خدمات کا اعتراف کیا ہے، سیف الجبار میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

مولوی فضل حق خیر آبادی جزاہ اللہ خیراً کہ علم و فضل میں مولوی اسماعیل وغیرہ کو ان سے کچھ نسبت نہیں، علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد ماجد سے کہ یگانہ عصر تھے حاصل کیے، مولوی اسماعیل کے روبرو ان کا رد و ابطال کیا اور تکفیر کی، نوبت تحریر کی آئی، مسئلہ شفاعت میں مولوی اسماعیل نے حرکت مذہبی کچھ جواب میں کی، آخر کو عاجز و ساکت ہو گئے، اور ”تحقیق الفتویٰ فی رد اہل الطغویٰ“ کمال شرح و بسط سے مولوی فضل حق صاحب نے لکھا۔ (سیف الجبار: ص ۲۸)

اپنی ایک دوسری کتاب فوز المؤمنین میں تحریر فرماتے ہیں:

شفاعت کے بیان میں جو مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا، ان کے روبرو اس کا رد ہوا، مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی جزاہ اللہ خیراً نے تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ کمال شرح و بسط سے لکھا اور مولوی اسماعیل کی تکفیر ثابت کی، اور علمائے دین دار کی اس پر مہریں ہونیں اور کچھ جواب اس کا نہ ہو سکا۔ (فوز المؤمنین: ص ۳۰)

المعتقد المنتقد میں ایک بحث کے بعد لکھتے ہیں: (۴)

ترجمہ: اختصار کے پیش نظر ہم تفصیل سے گریز کرتے ہیں، اور جو اس مسئلے میں تفصیل کا خواہش مند ہو وہ فاضل کامل معظم و محترم مولانا فضل حق خیر آبادی کے افادات کا طرف رجوع کرے، سرزمین ہند پر وہ پہلے شخص ہیں جس نے نجدیوں کی بدعتوں اور مفسد کا رد کیا اور آخری شخص ہیں جس نے

ان کے عقائد کا فساد ظاہر کیا، تو اہل یقین کے دل مطمئن ہوئے، اور شک و تردد والوں کو یقین کی دولت حاصل ہوگئی، اور ان کے سبب اللہ نے بہت سے گمراہوں کو ہدایت دی، اور تمام مسلمانوں پر ان کا یہ احسان ہے، اور رب العالمین کی بارگاہ میں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ (المعتقد المنتقد: ص ۱۱۲)

ایک دوسرے کی قدر شناسی، ذکر خیر، اور علمی مقام و مرتبے کے اعتراف کی کچھ اور مثالیں کتاب میں دوسرے مقام پر آ رہی ہیں۔

کتابوں پر تقریظات: ان حضرات میں روابط و تعلقات کے استحکام ہی کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے ایک دوسرے کی کتابوں پر تقریظیں تحریر فرمائیں اور ایک دوسرے کے علم و فضل کا کشادہ قلبی سے اعتراف کیا۔

۱۲۷۰ھ میں مکہ مکرمہ کے ایک عالم کی فرمائش پر حضرت نے عربی زبان میں علم کلام و عقائد کی معرکہ آرا کتاب المعتقد المنتقد تصنیف فرمائی، اس کتاب پر علامہ اور مفتی صاحب دونوں حضرات نے تقریظیں تحریر فرمائیں، خطبے کے بعد علامہ تحریر فرماتے ہیں: (۵)

ترجمہ: واضح ہو کہ میں نے اس رسالے کا مطالعہ کیا جس کی تصنیف و تالیف ان مولانا نے کی ہے جو نہایت ہی باصلاحیت، بہت بیدار مغز، نہایت پرہیزگار ہیں، جو اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے ہیں، اور بے مانگے عطا فرمانے والے ہیں، بلند و بالا جاہ و عظمت کے مالک اور ان میں وہ اپنے معاصرین میں بے مثل ہیں، خشیت الہی سے متصف اور گریہ و زاری سے آراستہ ہیں، روشن اور جلیل القدر مناقب والے اور دور رس دقیق نگاہوں کے مالک ہیں، علوم معقول و منقول اور شریعت و حقیقت کی معرفتوں کے جامع ہیں، حقیقت و معارف کی اونچی اونچی چوٹیوں اور بلندیوں پر فائز ہیں، حق کی نصرت میں اور ہر نشیب و فراز میں مقام نجد سے نمودار ہوئے سینک کو کند کرنے میں زبردست شہرت رکھتے ہیں، رہبر قوم و ملت، معزز سردار، پاکیزہ باطن، قابل احترام اور بے پناہ عقل ہوش کے



مالک، مولانا مولوی فضل الرسول قادری حنفی۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی درازی عمر سے بہرہ مند فرمائے، اور انہیں اپنی خاص حفاظت و نگہداشت سے نوازے، اور اللہ کرے کہ ان کا سب سے بہترین دن وہ ہو جب اللہ انہیں اپنی ملاقات کا شرف بخشے۔

تو مجھے پتہ چلا کہ واقعاً یہ (کتاب) اپنے اختصار کے باوجود عقائد کے حقائق پر مشتمل ہے اور کینہ پروروں کے فریبوں کا ازالہ کرنے والی ہے، بلکہ سارے کا سارا رسالہ روشن حق کی تشریح و توضیح ہے اور راہ راست کے مسائل کی وضاحت و تفسیر ہے، اس کی فصیح عبارتوں کے افق سے روشن صبح حق کی جلوہ نمائی ہوتی ہے، اور اہل باطل کے ظلم و ستم کی تاریکیوں کا پردہ چاک ہوتا ہے اور بھرم کھلتا ہے، اور گفتگو کی وہ لڑیاں جو اس میں فی البدیہہ پروئی گئی ہیں ان سے روشن حق کی معرفت کے ذریعے زخموں کا مرہم ہوتا ہے، وہ فساد و جارحیت کے مرتکبین کو زخم پہنچاتا ہے، ٹھیس دیتا ہے اور ضرب کاری لگاتا ہے، گمراہ ان کے ذریعے اہل سنت کے روشن راستوں کی طرف راہ پاتا ہے، اور پیاسا ان کے ذریعے روشن شریعت کے دائمی اور محفوظ چشمے سے سیراب ہوتا ہے، اس کے ذریعے انہوں نے مذہبی سچے عقائد اور گھٹیا فرقوں کی لالیعنی باتوں کے درمیان خط امتیاز کو روشن کیا، اور اس کے ذریعے معتزلہ اور نجدیوں جیسے عقل کے اندھوں کے گھٹیا عیبوں کا پردہ فاش کیا ہے، چنانچہ اس کے ذریعے انہوں نے حق کو بالکل واضح کر دیا، اور ہر نجدی کو شکست خوردہ اور زمین بوس کر دیا بلکہ ہلاک اور زیر لحد کر دیا، جس پر ہر ظلم و سرکشی کرنے والا غیظ و غضب میں خوب جل رہا ہے، اور حق کا ہر متلاشی اس کے ذریعے راہ حق کو پاتا ہے اس لیے وہ اس پر

شاداں اور حالت وجد میں ہو جاتا ہے۔ (المعتقد المنتقد: ص ۲۳)

اس کتاب پر مفتی صاحب نے بھی زور دار تقریظ تحریر فرمائی اور پُر زور الفاظ میں المعتقد میں درج

عقائد و مسائل کی تائید فرمائی، آپ لکھتے ہیں: (۶)

ترجمہ: (خطبے کے بعد) میں نے اس رسالہ کاملہ اور عجالہ نافعہ کو دیکھا جس کو دانشمند مدق، ماہر محقق، فاضل کامل، بلند رتبہ عالم، دریائے بے پایاں، روشن طبع، سریع الفہم، ماہر اور ذہین مولانا مولوی فضل رسول بدایونی قریشی قادری نے عقائد کی تحقیق میں تالیف فرمایا ہے۔ (مرجع سابق: ص ۴)

پھر آگے لکھتے ہیں: (۷)

ترجمہ: میں نے اس رسالے کو لفظ و معنی کے اعتبار سے عمدہ اور بہترین، نظم و ترتیب کے اعتبار سے چمکتا و مکتا، اور رفیع الشان پایا، علم کلام میں تصنیف کی جانے والی کوئی کتاب اس کے قریب نظر نہیں آتی، اور اس موضوع پر تالیف کیا جانے والا کوئی بھی رسالہ اس کے برابر نہیں ہے۔ (مرجع سابق: ص ۵)

مفتی صاحب نے روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے موضوع پر ۱۲۶۴ھ میں ”نتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال“ نامی رسالہ تصنیف فرمایا جو اسی سال شائع ہوا، اشاعت اول کے چار سال بعد ۱۲۶۸ھ میں پھر یہ رسالہ شرف المطالع دہلی سے دوبارہ شائع ہوا، اس پر علامہ اور مفتی سعد اللہ مرآد آبادی نے تقریظیں تحریر فرمائیں۔ علامہ اپنے مخصوص اسلوب میں تحریر فرماتے ہیں: (۸)

ترجمہ: میرے پاس رسالہ ”منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال“ پہنچا، جس کی تصنیف و تالیف کا کام ایک ایسی ہستی نے انجام دیا ہے جن کی طرف بے چیدہ مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں، اور مسند و مرسل روایتوں کی معرفت کے لیے جن کی طرف جوان اونٹوں کو ہانکا جاتا ہے، اور اجمال و تفصیل کے ساتھ علوم و معرفت اور جو دو سخا کے حصول کے لیے جن کے کاشانے میں مہمانی کی سواریاں بٹھائی جاتی ہیں، دوستوں میں سب سے عزیز ترین، پسندیدہ اخلاق کے مالک اور نہایت عقلمند، پاکیزہ ترین عادتوں سے آراستہ دونوں طرح کے خیر: قوت اور اخلاق کے مالک، کمال کے والی، بلند و بالا،

معزز و باوقار عالم، فضیلت و شرف کی جامع شخصیت، بہترین ہستی، ذاتی اور آبائی فضل و کمال میں بیشل مولانا مولوی محمد صدر الدین خان بہادر، اللہ کرے کہ وہ ہمیشہ اقبال و بلندی میں رہیں (منتہی المقال: ص ۴۲/۴۱)

**فتاویٰ کی تصدیق:** ۱۲۴۰ھ میں علامہ نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کی ایک عبارت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس کے خلاف فتویٰ کفر صادر فرمایا جو ”تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ“ کے نام سے منظر عام پر آیا، اس فتوے پر دہلی کے مشاہیر علما مولانا مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ دہلوی اور مولانا احمد سعید نقشبندی کے علاوہ مفتی صدر الدین آزادہ نے بھی تائیدی دستخط ثبت فرمائے۔

۱۲۶۸ھ میں ہندستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے بعض اختلافی مسائل کے تصفیہ کے لیے حضرت کی بارگاہ میں استفتا کیا، آپ نے تمام سوالات کا تحقیقی جواب تحریر کیا، جو اسی سال مطبع مفید الخلائق دہلی سے شائع ہوا، اس فتوے پر ۱۷ علمائے دہلی نے تائیدی دستخط فرمائے جن میں سب سے پہلے دستخط مفتی صاحب نے ثبت کیے، اور حضرت کے اس فتوے کی تائید فرمائی۔ ۱۲۶۹ھ میں سید حیدر علی ٹونکی کے خلاف ایک فتویٰ لکھا گیا، جو علامہ یا ان کے شاگرد کا

تھا، مفتی صاحب نے اس کی تصدیق کی۔ (فتوے کی باقی تفصیلات اپنے مقام پر آ رہی ہیں)

**حق کا دفاع:** ان تینوں حضرات کے باہمی تعلقات محبت والفت محض اللہ و رسول اور دین کی خاطر تھے، اس لیے اگر کسی پر کوئی حملہ ہوتا تو اس کو ”حق“ پر حملہ سمجھتے ہوئے یہ ایک دوسرے کا علمی دفاع کرتے تھے، مذکورہ فتویٰ تکفیر کے رد میں سید حیدر علی ٹونکی نے ایک کتاب کلام الفاضل الکبیر علی اہل التکفیر قلم بند کی، تو اس کے جواب میں حضرت نے قلم اٹھالیا اور فارسی زبان میں ایک رسالہ ”تنبکیت النجدي“ تحریر فرما کر سید حیدر علی ٹونکی کے اعتراضات کا تحقیقی جواب دیتے ہوئے علامہ کا دفاع کیا۔

اسی طرح مفتی صاحب کے رسالے منتہی المقال پر کسی صاحب نے سات سوالات قائم کیے، ان سوالات کے جواب میں حضرت نے ایک تحقیقی رسالہ قلم بند فرمایا جس کا تاریخی نام ”اکمال فی بحث شد الرحال“ قرار پایا، یہ رسالہ فارسی میں ہے اور پہلی بار مطبع الہی سے ۱۲۶۶ھ

میں طبع ہوا، اس رسالے میں حضرت نے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی صاحب پر کیے جانے والے اعتراضات کا تحقیقی جواب دیا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں کی ایک روایت: نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے کچھ عرصہ مفتی صاحب سے بھی تحصیل علم کی تھی، اپنے استاذ اور علامہ کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے نواب صاحب ابجد العلوم میں لکھتے ہیں: (۹)

ترجمہ: علامہ فضل حق اور میرے استاذ علامہ محمد صدر الدین خاں آزرده صدر الصدور کے درمیان بڑی دوستی اور محبت تھی، کیوں کہ وہ دونوں ایک ہی استاذ کی درس گاہ کے فیض یافتہ تھے، اور پھر علامہ فضل حق کے والد علامہ فضل امام خیر آبادی کے بھی دونوں شاگرد تھے، لیکن اس (استاذ بھائی ہونے) کے باوجود میرے استاذ بعض معاملات میں ان سے ناراض رہتے تھے، ان میں ایک معاملہ یہ تھا کہ انہوں (علامہ فضل حق) نے شیخ حافظ محدث اصولی حاجی غازی شہید محمد اسماعیل دہلوی کا رد کیا تھا، (مفتی صاحب علامہ سے) کہا کرتے تھے کہ میں اس معاملہ میں تم سے خوش نہیں ہوں اور یہ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ (ابجد العلوم: بحوالہ نزہۃ الخواطر: ج ۷ ص ۲۱۳)

نواب صاحب کی اس عبارت پر حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے بڑا عمدہ نوٹ لگایا ہے پہلے اسے دیکھ لیں پھر ہم کچھ عرض کریں گے، حکیم صاحب فرماتے ہیں:

ایک دوست کا دوسرے دوست کو ٹوکنا تو کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مولانا آزرده تو مولانا فضل حق کو اس بات پر برا بھلا کہیں کہ انہوں نے شاہ اسماعیل کا رد کیا تھا جب کہ

(۱) خود وہ شاہ اسماعیل کے خیالات سے متفق نہیں تھے اور بقول مولانا فضل رسول انہوں نے شاہ صاحب کو سمجھا کر اس سے باز رکھنا چاہا تھا۔

(۲) مولانا آزرده تعین یوم میلاد کے قائل تھے۔

(۳) مولانا قیام فی المیلاد کو بھی مستحسن جانتے تھے۔

(۴) منتهی المقال میں بھی وہ وہابی نقطہ نظر کے خلاف گئے ہیں اور جوش و خروش کے ساتھ وہابیہ کا رد کیا ہے۔

(۵) امتناع نظیر کے باب میں بھی ان کا ایک قلمی رسالہ میرے کتب خانہ میں ہے، وہ اس میں بھی شاہ صاحب سے کلیتاً متفق نہیں تھے۔

ان حقائق کی موجودگی میں میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ نواب صاحب کا اپنے استاذ پر افترا ہے کہ وہ مولانا فضل حق سے اس لیے ناراض تھے کہ انہوں نے شاہ صاحب کا رد کیا تھا اور مولانا فضل حق کے سلسلے میں لوگوں کو بدگمان کرنے کی ناکام کوشش ہے، (فضل حق خیر آبادی اور سنہ ستاون: ص ۱۰۸/۱۰۹)

حکیم صاحب کے مذکورہ دلائل کے علاوہ یہاں چند قابل ذکر پہلو اور بھی ہیں جن کی روشنی میں نواب صاحب کی یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔

(۱) جب ۱۲۴۰ھ میں علامہ نے شاہ اسماعیل دہلوی کی تردید میں تحقیق الفتویٰ لکھی تو اس پر مفتی صاحب نے تائیدی دستخط فرمائے، یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ مفتی صاحب علامہ کے جس ”جرم“ پر ان سے ناراض ہوں خود اسی جرم میں ان کے شریک بھی ہوں؟

(۲) اس فتوے کے ۲۹ سال بعد ۱۲۶۹ھ میں جب شاہ اسماعیل دہلوی کے ایک حامی سید حیدر علی ٹوکنی کے خلاف فتویٰ دیا گیا جس میں شاہ صاحب کے امکان نظیر اور امکان کذب کے موقف کا زبردست رد تھا اس پر بھی مفتی صاحب نے تصدیق فرمائی، یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ۱۲۶۹ھ/۱۲۷۰ھ ہی وہ زمانہ ہے جب نواب صاحب دہلی میں مفتی صاحب سے تحصیل علم کر رہے تھے (نواب صدیق حسن خاں: ص ۷۵/۷۶)

(۳) آپ آگے پڑھیں گے کہ مفتی صاحب نے شاہ اسماعیل کے اسلوب پر سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں سوئے ادب کے ادنیٰ وہم کو ارکان ایمان میں تزلزل کا موجب بتایا ہے، یہ بھی آگے آرہا ہے کہ مفتی صاحب (شاہ اسماعیل کے برخلاف اور علامہ کے موقف کے موافق) کذب باری کو ممتنع بالذات سمجھتے تھے، نیز یہ کہ کذب باری کو ممکن بالذات ماننے والے (جیسا کہ شاہ اسماعیل تھے) کو ضال و مضل (گمراہ اور گمراہ گر) سمجھتے تھے۔

(۴) پھر ۱۲۷۰ھ میں حضرت نے المعتقد المعتقد لکھی جس میں جگہ جگہ شاہ اسماعیل دہلوی کا رد

کیا اس پر مفتی صاحب نے زور دار الفاظ میں تقریظ قلم بند فرمائی اور یہاں تک لکھ گئے کہ ”علم کلام میں لکھی جانے والی کوئی کتاب اس کتاب کے برابر نہیں ہے“ (المعتقد المنتقد: ص ۵)، سوال یہ ہے کہ اگر تحقیق الفتویٰ لکھ کر علامہ نے کوئی جرم کیا تھا تو پھر اس سے بڑا جرم تو مولانا فضل رسول بدایونی کا تھا جنہوں نے شاہ اسماعیل دہلوی کے رد میں ایک نہیں بلکہ تقریباً ایک درجن کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے بعض یہ ہیں سیف الجبار، البوارق المحمدیہ، فوز المؤمنین، احقاق حق، فصل الخطاب، اور المعتقد المنتقد وغیرہ۔ مفتی صاحب کو علامہ سے زیادہ تو حضرت سے ناراض ہونا چاہیے تھا، اس کے برخلاف مفتی صاحب ان کو ان القاب و خطابات سے یاد فرما رہے ہیں:

السحر المدقق، التحریر المحقق، الفاضل الكامل، العالم الفائق، البحر

الخصم، الالمعی اللودعی، الاحوذی الاصمعی مولانا مولوی

فضل الرسول البدایونی القرشی القادری (المعتقد المنتقد: ص ۴)

دانشمند مدقق، ماہر محقق، فاضل کامل، بلند رتبہ عالم، دریائے بے پایاں، روشن

طبع، سریع الفہم، ماہر اور ذہین مولانا مولوی فضل رسول بدایونی قریشی قادری۔

(۵) آپ نے پڑھا کہ حکیم محمود احمد برکاتی نے تعین یوم میلاد وغیرہ کے سلسلہ میں مفتی آزرہ کے موقف کا ذکر کیا ہے، کتب خانہ قادریہ میں مولانا قلندر علی زبیری (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) کا رسالہ ”نور العین فی ذکر مولد النبی وشہادۃ الحسین“ (مطبع ناصری دہلی ۱۲۸۱ھ) موجود ہے، جس میں محفل میلاد اور مجلس ذکر امام حسین کو جائز و مستحسن قرار دیا گیا ہے اور اس کو بدعت کہنے والوں کی تردید کی گئی ہے، اس پر کچھ دیگر علما کے علاوہ مفتی صدر الدین آزرہ کی بھی مہر و تصدیق موجود ہے، مفتی صاحب رسالے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول ان المصنف النحریر قد جاء بالحق المنیر العبد المذنب المسکین محمد

صدر الدین شرح اللہ صدرہ بنور الیقین (نور العین: ص ۳۲)

گویا اس مسئلہ میں بھی مفتی صاحب نے شاہ اسماعیل کے خلاف رائے دی ہے۔

ان تمام داخلی اور خارجی قرآن و شواہد کی روشنی میں پورے یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ نواب صاحب کی مذکورہ بات ”پیراں نمی پرند مریداں می پرانند“ کی قبیل سے ہے۔



## علامہ فضل حق خیر آبادی اور حافظ محمد علی خیر آبادی

علامہ فضل حق خیر آبادی کے اساتذہ میں عموماً دو نام آتے ہیں ایک تو علامہ کے والد مولانا فضل امام خیر آبادی دوسرے شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، علامہ کی زیادہ تر تعلیم انہیں دونوں کی درسگاہوں میں ہوئی، بعض حضرات کے مطابق آپ نے سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی کچھ استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ ایک شخصیت اور ہے جن سے علامہ نے تصوف میں شیخ اکبر کی کتاب فصوص الحکم کا درس لیا تھا، عام سوانح نگاروں نے اس سلسلہ میں یا تو بالکل نہیں لکھایا پھر بہت کم لکھا ہے، لہذا ہم یہاں ان کا مختصر تعارف کرانا چاہتے ہیں تاکہ علامہ کی زندگی کا یہ باب بھی روشنی میں آسکے۔ یہ ہیں شیخ الاسلام سید حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہ، آپ مخدوم سید نظام الدین اللہ دیا (م: ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء) کی اولاد امجاد سے ہیں، آپ کی ولادت ۱۱۹۲ھ میں ہوئی، مختلف اساتذہ سے تحصیل علم کے بعد شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حدیث پڑھی، حضرت شاہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے بیعت کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے، تیرہویں صدی کے نصف اول کے اجلہ مشائخ اور سالکین میں آپ کا شمار ہے۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۶۶ھ میں آپ کا وصال ہوا، مؤلف اکمل التاریخ نے لکھا ہے کہ جب مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے لیے ریاست حیدرآباد سے (۱۷ روپیہ یومیہ) وظیفہ مقرر ہوا تو آپ نے اس میں سے ۶ روپیہ یومیہ وظیفہ حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی کو نذر کر دیا، جو مستقل طور پر خانقاہ خیر آباد کے نام منتقل ہو گیا۔ آپ کے برادر زادے حضرت حافظ محمد اسلم خیر آبادی (متوفی ۱۳۲۰ھ) آپ کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ ☆ آپ کی خانقاہ آج بھی خانقاہ حافظیہ اسلامیہ کے نام سے آباد ہے، روحانی فیض اور

☆ یہ حالات سید فرقان وحید ہاشمی خیر آبادی کی کتاب تذکرہ کامل اور محمود احمد رفاقتی کی کتاب تذکرہ علمائے اہل سنت سے ماخوذ ہیں۔

سلسلہ رشد و ہدایت جاری ہے، حضرت سید شاہ فرقان وحید ہاشمی خانقاہ کے صاحب سجادہ ہیں۔  
 حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہ کے حالات آپ کے مرید مولانا ہادی علی خاں چشتی  
 نے فارسی زبان میں مناقب حافظیہ کے نام سے جمع کر کے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیے، مناقب  
 حافظیہ کا ترجمہ نثری نذر محمد خاں نے مشاہدہ حافظی کے نام سے کیا جو ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی۔  
 مناقب حافظیہ میں علامہ کے استفادے کا ذکر جس عبارت میں کیا گیا ہے اس کا ترجمہ  
 مشاہدہ حافظی میں ان الفاظ میں ہے: (۱۰)

مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ہندستان کے علمائے  
 نامدار اور علم معقول میں اپنے عہد کے امام فن سے تھے، شیخ الاسلام سے  
 فصوص پڑھنے کے واسطے خواستگار ہوئے اور چند سبق کتاب موصوف کے  
 آنحضرت سے پڑھے، ایک روز حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا تم کو فنون  
 فلسفہ کی کثرت مزاولت کے سبب سے اس علم شریف کے ادراک کی  
 استعداد نہیں ہے، چنانچہ مولانا نے مدوح میں شیخ الاسلام کی تعلیم کی برکت  
 سے یہ اثر تھا کہ کہتے تھے کہ علوم معقولات جو ہمارے درس و تدریس میں  
 ہیں سب پوست اور علم تصوف مغز ہے لیکن عقل کو اس کے ادراک کی قوت  
 نہیں ہے (مشاہدہ حافظی: ص ۱۱۶)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ نے حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہ سے نہ صرف یہ کہ علم  
 تصوف میں استفادہ کیا تھا بلکہ حضرت کا روحانی فیض بھی پایا تھا۔ لہذا حضرت کا ذکر علامہ کے  
 اساتذہ میں کیا جانا چاہیے۔





## علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی

شاہ اسماعیل دہلوی (آمد: ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء۔ رخصت: ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) علامہ کے ہم عصر ہیں گو کہ علامہ سے عمر میں تقریباً ۱۸/۱۹ سال بڑے ہیں، مگر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے نسبت تلمذ دونوں میں قدر مشترک ہے، علامہ کا بچپن دہلی میں خانوادہ شاہ ولی اللہ کے افراد خاندان کے زیر سایہ گزرا، روز کا آنا جانا تھا، فراغت کے بعد دہلی ہی میں ملازمت کی اور کم و بیش ۲۰ برس تک بسلسلہ ملازمت علامہ دہلی میں قیام پذیر رہے، قیاس ہے کہ خاندان شاہ ولی اللہ کے دیگر افراد کی طرح علامہ کے شاہ اسماعیل دہلوی سے بھی مراسم رہے ہوں گے، اور پھر ان دونوں میں استاذ بھائی کا رشتہ بھی تھا، یہ تعلقات و روابط اسی طرح چل رہے تھے کہ اسی درمیان شاہ اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان تصنیف کی۔ ☆

**اولین صدائے احتجاج:** تقویت الایمان میں جہاں اور قابل اعتراض عبارتیں تھیں وہیں شفاعت کے بیان کے ضمن میں اللہ کی قدرت عامہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ اسماعیل دہلوی نے یہ لکھ دیا کہ:

اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو  
 کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتے جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا  
 کر ڈالے۔ (تقویت الایمان: ص ۲۵)

اس پر سب سے پہلے علامہ فضل حق خیر آبادی نے توجہ کی اور ایک مختصر تحریر ”تقریر اعتراضات بر

---

☆ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عام طور پر لوگ تقویت الایمان کا سنہ تصنیف ۱۲۴۰ھ لکھتے ہیں، لیکن حکیم محمود احمد برکاتی کی تحقیق کے مطابق تقویت الایمان ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء میں تصنیف کی گئی، (شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان: ص ۱۴۳) اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے، راقم اس موضوع پر ایک مستقل مقالہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

تقویت الایمان“☆ لکھی، اس میں آپ نے ثابت کیا کہ حضور ﷺ کی نظیر متمتع بالذات ہے، اگر اس کو ممکن مانا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کذب لازم آئے گا، اور کذب باری محال ہے، مزید یہ کہ شاہ اسماعیل کی یہ عبارت تنقیص شان رسالت پر مشتمل ہے۔ اس رسالے کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے ”رسالہ یک روزی“ تصنیف کیا۔ (سفر اور تلاش: ص ۵۶/۵۷)

یہیں سے مسئلہ امتناع نظیر اور امکان نظیر پر بحث کا آغاز ہوا، منشی جعفر تھانیسری لکھتے ہیں: مولوی فضل حق معقولی خیر آبادی جو اس زمانے میں حاکم اعلیٰ شہر دہلی کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پتلے اور افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے، مولانا شہید کے سخت مخالف ہو گئے، چنانچہ کتاب تقویت الایمان کے اس مسئلہ پر اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ سادوسرا پیدا کرنے پر قادر ہے انہوں نے سخت اعتراض کیا اور لکھا کہ اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ جیسا دوسرا پیدا کرنے پر ہرگز قادر نہیں، اس کے جواب میں مولانا شہید نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی و نقلی نہایت مدلل لکھا ہے، چنانچہ ”ایضاح الحق“ کے خاتمہ پر وہ فتویٰ بتامہ چھپ بھی گیا ہے (سوانح احمدی: ص ۱۴۳)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

مولانا اسماعیل شہید نے جب تحریک اصلاح شروع کی تو اس کے مخالفوں میں یہ (علامہ فضل حق خیر آبادی) سب سے زیادہ نامور ہوئے، مولانا شہید نے ”تقویت الایمان“ میں لکھ دیا ہے کہ خدا چاہے تو ایک پل میں کروڑوں آں حضرت کے امثال پیدا کر دے، یہ بات ان (علامہ فضل حق خیر آبادی) پر بہت شاق گزری، اور معقولیت کی رنگ آمیزیوں سے ایک تقریر اس کے رد میں لکھ دی، دعویٰ یہ کیا کہ نظیر خاتم النبیین کا پیدا ہونا متمتع بالذات سے ہے، اور پھر قدرت اور مشیت کا فرق فراموش کر کے سارا

---

☆ تواریخ عجیبہ از محمد جعفر تھانیسری مرتبہ ڈاکٹر ایوب قادری کے آخر میں کتابیات کے ذیل میں اس تقریر کا حوالہ موجود ہے، کتابیات میں یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ اس تحریر کا قلمی نسخہ حکیم محمود احمد برکاتی کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے، اس تحریر کا ایک قلمی نسخہ حکیم نصیر الدین اجیری (کراچی) کی ملکیت میں تھا۔

معاملہ مشیت کے فعل میں لے گئے، ساری تقریر جدل و مکابرہ کا ایک لفظی گورکھ دھند تھی، مولانا اسماعیل نماز کے لیے جامع مسجد جا رہے تھے کہ راہ میں انہیں یہ تقریر ملی، نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ گئے، اور کاغذ و قلم منگوا کر ایک پورا رسالہ اس کے رد میں قلم بند کر دیا، چونکہ ایک ہی دن میں لکھا گیا تھا، اس لیے یک روزی کے نام سے مشہور ہو گیا، پھر مولانا صدر الدین نے بھی اس پر ایک تحریر لکھی، یہ دونوں رسالے ”ایضاح الحق الصریح“ کے حاشیہ پر چھپ گئے ہیں (غالب اور ابوالکلام: ص ۱۲/۱۱)

مولانا آزاد نے عقیدے کے اس اہم مسئلے کو جتنا ہلکا کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی نگاہ اپنی تمام تر وسعت کے باوجود معاملہ کے اس خطرناک پہلو تک نہیں پہنچ سکی جس کے نتیجے میں انبیا و مرسلین اور اولیا و صالحین کے بارے میں عجیب و غریب اہانت آمیز اسلوب وجود میں آیا اور آگے چل کر انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی۔ ☆

امتناع نظیر کا مسئلہ کوئی عام مسئلہ نہیں تھا جس کو مولانا آزاد نے ایک ”بے معنی مسئلہ“ اور ”لفظی گورکھ دھند“ قرار دے دیا بلکہ آگے چل کر اس کے دور رس عواقب و نتائج سامنے آئے، حکیم محمود احمد برکاتی نے درست لکھا کہ:

علامہ کی فراست دینی خدا داد تھی، آپ کی مندرجہ بالا تحریروں کی نوعیت صرف ایک کتاب پر تنقید اور ایک مصنف کی کسی علمی لغزش و خطا پر تعاقب کی نہیں ہے، بلکہ ایک بہت بڑے دینی فتنے (انکار ختم نبوت) کی طرف اس کے آغاز ہی میں

---

☆ مولانا آزاد اسی سلسلے میں آگے لکھتے ہیں: ”انہوں نے (مولانا فضل حق نے) میرزا غالب سے بھی ایک مثنوی مولانا اسماعیل کے رد میں لکھوائی تھی، جو دیوان میں موجود ہے، استدعا، تو وصل قبور (کذا تو صل) استغاثہ بحرف نداء، ایصال ثواب بطریق رسمی، اور یہی مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیین اس میں بیان کیے گئے ہیں، آخری مسئلہ اس درجہ بے معنی تھا کہ میرزا غالب کا ذہن اسے قبول نہ کر سکا اور ایک لطیف پیرائے میں وہی بات کہہ دی جو مولانا اسماعیل کہتے ہیں، لیکن پھر چونکہ مولانا فضل حق نے بہ شدت انکار کیا، اس لیے چند نئے اشعار کہہ کر بحث کا رخ بدل دیا“ (غالب اور ابوالکلام: ص ۱۲)

(ہمارے خیال سے یہ غالب پرستی کی انتہا ہے کہ کسی خالص کلامی اور اعتقادی مسئلہ کے باطنی اور بے معنی ہونے کے لیے مرزا غالب کے ذہن کا اس کو قبول کرنا یا ناکرنا ضروری ہے۔

التفات فرما کر ملت کو متنبہ فرمادیا تھا، مگر افسوس ہے کہ شاہ صاحب کی حمایت میں چند علما میدان میں آگئے اور اس ایک مسئلے میں کئی مباحث پیدا کر دیے جن کے نتیجے میں انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی (سفر اور تلاش: ص ۵۷)

علامہ کی تحریر ”تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان“ فارسی میں تھی، اس کا ایک قلمی نسخہ کراچی میں حکیم نصیر الدین اجیری (وفات ۱۹۸۸ء) برادر زادہ مولانا معین الدین اجیری کی ملکیت میں تھا، وہیں سے مولانا عبدالحکیم شرف قادری (لاہور) نے حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ کیا، اور اپنی مترجمہ تحقیق الفتویٰ (مطبوعہ بندیاں ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) کے آخر میں اصل فارسی متن کے ساتھ شائع کر دیا، جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ وہی تحریر ہے جس کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے رسالہ یک روزی تصنیف کیا تھا، اس لیے کہ یک روزی میں شاہ صاحب نے علامہ کی جو عبارتیں ”قولہ“ کے بعد نقل کی ہیں وہ سب عبارتیں اس میں موجود ہیں۔ لہذا اس تحریر کی صحت انتساب میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تحریر چونکہ تقویت الایمان کا اولین تنقیدی جائزہ ہے اس لیے تاریخی حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے، غالباً یہ ہندوستان میں اب تک شائع نہیں ہوئی ہے، اس لیے اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ محفوظ ہو جائے۔

# تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان

از علامہ فضل حق خیر آبادی

ترجمہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں اور اچھی عاقبت متقین کے لیے، اور درود و سلام ہو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی تمام آل اور اصحاب کرام پر۔ صاحب تقویۃ الایمان نے (اپنی کتاب کی) تیسری فصل میں شرک کا رد کرتے ہوئے وجاہت کا معنی بیان کرنے کے بعد کہا:

اُس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتے جبریل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ ایک آن میں ایک امر کن سے کروڑوں افراد حضرت محمد ﷺ کے برابر عدم سے وجود میں لے آئے۔ یہ جمہور مسلمانوں کے متفقہ عقیدے کے خلاف ہے کیوں کہ حضرت محمد ﷺ کی مثال ممنوع الوجود ہے (یہ صغریٰ ہے) اور جس چیز کا وجود ممنوع اور محال ہو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہے (یہ کبریٰ ہے)۔

صغریٰ کا بیان یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی مثل کوئی شخص ممکن ہو تو وہ لازماً نبی ہوگا کیوں کہ غیر نبی کی مثل نہیں ہو سکتا، لیکن آپ کے مماثل نبی ممکن نہیں ہے کیوں کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور خاتمیت کا معنی یہی ہے کہ آپ کی مثل کا وجود ممکن نہ ہو۔ اس لیے کہ انسانی کمالات کی انتہا مرتبہ نبوت ہے اور اس مرتبہ کا کمال یہ ہے کہ وہ خواص ثلاثہ کے قوی ترین مراتب پر مشتمل ہو۔ جس سے زیادہ قوی مرتبہ عالم امکان میں متصور نہیں ہے لہذا ختم نبوت سے بلند مرتبہ ممکن ہی نہیں

ہے۔

وہ مرتبہ کہ وجود امکانی کے مراتب میں اس سے بلند تر کوئی مرتبہ نہیں ہے، وجود خاتم الانبیاء کا مرتبہ ہے، جب نبوت اس مرتبہ تک پہنچتی ہے تو ختم ہو جاتی ہے، ابتدا کے سلسلے میں معلول اول کا مرتبہ اور (انتہا و) رجوع کے سلسلے میں خاتم الانبیاء کا مرتبہ یکساں ہے۔ (ابتدا و انتہا کی) قوس نزولی اور صعودی اس جگہ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور دائرہ وجود اس جگہ مکمل ہو جاتا ہے۔ جس طرح سلسلہ آغاز میں اول سلسلہ اور واجب الوجود کے درمیان کوئی فرد متصور نہیں ہے، اسی طرح سلسلہ انتہا میں آخر سلسلہ اور واجب الوجود کے درمیان کوئی مرتبہ متصور نہیں ہے۔ جس طرح وجود کا آغاز واجب الوجود سے ہے اسی طرح وجود کا انجام بھی وہی ہے، مبدا بھی وہی ہے اور معاد بھی وہی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر خاتم الانبیاء ﷺ کا مماثل ممکن ہو تو یقیناً اس کے واقع ہونے سے محال لازم نہیں آئے گا کیوں کہ ممکن کے واقع اور تحقق ہونے سے محال لازم نہیں آیا کرتا، جب کہ اس جگہ خاتم النبیین کے مماثل کے واقع ہونے سے آیہ کریمہ (ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول الله و خاتم النبیین) کے منطوق کا کذب لازم آتا ہے، یہ آیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مثل کے بالفعل موجود ہونے کے ممتنع ہونے پر صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ وجود مثل کو ممکن ماننا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کو جائز قرار دینا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال ہے کیوں کہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔ آیات و عید، دیگر آیات اور احادیث کے پیش نظر شروط معلومہ کے ساتھ مشروط ہیں۔ ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ ان آیات کی طرح نہیں ہے تاکہ اس آیت کو قوت شرطیہ میں قرار دے کر لزوم کذب کے استحالے کو دفع کیا جاسکے۔

کبریٰ کی دلیل یہ ہے کہ قدرت کا معنی ہے فعل اور ترک کا صحیح ہونا جیسے کہ محقق دوانی کی شرح عقائد عضدیہ میں ہے، یا قدرت کا معنی وہ صفت ہے جو ارادہ کے مطابق مؤثر ہو جیسے کہ شرح مواقف اور تجرید کی شرح جدید میں ہے، لازمی بات ہے کہ ایسی صفت فاعل کی نسبت سے صحت کا تقاضا کرے گی کیوں کہ قادر وہی ہے جس کے لیے کسی کام کا کرنا اور ترک دونوں صحیح ہوں، فاعل کی نسبت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ فعل فی نفسہ ممکن اور صحیح ہے، قدرت نے اسے ممکن اور صحیح نہیں بنایا

ورنہ قلب مواد (واجب یا محال کا ممکن بنادینا) لازم آئے گا، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدرت نے فعل کو فاعل موجد کی نسبت سے صحیح اور ممکن بنادیا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ قدرت ممکن پر ہی ہوتی ہے اور اس معاملات میں تمام ممکنات برابر ہیں۔ قدرت کی مقتضی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مقدور ہونے کو صحیح قرار دینے والا امکان ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی نسبت تمام ممکنات کی طرف برابر ہے۔

جب بعض پر قدرت ثابت ہوئی تو تمام ممکنات پر قدرت ثابت ہوگی، کیوں کہ امکان تمام ممکنات میں مشترک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز پر قادر ہے جو ممکن ہو۔ ممنوع اور واجب اس کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہیں۔ اس سے بجز لازم نہیں آتا جو قدرت کے مقابل ہے۔ کیوں کہ ممنوع کے ایجاد پر قدرت کا نہ ہونا عجز نہیں ہے اس لیے کہ ممنوع وجود کے قابل ہی نہیں ہے، آیہ کریمہ (ان اللہ علی کل شیء قدير) اور (واللہ خالق کل شیء) کا معنی مفسرین نے بیک زبان یہی بیان کیا ہے کہ ہر شے سے مراد ہر ممکن ہے، کیوں کہ محال بالاتفاق شے نہیں ہے اور واجب و محال پر قدرت نہیں ہوتی۔ بیضاوی میں ہے کہ قدرت کا معنی شے کو پیدا کر سکتا ہے۔

صاحب کشف جوا کا بر معزلہ میں سے ہیں آیہ کریمہ (ان اللہ علی کل شیء قدير) کی تفسیر میں کہتے ہیں: ”قادر کے حق میں شرط یہ ہے کہ فعل محال نہ ہو جب تمام اشیا پر قادر کا ذکر ہو تو محال خود مستثنیٰ ہے، گویا کہا گیا ہے کہ ہر اس چیز پر قادر ہے جو ہو سکتی ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ کہا جاتا ہے فلاں شخص انسانوں کا امیر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ماسوا کا امیر ہے وہ شخص بھی اگرچہ انسانوں میں سے ہے لیکن اس وقت وہ ان میں داخل نہیں ہے“

اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ معزلہ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ واجب تعالیٰ ممنوع پر قادر نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظیر ممتنعات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی مثل ایک شخص کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں ہے۔ چہ جائے کہ ایک آن میں آپ کی مثل ہزاروں افراد پیدا فرمادے۔

اس جگہ زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر دلیل کے صغریٰ میں امتناع سے مراد امتناع ذاتی ہے تو ہم صغریٰ تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظیر ممتنع بالذات نہیں ہے بلکہ نظیر اس لیے محال ہے کہ آپ کا خاتم النبیین ہونا اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر

میں کذب ممتنع بالغیر ہے اور ممتنع بالغیر ہونا امکانِ ذاتی کے منافی نہیں ہے۔ اگر امتناع سے مراد امتناع بالغیر ہے تو صغریٰ مسلم ہے۔ لیکن کبریٰ میں کلام ہے کہ اس جگہ ممتنع کس معنی میں ہے؟ اگر اس جگہ بھی ممتنع بالغیر مراد ہو تو حدِ اوسط ضرور مکرر ہے لیکن کبریٰ ممنوع ہے کیوں کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ جس چیز کا وجود ممتنع بالغیر ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہے۔ جب کبریٰ میں ممتنع سے مراد ممتنع بالذات ہو تو کبریٰ کی صحت میں شک نہیں ہے لیکن حدِ اوسط مکرر نہ ہوئی اور (اصغر کا اکبر کے تحت) اندراج لازم نہ آیا۔ اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مثل کے واقع ہونے سے جو محال لازم آیا ہے وہ امتناع بالغیر کی وجہ سے ہے نہ کہ امکانِ ذاتی کی بنا پر۔

مخفی نہ رہے کہ یہ جواب ہمارے مقصد کے منافی نہیں ہے کیوں کہ ایسا ممکن بالذات جس کا واقع نہ ہونا نص قرآنی سے ثابت ہو اس کے وقوع کے ساتھ تین صفات کا تعلق برابر ہے: ۱۔ قدرت کا تعلق، ۲۔ ارادہ کا تعلق جس کا مطلب ہے دو مقدوروں میں سے ایک کو وقوع کے ساتھ خاص کرنا، ۳۔ خلق کا تعلق جس کا معنی ہے شے کا عدم سے فعلیت اور وجود کی طرف نکالنا۔

خلاصہ یہ کہ جس ممکن کے واقع نہ ہونے کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کا واقع ہونا ممتنع بالذات کی طرح قدرت سے خارج ہے اگر فرض کیا جائے کہ امتناع بالغیر بھی قدرت کے متعلق ہونے کے منافی نہیں ہے اور بہت سے افراد مظہر تجلیاتِ افضل المرسلین ﷺ کی ذات اقدس کے مماثل امکانِ ذاتی اور تصور عقل کے پیش نظر صرف اس اعتبار سے کہ وہ ممکن ذاتی ہیں، قطع نظر امورِ خارجہ اور موانع سے، اللہ ذوالجلال کی قدرت سے موجود ہو سکتے ہیں تو قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایسے ممکن اور متصور محض امور جن کے وقوع کو عقل محض ان کے امکانِ ذاتی مِنْ حَيْثُ هُوَ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جائز قرار دے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار، عوام کا لانعام کو حیران اور پریشان کرنے کے مترادف اور ان کے عقائد کمزور کر دینے کے برابر ہے۔ کیوں کہ تقویتِ الایمان کی عبارت میں جو مطلب بیان کیا گیا ہے اسے عوام ہرگز نہیں سمجھ سکتے، اسے صرف خواص ہی سمجھ سکتے ہیں جو امکانِ ذاتی، امتناع بالغیر اور مرتبہ ماہیت مِنْ حَيْثُ هِيَ اور مِنْ حَيْثُ الْخِلْط کے مطلب و مفہوم سے آگاہ ہوں گے وہ ضرور صاحبِ رسالہ (تقویتِ الایمان) کی مذکورہ عبارت کے مطلب تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔



صاحبِ تقویت الایمان نے اس عقیدے کو دین کے بڑے اصول میں سے قرار دیا ہے۔ عوام اس عقیدے کو ذہن نشین اور خالی ذہنوں میں نقش کرنے کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کی مثل ان گنت افراد انبیاء کے وجود کو دوسرے انسانی وجود کی طرح قابل وقوع ہی جانیں گے اس کے علاوہ ان کے لیے کسی دوسری ہدایت کی توقع نہیں ہو سکتی۔

اس صورت میں اگر کوئی شخص کسی عام آدمی کو یہ سمجھائے کہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کے جھوٹے ہونے کے عقیدے کو اس کے سچے ہونے کے عقیدے کے برابر جانو تو کیا حرج اور کیا نقصان ہوگا؟ کیوں کہ موضوع و محمول کی خصوصیت سے قطع نظر یہ قضیہ بھی بلاشبہ صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ قطع نظر اس بات سے کہ اس مثال سے حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی، گستاخی اور زبان درازی لازم آتی ہے اور اس کے سننے سے منکرین نبوت کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ رسالہ عوام کو سمجھانے کے لیے اردو میں لکھا گیا ہے (سوال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ شاملہ کے سمجھانے کے لیے یہی مثال رہ گئی تھی کہ حضرت محمد ﷺ کی مثل کروڑوں افراد کا وجود ممکن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مثال نہیں تھی؟

اے اللہ ہمیں حق کو حق ماننے اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل ماننے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔



دہلی کا تاریخی مناظرہ: تقویت الایمان میں صرف یہی ایک عبارت قابل اعتراض نہیں تھی جس پر علامہ نے گرفت کی بلکہ اس کی اور بہت سی عبارتیں علمائے وقت کے لیے تشویش کا باعث بن گئیں اور یہی تشویش بالآخر اس تاریخی مناظرے کا سبب بنی جس میں بقول مولانا آزاد ”ایک طرف مولانا اسماعیل اور مولانا عبدالحی تھے اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی“ (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: ص ۵۶) اور حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول ”جس میں ایک طرف شاہ اسماعیل کے اعوان و انصار تھے، دوسری طرف باقی علمائے حق پرست“ (فضل حق اور سنہ ستاون: ص ۱۰۴) جن میں اکثریت اسی خاندان ولی اللہی کے تلامذہ اور مستفیدین کی تھی، ان میں شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا مخصوص اللہ دہلوی (وفات ۱۲۷۱ھ) اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی (۱۲۵۹ھ) بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ یہ مناظرہ جامع مسجد دہلی میں ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء منعقد ہوا، اس مناظرے کی قدرے تفصیلی روداد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے سیف الجبار میں درج کر دی ہے (دیکھیے: ضمیمہ ۲، ص ۲۴۲) اس روداد سے پتہ چلتا ہے کہ مناظرے سے پہلے ایک استفتا مرتب کیا گیا تھا جس میں دیگر علما کے علاوہ علامہ فضل حق کے دستخط بھی تھے۔ ☆

رسالہ یک روزی: گزشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ علامہ کی ”تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان“ کے جواب میں بقول منشی جعفر تھانیسری ”مولانا شہید نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی و نقلی نہایت مدلل لکھا ہے“، اسی کا نام ”رسالہ یک روزی“ ہے، آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ تھانیسری اور آزاد دونوں حضرات کے بقول یہ رسالہ شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ”ایضاح الحق الصریح فی

☆ یہ استفتا فارسی میں چودہ سوالات پر مشتمل ہے، پھر اس کے جوابات ہیں، یہ جوابات غالباً مولانا رشید الدین خاں دہلوی کے ہیں، استفتا اور اس کے جوابات کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادر یہ میں موجود ہے، جو مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے قلم کا معلوم ہوتا ہے، آخر میں یہ عبارت درج ہے: ”نقل است از اصل کے براں مہر رشید الدین خاں صاحب، و مولوی مخصوص اللہ و مولوی موسیٰ و مولوی محمد شریف، و مولوی عبداللہ، و مولوی فضل حق و دستخط مولوی اخون شیر محمد ثبت است۔“۔ استفتا اور جوابات مع اردو ترجمہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے اپنی کتاب ”مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان“ میں شائع کیے ہیں، حضرت زید نے لکھا ہے کہ یہ استفتا مولانا رشید الدین خاں دہلوی نے کیا تھا اور اس کے جوابات شاہ اسماعیل دہلوی نے قلم بند کیے، مگر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، سیف الجبار میں درج روداد مناظرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی نے اس فتوے پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ ”میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں“۔ دیکھیے ضمیمہ ۲: صفحہ ۲۴۲

احکامِ ملیت والضرع“ کے ساتھ شائع ہو گیا تھا، یہی نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے ☆  
 رسالہ یک روزی میں شاہ صاحب نے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ  
 السلام کی نظیر ممکن ہے، اور تحت قدرت الہی ہے، اس کے لیے انہوں نے پہلے قرآن کریم سے  
 دلیلیں دی ہیں، اس کے بعد ایک عقلی دلیل نقل کی ہے، جس کو انہوں نے ”برہان عقلی“ سے تعبیر کیا  
 ہے، اس کے بعد علامہ کی مذکورہ تحریر سے کچھ عبارتیں نقل کر کے ان کا رد کیا ہے۔ علامہ نے ان  
 دلائل کا جواب اپنی کتاب تحقیق الفتویٰ میں دیا ہے، تحقیق الفتویٰ اگرچہ دستیاب ہے مگر رسالہ یک  
 روزی تقریباً نایاب ہے، اس لیے طوالت کے باوجود ہم یہاں ان میں سے کچھ مباحث نقل کریں  
 گے تاکہ محفوظ ہو جائیں، یہ مباحث ہم بلا تبصرہ نقل کر رہے ہیں۔

امکانِ نظیر پر پہلی نقلی دلیل: شاہ اسماعیل دہلوی نے امکانِ نظیر کے سلسلے میں پہلی دلیل یہ دی کہ (۱۱):

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسین میں ارشاد فرمایا کہ ”کیا وہ کہ جس نے آسمان  
 اور زمین بنائے اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور بنائے؟ کیوں نہیں اور وہی بڑا  
 پیدا کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی  
 چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ موجود ہو جاتی  
 ہے۔ (ترجمہ آیت) لہذا (”ان جیسے“ میں) ضمیر مذکر تمام بنی آدم کی طرف  
 راجع ہے، اس لیے کہ یہ آیت کریمہ قیامت کے بیان میں واقع ہوئی ہے،  
 لہذا جو بھی قیامت میں زندہ ہوگا وہ اس آیت کریمہ کے حکم میں داخل ہے،  
 اور یہ ظاہر ہے کہ افراد انسانی میں سے ہر فرد قیامت میں زندہ ہونے والا  
 ہے، پس اس کی مثل اس آیت کے مقتضا کے مطابق قدرت الہیہ کے تحت

---

☆ یہ میر محمد معظم علی کے زیر اہتمام مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا ہے، ابتدا سے صفحہ ۱۳۷ تک ایضاح الحق  
 ہے، ص ۱۳۸ سے ص ۱۵۰ کے آخر تک رسالہ یک روزی ہے، ص ۱۵۰ کی آخری تین سطروں سے ص ۱۵۸ کے آخر تک  
 مفتی صدر الدین آزادہ کی وہ تحریر ہے جس کا ذکر مولانا آزاد نے کیا ہے، ص ۱۵۸ کی آخری سطر سے ص ۱۶۳ کے ربع تک  
 مسئلہ امتناعِ نظیر پر ایک تحریر اور ہے جس پر مصنف کے نام کا اندراج نہیں ہے، اور نہ ہی تاریخ موجود ہے، صاحبِ تحریر سے  
 کسی نے مسئلہ امتناعِ نظیر پر سوال کیا ہے، انہوں نے اس کا تفصیلی جواب دیا ہے، یہ تحریر شاہ اسماعیل دہلوی کے موقف کی  
 حمایت میں ہے، ص ۱۶۳ کے ربع سے اس صفحے کے آخر تک خاتمہ کے عنوان سے مہتمم مطبع فاروقی میر محمد معظم کی تحریر ہے۔

داخل ہے، اب گویا اس دلیل کی ترتیب یوں ہوگی کہ نبی ﷺ قیامت میں زندہ ہوں گے اور یہ بات ضروریات دین میں سے ہے، اور جو بھی قیامت میں زندہ ہوگا پس اس کے مثل کا وجود مذکورہ آیت کریمہ کے مقتضا کے مطابق تحت قدرت الہی ہے، لہذا وجود مثل نبی تحت قدرت الہی ہے، اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ (رسالہ یک روزی، مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۸)

**پہلی نقلی دلیل کا رد:** اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے علامہ تحقیق الفتویٰ میں فرماتے ہیں:

”یہ عجیب استدلال ہے جو اگلے پچھلے تمام دلائل کی وقعت خاک میں ملا رہا ہے، یہ اس آیت قرآنیہ کی تفسیر نہیں، البتہ اس قائل کی تفسیر دانی کی علامت ضرور ہے۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مَعَ كِبَرِ جُرْمِهَا وَعَظَمِ  
شَانِهَا بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ فِي الصَّغَرِ وَالْحِقَارَةِ بِالْإِضَافَةِ  
إِلَيْهِمَا أَوْ مِثْلَهُمْ فِي أَصُولِ الذَّاتِ وَصِفَاتِهَا (انتہی)

ترجمہ: جس ذات کریمہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، باوجود ان کے جسم کی بڑائی اور شان کی عظمت کے، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے افراد پیدا کر دے، جو زمین و آسمان کی نسبت بہت ہی چھوٹے ہوں یا اصولِ ذات اور صفاتِ ذات میں ان جیسے ہوں۔

کافراور حشر جسمانی کے منکر کہتے تھے: مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ۔ ترجمہ: بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

یہ آیت کریمہ حشر جسمانی کے ان منکروں کا استبعاد دفع کرنے کے لیے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے عظیم الشان اور بڑے بڑے جسموں والے زمین و آسمان کو پیدا کیا، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے چھوٹے قد والے معمولی امثال کو پیدا کر دے یا ذات کے اصول و صفات میں ان کے مثل پیدا فرما دے؟ ہاں وہ اس پر قادر ہے، وہ پیدا کرنے والا جاننے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے، فرماتا ہے ہو جا، تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔

لہذا اس آیت کا مدلول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابدان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور منکروں

کے استبعاد کو دفع کرنا مقصود ہے اور اس جگہ مثل سے مراد وہ ہے جو اجزائے بدنہ اور بدن سے تعلق رکھنے والی صفات میں مماثل ہو یا کوتاہ قامت اور معمولی ہونے میں مثل ہو نہ کہ تمام کمالات میں مماثل ہو کیوں کہ حشر جسمانی اور اعادۂ ابدان سے تمام کمالات میں مماثل کا ذکر کسی طرح تعلق اور مناسبت نہیں رکھتا، پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے بدنہ اور ان سے تعلق رکھنے والے امور یا حجم اور مقدار میں ہر فرد انسانی کا مثل قدرت الہی کے تحت داخل ہے، ایسے مقامات میں لفظ مثل سے تمام کمالات میں مساوی کا سمجھنا علما کی شان سے بعید ہے۔ آیت قرآنی کی یہ تفسیر (جو قائل مذکور نے کی ہے) بیان و معانی کے اس عالم یگانہ کی تفسیر دانی کی دلیل ہے تمام کمالات میں حضور سید العالمین ﷺ کے مساوی کے ممکن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

مقام تعجب ہے کہ اس قائل نے اس آیت میں واقع لفظ مثل سے تمام کمالات میں مساوی سمجھ کر دلیل قائم کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے، آسان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: قُلْ اِنَّمَا اَنَابَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے استدلال کرتا، یہ آیت حضور ﷺ کے امثال کے امکان کیا بلکہ وقوع پر دلالت کرتی ہے اور لفظ مثل اس آیت میں بھی واقع ہے اور لفظ مثل کا معنی متبادر اس قائل کے ذہن میں وہی ہے جس کے ثابت کرنے کے وہ درپے ہے، کج فہمی اور بد اعتقادی سے خدا کی پناہ اور اسی سے ہدایت اور راستی کی توفیق ہے، (تحقیق الفتویٰ: ص ۱۷۱ تا ۱۷۳)

امکان نظیر پر دوسری نقلی دلیل: شاہ صاحب نے ایک دلیل یہ دی کہ: (۱۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں احیائے ارض اور انزالِ مطر سے قیامت میں مردوں کو زندہ کرنے پر استدلال فرمایا ہے، ان میں سے ایک آیت یہ ہے کہ ”وہ اللہ جس نے آسمان سے ایک مقدار میں پانی اتارا تو ہم نے اس پانی کے ذریعے ایک مردہ شہر (خشک زمین) زندہ (تروتازہ) فرما دیا اسی طرح تم بھی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے“، اور حضرت آدم کے بغیر باپ کے پیدا کرنے سے حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کے پیدا کیے جانے کے امکان پر استدلال فرمایا ہے، ارشاد فرمایا ”بے شک عیسیٰ کی مثل اللہ کے نزدیک ایسی ہی ہے جیسے آدم، ان کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اس سے کہا کہ ہو جاؤ تو وہ ہو گئے“،

بالجملہ اس قسم کا استدلال قرآن کریم میں شائع و متعارف ہے، لہذا اس تقدیر پر اللہ کی قدرت کی طرف نظر کرتے ہوئے آپ ﷺ کا وجود ہی وجودِ مثل کے امکان کی دلیل ہے، گویا اس تقدیر پر دلیل کی ترتیب کچھ یوں ہوئی کہ اگر نبی ﷺ کا وجود قدرت الہیہ کے تحت داخل ہے، تو آپ کی مثل کا وجود بھی قدرت مذکورہ کے تحت داخل ہوگا، (اور چونکہ آپ کا وجود قدرت الہیہ کے تحت داخل ہے) لہذا آپ کی مثل کا وجود بھی قدرت مذکورہ کے تحت داخل ہوگا، اس لیے کہ قرآن کے منطوق کے مطابق تحت قدرت ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں دو مثلوں کا حکم ایک ہی ہے۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص

(۱۳۹)

دوسری نقلی دلیل کا رد: اس دلیل کا جواب علامہ نے یہ دیا کہ ”یہ شبہ بھی وہم سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ اوصافِ دو قسم کے ہیں: (۱) جن کا اشتراک دو چیزوں کے درمیان ممکن ہو اور وہ اشتراک سے مانع نہ ہو، مثلاً باپ کے بغیر پیدا ہونا کہ دو فردوں میں مشترک ہونے سے مانع نہیں ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا اس وصف سے موصوف ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس وصف سے موصوف ہونے کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ بغیر باپ کے ایک شخص کے پیدا ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے شخص کا اتصاف اس وصف سے منافی ہو جائے، اسی طرح زمین کے قابل زندگی ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مردوں کا اس سے اتصاف منافی ہو جائے۔

(۲) دوسرے وہ جن کا اشتراک دو چیزوں میں ممکن نہ ہو مثلاً تمام انبیاء کا خاتم ہونا کہ ایک شخص کا اس صفت سے متصف ہونا اس بات کو متلزم ہے کہ دوسرا فرد اس سے متصف نہ ہو (یعنی ایک شخص خاتم الانبیاء ہو تو دوسرا خاتم الانبیاء نہیں رہے گا)۔

پس اگر کوئی چیز ایک وصف سے موصوف ہو اور وہ وصف قسم اول سے ہو تو اس چیز کا وجود اس کے مثل کے ممکن ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے اور یہی قرآن پاک کا مطلب ہے اور اگر وہ وصف قسم ثانی سے ہو تو اس کے موصوف کا وجود، اس وصف میں مماثل کے وجود کے ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس شخص کا اس وصف سے موصوف ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس وصف میں اس کا

شریک ممتنع الوجود ہے ورنہ وہ وصف ممکن الاشتراک ہو جائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے۔

حضور ﷺ کے موجود ہوتے ہوئے تمام کمالات میں آپ کے برابر کے ممکن ہونے پر اس قائل کا استدلال اس صورت میں قابل توجہ ہو سکتا تھا کہ یہ قائل پہلے ثابت کرتا کہ حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے تمام اوصاف کاملہ قسم اول سے ہیں اور ممکن الاشتراک ہیں اور یہی اس مسئلہ کی بنیاد ہے، (تحقیق الفتویٰ: ص ۱۷۴/۱۷۵)

امکان نظیر کی عقلی دلیل: یک روزی میں شاہ صاحب نے مذکورہ نقلی دلائل کے علاوہ ایک عقلی دلیل بھی دی ہے، لکھتے ہیں: (۱۳)

ترجمہ: رہا برہان عقلی تو اس کا بیان یہ ہے کہ مثل مذکور کا وجود ممتنع بالغیر ہے، اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے، اور ہر ممکن بالذات قدرت الہیہ کے تحت داخل ہے پس وجود مثل مذکور قدرت الہیہ کے تحت داخل ہے، اور یہی مطلوب ہے۔ رہا مقدمہ اولیٰ تو اس کا بیان یہ ہے کہ مثل مذکور نفس الامر میں معدوم ہے، اور ہر معدوم یا تو ممتنع بالذات ہوگا یا ممتنع بالغیر، پس مثل مذکور یا تو ممتنع بالذات ہوگی یا ممتنع بالغیر، لیکن مثل مذکور ممتنع بالذات نہیں ہے، لہذا ممتنع بالغیر ہے، قیاس اول کا صغریٰ و کبریٰ دلیل کا محتاج نہیں اور رہا قیاس ثانی میں قضیہ استثنائیہ تو اس کا بیان یہ ہے کہ مثل مذکور سے مراد وہ فرد ہے جو ماہیت اور اوصاف کاملہ میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہو، پس امتناع بالذات یا تو اس لیے ہوگا کہ ماہیت انسانی میں مشارکت ممتنع ہے، یا اس لیے ہوگا کہ نفس ذات پر نظر کرتے ہوئے اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا محال ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی ماہیت انسان ہے، اور ماہیت انسانیہ میں ہزاروں ہزار افراد کا شریک ہونا محال نہیں ہے، اور نفس ماہیت پر نظر کرتے ہوئے اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا بھی محال نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ خود حضور کا اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا محال ہو، کیوں کہ نفس ماہیت کے اعتبار سے جو چیز

ثابت ہو یا منفی ہو اس میں دو مثلوں کا حکم ایک ہوتا ہے، ورنہ ماہیت میں عدم اشتراک لازم آئے گا، (اور اگر ایسا ہوا تو) ان دونوں کا مماثل نہ ہونا لازم آئے گا، اور یہ خلاف مفروض ہے، لہذا مثل مذکور ممتنع بالذات نہیں ہوگی۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۹)

**عقلی دلیل کا رد:** شاہ اسماعیل دہلوی کی اس عقلی دلیل کے جواب میں علامہ فرماتے ہیں:

”یہ دلیل جو شبہ کہلانے کی مستحق ہے، وہم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کیوں کہ یہ تو مسلم ہے کہ چوں کہ ماہیت میں شرکت ممتنع نہیں، اس لیے اس مماثل کا وجود بھی ممتنع نہیں ہے لیکن یہ مسلم نہیں ہے کہ نفس ذات کے اعتبار سے اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا ممتنع نہیں ہے، اس لیے اس مماثل کا وجود بھی ممتنع نہیں ہے کیوں کہ ماہیت ایک فرد کے ضمن میں جن اوصاف سے موصوف ہو یا اس کا موصوف ہونا ممکن ہو، ضروری نہیں کہ انہی اوصاف کے ساتھ ماہیت کا دوسرے افراد کے ضمن میں متصف ہونا بھی ممکن ہو، مثلاً ماہیت انسانیہ نفس ذات کے اعتبار سے زید کے تشخص (وہ امور جو اسے دوسرے افراد سے ممتاز کریں) سے موصوف ہو سکتی ہے، لیکن زید کے ضمن میں حالانکہ ماہیت انسانیہ کا اپنی ذات کے اعتبار سے عمرو کے ضمن میں زید کے تشخص سے موصوف ہونا ممکن نہیں ہے ورنہ زید کا تشخص، تشخص نہ رہے گا بلکہ بہت سے افراد میں قابل اشتراک بن جائے گا (اور یہ اس کے تشخص ہونے کے منافی ہے) دیکھیے ماہیت انسانیہ کا عمرو کے ضمن میں زید کے تشخص سے متصف ہونا ممتنع بالذات ہے اور زید کے ضمن میں ممکن بالذات ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید اور عمرو ماہیت انسانیہ میں شریک ہی نہ ہوں، یہ قاعدہ کہ جو چیز نفس ماہیت کے لحاظ سے ثابت کی جائے یا جس چیز کی نفی کی جائے اس میں دو مثلوں کا ایک حکم ہوتا ہے مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ماہیت میں شرکت نہیں رہے گی اور مماثلت باقی نہیں رہے گی، جیسا کہ ہم اس کی مثال پیش کر چکے ہیں“ (تحقیق الفتویٰ: ص ۱۶۸/۱۶۹)

**توہین رسالت کا قضیہ:** علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد توہین رسالت تھی، علامہ کا کہنا تھا کہ تقویت الایمان کی زیر بحث عبارت انبیاء و مرسلین کی اہانت و تخفیف پر مشتمل ہے، جب کہ شاہ اسماعیل کو اس پر اصرار تھا کہ اس قسم کی عبارتوں سے توہین نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ



کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے، اس پورے معاملہ میں یہ بحث چوں کہ خاص اہمیت کی حامل ہے اس لیے اس کی قدرے تفصیل یہاں درج کی جاتی ہے۔

تقویت الایمان کی جو عبارت زیر بحث تھی اس کا سیاق و سباق یہ تھا کہ شاہ صاحب شفاعت کا بیان کر رہے تھے، اسی ضمن میں اللہ کی قدرت عامہ و شاملہ کے بیان کے لیے انہوں نے لکھا تھا کہ ”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ.....“ اس پر علامہ نے اپنی اولین تحریر میں گرفت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر فرض کیا جائے کہ امتناع بالغیر بھی قدرت کے متعلق ہونے کے منافی نہیں ہے اور بہت سے افراد مظہر تجلیات افضل المرسلین ﷺ کی ذات اقدس کے مماثل امکانِ ذاتی اور تصور عقل کے پیش نظر صرف اس اعتبار سے کہ وہ ممکن ذاتی ہیں، قطع نظر امورِ خارجہ اور موانع سے اللہ ذوالجلال کی قدرت سے موجود ہو سکتے ہیں تو قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے ممکن اور متصور محض امور جن کے وقوع کو عقل محض ان کے امکانِ ذاتی مِنْ حَيْثُ هُوَ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جائز قرار دے ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار عوام کا لانا عام کو حیران اور پریشان کرنے کے مترادف اور ان کے عقائد کمزور کر دینے کے برابر ہے۔ تقویت الایمان کی عبارت میں جو مطلب بیان کیا گیا ہے اسے عوام ہرگز نہیں سمجھ سکتے، اسے صرف خواص ہی سمجھ سکتے ہیں جو امکانِ ذاتی، امتناع بالغیر اور مرتبہ ماہیت مِنْ حَيْثُ هِيَ اور مِنْ حَيْثُ الْخِلْط کے مطلب و مفہوم سے آگاہ ہوں گے وہ ضرور صاحب رسالہ (تقویت الایمان) کی مذکورہ عبارت کے مطلب تک رسائی حاصل کر سکیں گے صاحب تقویت الایمان نے اس عقیدے کو دین کے بڑے اصول میں سے قرار دیا ہے، عوام اس عقیدے کو ذہن نشین اور خالی ذہنوں میں نقش کرنے کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کی مثل ان گنت افراد انبیاء کے وجود کو دوسرے انسانی وجود کی طرح قابل وقوع ہی جانیں گے اس کے علاوہ ان کے لیے کسی دوسری ہدایت کی توقع

نہیں ہو سکتی۔

مزید فرماتے ہیں:

مقام حیرت ہے کہ قطع نظر اس بات سے کہ اس مثال سے حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی، گستاخی اور زبان درازی لازم آتی ہے اور اس کے سننے سے منکرین نبوت کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ رسالہ عوام کو سمجھانے کے لیے اردو میں لکھا گیا (سوال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ شاملہ کے سمجھانے کے لیے یہی مثال رہ گئی تھی کہ حضرت محمد ﷺ کی مثل کروڑوں افراد کا وجود ممکن ہے، اس کے علاوہ کوئی مثال نہیں تھی؟

اس بات کو شاہ اسماعیل دہلوی نے دو طرح رد کرنے کی کوشش کی، ایک بطریق نقض اور دوسرے بطریق حل، بطریق نقض رد کرتے ہوئے انہوں نے پہلے قرآن کریم کی چند آیات نقل کیں جن کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرما رہا ہے کہ ”اگر (بالفرض) تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ساقط ہو جائیں گے“، ایک جگہ فرمایا کہ ”اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی اسے لے جاتے“ وغیرہ، پھر دلیل نقض کو ترتیب دے کر شاہ اسماعیل نے یک روزی میں لکھا: (۱۴)

ترجمہ: دلیل نقض اس طور پر ہوگی کہ آنجناب ﷺ کے کمالات کا سلب ہونا قدرت الہیہ کے تحت داخل ہے، اور اس کا اظہار حضور ﷺ کی نسبت اساءت ادب اور عوام کو گمراہ کرنا ہے، اور جو چیز اس طرح کی ہو وہ از روئے شرع ممنوع ہے، پس مذکورہ آیات کی تلاوت اور ان کے معانی کا بیان کرنا از روئے شرع ممنوع ہوگا۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۷)

پھر اپنے اس نقض کو ایک دوسری دلیل سے ثابت کرتے ہوئے آگے لکھا کہ مرتبہ بشریت میں فساق و کفار سے حضور ﷺ کی مماثلت کا اظہار آپ کی نظیر کے امکان کے اظہار کے مقابلے میں زیادہ فنیج ہے، اس لیے کہ سکندر کی نظیر کا وجود سکندر کی نسبت اس کی اساءت ادب نہیں ہے، ہاں یہ کہنا کہ سکندر اپنی رعایا کے عام آدمی کی مثل ہے یہ اس کا اساءت ادب ضرور ہے، اس

تمہید کے بعد کہتے ہیں: (۱۵)

ترجمہ: یہ دلیل اس طور پر مرتب ہوگی کہ بنی آدم کے کسی فرد کے ساتھ آنجناب ﷺ کی مماثلت کا اظہار اساءت ادب اور عوام کو گمراہ کرنا ہے، پس یہ شرعاً ممنوع ہوگا، حالانکہ قل انما بشر مثلكم (میں ظاہری شکل و صورت میں تمہاری طرح ہوں) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے، پس وہ آیات جو ایسے کلمات پر مشتمل ہوں ان کی تلاوت اور ان کے معانی کا بیان شرعاً ممنوع ہوگا (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۸)

پھر خود ہی اس نقض کا حل پیش کیا ہے اور علامہ کی دلیل کا رد کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وزیر کو بادشاہ کا نوکر کہنا یا باپ کو دادا کا بیٹا کہنا یا استاذ کو اس کے استاذ کا شاگرد کہنا کوئی بے ادبی نہیں ہے، ہاں البتہ وزیر کو اپنی ہی طرح کا نوکر کہنا یا باپ کو چچا کا بیٹا کہنا یا استاذ کو ہم سبق شاگرد کہنا ضرور بے ادبی ہے، اس تمہید کے بعد لکھتے ہیں: (۱۶)

ترجمہ: پس ہم تسلیم نہیں کرتے کہ آپ ﷺ کی نظیر کے قدرت الہیہ کے تحت داخل ہونے کا اظہار کرنا آپ کی بہ نسبت اساءت ادب اور عوام کو گمراہ کرنا ہے، اس لیے کہ یہ اظہار اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کی تنقیص ہے، کیوں کہ شریک باری ممتنع بالذات ہے اور شریک آنجناب ﷺ ممتنع بالغیر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی تنقیص نہ آپ کی اساءت ادب ہے نہ عوام کو گمراہ کرنا، بلکہ اس میں تو آنجناب ﷺ کی عبودیت کا اظہار ہے، جو دین کے اہم مقاصد میں سے ایک ہے۔ (مرجع سابق، نفس صفحہ)

یہ معاملہ چونکہ بہت اہم تھا اس لیے علامہ نے اس پر بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے، اور اس کے رد کے لیے کتاب کے چار مقامات (باب) میں سے ایک مقام (باب) خاص کیا ہے، پہلے آپ نے ایک تمہید باندھی ہے، اس کے بعد اس عبارت کے توہین و تحفیف پر مشتمل ہونے کو چودہ وجوہ سے ثابت کیا، تحقیق الفتویٰ کا یہ حصہ قابل مطالعہ ہے، تمہید میں علامہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس

کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

کسی کلام کا کسی کی توہین و تنقیص پر مشتمل ہونا اس کے صادق یا کاذب ہونے سے متعلق نہیں ہے، بسا اوقات کلام صادق تحقیر پر اور کلام کاذب تعظیم و توقیر پر مشتمل ہوتا ہے، اسی طرح کلام کا کسی کی توہین و تنقیص پر دلالت کرنا اس سے متعلق نہیں ہے کہ کلام سے مضمون کے واقع ہونے پر صراحتاً یا اشارتاً دلالت کا پتہ چلے، بلکہ ایک عبارت مقتضائے حال کے مطابق کبھی تعظیم پر دلالت کرتی ہے اور کبھی تحقیر و تذلیل پر، مثلاً جب کہا جائے کہ فلاں ایک انسان ہے، مگر مقتضائے حال کے مطابق کلام کا سیاق و سباق تعظیم و توقیر کے مناسب ہو تو یہ کلام کمال تعظیم و تکریم پر دلالت کرے گا، اور اس معنی پر دلالت کرے گا کہ فلاں شخص نوع انسان میں یگانہ زمانہ اور اپنے امثال میں منفرد ہے، اور اگر حالی یا لفظی قرینہ اس شخص کی اہانت کا مقتضی ہو تو یہی کلام اس شخص کی تنقیص شان پر دلالت کرے گا، اس کلام کا یہ مقصد ہوگا کہ فلاں شخص عام سا انسان ہے، جس کو کوئی وقعت نہیں۔ (تحقیق الفتویٰ: ص ۱۷۷)

آگے فرماتے ہیں:

”جس طرح مقتضائے حال کے اعتبار سے توہین یا تعظیم پر دلالت کرنے میں کلام مختلف ہوتا ہے اسی طرح حال قائل کے مختلف ہونے سے کلام اس دلالت میں اختلاف پذیر ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی بلند مرتبہ سردار کہے کہ ”میں ناچیز انسان ہوں“ اس کی زبان سے یہ کلام کم مایہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کا یہ کلام کمال تواضع پر دلالت کرتا ہے جو قابل تعریف و توصیف ہے، اور اگر کوئی کمینہ ایسے سردار کے بارے میں کہے کہ وہ ناچیز انسان ہے، یہ گراں کلمہ اس رذیل کی زبان سے اس معزز سردار کے لیے انتہائی تحقیر اور تذلیل ہے، اسی طرح اگر بادشاہ اپنے دربار کے انتہائی مقرب اور مکرم وزیر اعظم کو اپنی قدرت اور سلطنت کے اظہار کے لیے کہے کہ اگر میں

چاہوں تو تم سے وزارت چھین لوں، رعایا کے کسی معمولی آدمی کو تمہارے منصب پر فائز کر دوں اور تمہیں جیل بھیج دوں یا تمہیں تختہ دار پر لٹکا دوں، بادشاہ کی زبان سے یہ کلام وزیر کی شان کی تخفیف نہیں ہے، اور اگر کوئی معمولی سا سپاہی کہے کہ اگر بادشاہ چاہے تو تم سے وزارت چھین لے، رعایا کے کسی معمولی انسان کو تمہارے مقام پر فائز کر دے اور تمہیں جیل بھیج دے یا پھانسی چڑھا دے، اس کلام میں قابل تکریم وزیر کی انتہائی تذلیل ہے، اور اس کا مرتکب بادشاہ کی عادلانہ رائے میں وزیر کی توہین کے نتیجے میں سخت سزا کا مستحق ہوگا، کیونکہ اس عام سے سپاہی کا یہ مقام نہیں ہے کہ لائق تعظیم بلند مرتبہ وزیر کے بارے میں ایسا کلام زبان پر لاتا، بلکہ اس کی یہ حیثیت بھی نہیں ہے کہ تعظیمی کلمات ملائے بغیر وزیر کا نام لے۔ (تحقیق الفتویٰ: ۱۷۸)

پھر قرآن کریم سے مثالیں دے کر اس بات کی مزید توضیح فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ:

”مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد قل انما انا بشر مثلکم (ترجمہ: اے حبیب آپ کہہ دیں کہ میں ظاہراً تمہاری طرح انسان ہوں) حضور ﷺ کی تخفیف شان پر مشتمل نہیں ہے، انبیاء و مرسلین کی دعوت کے جواب میں زمانہ ماضی کے کافروں کا یہ کہنا ما انتم الا بشر مثلنا (ترجمہ: تم نہیں ہو مگر ہم جیسے انسان) بلاشبہ ان حضرات علیہم السلام کی تنقیص شان پر مشتمل ہے۔

پس اگر آیات قرآنیہ جو اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کی ترجمان ہیں ایسے امور پر قدرت الہیہ کے شامل ہونے پر دلالت کرتی ہیں جن کا عدم وقوع نبی اکرم ﷺ کی شان میں اسباب خارجیہ پر نظر کرتے ہوئے قطعی اور یقینی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد لئن اشرکتتم لیحبطن عملکم (ترجمہ: اگر (بالفرض) تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ساقط ہو جائیں گے) اور ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک (ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی اسے لے جاتے) اور ولو ان ثبتنک لقد کدت ترکن الیہم شیئاً قليلاً اذ لا ذقنک ضعف الحیاة وضعف السمات (ترجمہ: اور اگر ہم تمہیں ثابت قدمی نہ دیتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو دوئی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے)

یہ آیات نبی اکرم ﷺ کی تخفیف و تنقیص پر دلالت نہیں کرتیں، مگر کسی امتی کا یہ مقام نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ایسے کلمات کہے جو ان آیات کریمہ کا مفہوم ادا کرتے ہیں کیوں کہ مخلوق کی زبان سے ایسے کلمات اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی تنقیص شان پر مشتمل ہیں۔ جب یہ معلوم ہو چکا کہ متکلم کے مختلف ہونے سے تنقیص پر دلالت کرنے یا نہ کرنے میں کلام کا حال مختلف ہوتا ہے، تو کسی شخص کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ اگر حضور سید المرسلین ﷺ کی شان میں ایسے کلمات کا زبان پر لانا تخفیف اور تنقیص پر مشتمل ہو تو ایسے کلمات پر مشتمل آیات قرآنیہ کی تلاوت اور ان کی تفسیر شرعاً ناجائز ہوگی (یہ گمان اس لیے غلط ہے کہ تلاوت اور تفسیر اللہ تعالیٰ کے کلام کی ہے، بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا) ہاں یہ پروپگنڈہ کرنے کے لیے اس قسم کی آیات کو جمع کرنا کہ ”سید کائنات ﷺ کی شان میں اس قسم کے کلمات قرآن میں واقع ہیں“ تاکہ جہلا اور عوام ان آیات کو دلیل بنا کر حضور سرور موجودات ﷺ کی شان میں ایسے کلمات کے استعمال کا جواز معلوم کریں اور آیات کی بنیاد پر حضور ﷺ کی تخفیف شان میں بے باک ہو جائیں اور اس بے ادبی کی بدولت تباہی اور ہلاکت کے مستحق ٹھہریں، حضور اشرف الاشراف ﷺ کی شان میں انتہائی بے ادبی پر مشتمل ہے، اور عوام اور جہلا کی زبانوں پر امر فحیح کی اشاعت ہے۔“ (تحقیق الفتویٰ: ۱۸۰/۱۷۹)

شاہ اسماعیل نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ اس عبارت میں حضور ﷺ کی تنقیص اللہ کی بہ نسبت ہے، اور ایسی تنقیص میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ تو حضور ﷺ کی عبودیت کا اظہار ہے۔ اس کے جواب میں علامہ فرماتے ہیں:

”معلوم نہیں کہ اس توجیہ کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان سے ان حضرات کا کم ہونا ان کلمات (تقویت الایمان کی عبارت) کا مدلول ہے، یہ واضح غلط فہمی ہے، کیوں کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور پایہ ثبوت تک پہنچا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جو مراتب عطا فرمائے ہیں ان کلمات سے ان مراتب سے کمی دکھائی گئی ہے، اور اس کی قباحت کسی ایماندار پر مخفی نہیں، بایں ہمہ حضرات مدوحین کی شان کا شان الہی سے کم ہونا کلام کے روش پر منطبق نہیں، اس کا مقصد یہ تھا کہ شفاعت گنہ گاروں کی نجات کا سبب نہیں ہے، جو لوگ عقیدہ

رکھتے ہیں کہ ان حضرات کی شفاعت نجات کا سبب ہوگی وہ بھی ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے بندے ہی مانتے ہیں، معلوم ہوا کہ شان الہی سے ان حضرات کی شان کی کمی کا بیان کرنا اس قائل کے مقصد کے بیان میں کچھ دخل نہیں رکھتا۔

انصاف شرط ہے کلام الہی احادیث طیبہ، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، علمائے دین اور عرفائے عابدین کے اقوال شان الہی کی تعظیم و تکریم سے پُر اور حد شمار سے باہر ہیں، کسی بیان میں کسی وقت کسی جگہ کسی ایماندار سے ایسے کلمات صادر نہیں ہوئے، جیسے کہ اس قائل سے دلی عقیدے کی بنا پر بے تابانہ سرزد ہوئے ہیں، کیا وہ تمام حضرات تعظیم شان الہی میں تقصیر کے روادار تھے کہ انہوں نے ایسے کلمات پر جسارت نہ کی ورنہ ایسا سراپا تنقیص کلام زبان پر نہ لائے۔ (تحقیق الفتویٰ: ص ۲۰۰/۱۹۹)

**مسئلہ امکان کذب:** مسئلہ امتناع نظیر کے لطن سے ”امکان کذب باری“ کا مسئلہ پیدا ہوا، حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول:

اپنے قول کی صحت پر بہر حال اصرار کیے جانے کا ایک اور افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ صاحب اور ان کے اتباع امکان کذب باری تعالیٰ کے قول تک آگئے (سفر اور تلاش: ص ۶۱)

یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ علامہ نے امتناع نظیر کی دلیل دیتے ہوئے لکھا تھا:

وجود مثل کو ممکن ماننا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کو جائز قرار دینا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال ہے کیوں کہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔ (ترجمہ تقریر اعتراضات)

اس کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے رسالہ یک روزی میں لکھا: (۱۷)

ترجمہ: ان کا قول کہ ”یہ محال ہے کیوں کہ یہ نقص ہے اور نقص اللہ کے لیے محال ہے“، میں کہتا ہوں کہ اگر اس محال سے مراد ممتنع لذاتہ ہے جو قدرت الہیہ کے تحت داخل ہی نہیں ہے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مذکورہ کذب اس معنی میں محال ہے، کیوں کہ ایک ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کو

ملائکہ اور انبیاء پر القا کرنا قدرت الہیہ سے خارج نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا قدرت انسانی قدرت ربانی پر زائد ہو جائے، کیونکہ ایک ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کو مخاطبین پر پیش کرنا اکثر افراد انسانی کی قدرت میں ہے، ہاں مذکورہ کذب چونکہ اللہ کی حکمت کے منافی ہے اس لیے ممتنع بالغیر ہے۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۵)

گویا شاہ صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن بالذات ہے، مگر حکمت کی بنیاد پر اس سے کذب کا ارتکاب نہیں ہوتا اس لیے ممتنع بالغیر ہوا۔  
تحقیق الفتویٰ میں علامہ نے اس دلیل کا جواب یہ دیا ہے:

یہ کیا عقیدہ ہے جو اس قائل کی زبان سے صادر ہو رہا ہے اور کیا گمراہانہ کلام ہے، جو اس کے قلم کی نوک سے بے باکانہ ٹپک رہا ہے۔ یہ قائل مانتا ہے کہ جھوٹ نقص اور عیب ہے، اس کے باوجود کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے متصف ہونا ممکن ہے لہذا یہ صریح اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ناقص اور عیب دار ہونا ممکن ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اب یہ شکایت ختم ہو جاتی ہے کہ اس نے بد طینتی کی بنا پر حضور سید کائنات اور دیگر حضرات انبیاء و ملائکہ و اولیاء کے بارے میں تنقیص اور توہین آمیز کمالات کہے ہیں کیوں کہ اس کا عقیدہ خالق کائنات کے بارے میں یہ ہے (کہ اس کا جھوٹ اور نقص و عیب سے متصف ہونا ممکن ہے) تو مخلوقات کے بارے میں کیا کچھ نہ کہے گا۔

اس کا یہ استدلال کہ ”ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا ملائکہ و انبیاء پر القا کرنا، قدرت الہیہ سے خارج نہیں ہے“، باعث تعجب ہے کیوں کہ ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا مخاطب پر القا کرنا مطلقاً جھوٹ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اکثر مقامات پر مخلوق سے حکایت کرتے ہوئے قضا یا کاذبہ ذکر فرمائے ہیں، قائل کے کذب کا معنی یہ ہے کہ وہ مخالف واقع قضیہ سے خبر دے اور یہ صفت عیب اور نقص ہے اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا عیب اور نقص سے موصوف ہونا ممکن ہے، اہل ایمان کی شان سے بعید ہے، ایسا کلام زبان پر لانا اور اس کا سننا مسلمانوں کی سماعت پر بہت گراں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ باتیں اس شخص کو کہی جاسکتی ہیں جس کا



ایمان سے کچھ تعلق نہ ہو۔

اس کا یہ کہنا کہ ”ورنہ لازم آئے گا کہ قدرت انسانی قدرت الہیہ سے زیادہ ہو“، تعجب بالائے تعجب کا سبب ہے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں میں قائل کی دقیقہ رسی اور زیر کی کی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔ سبحان اللہ و تعالیٰ عما یصفون ظاہر ہے کہ بدترین فواحش اور شنیع قبائح، جن سے اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا عقلی، نقلی طور پر بدیہی اور شرعی طور پر ممنوع ذاتی اور محال عقلی ہے۔ قدرت انسانیہ کے تحت داخل اور قدرت الہیہ کے تحت داخل نہیں ہیں، اس قائل کے زعم پر لازم آئے گا کہ قدرت انسانی، قدرت ربانی سے زائد ہو، العیاذ باللہ!

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ عیوب و نقائص سے اتصاف اور قبائح و فواحش کے ارتکاب کی قدرت خود عیب اور نقص ہے، اللہ تعالیٰ تمام نقائص، عیوب، قبائح اور فواحش سے پاک ہے، جو قدرت اللہ تعالیٰ کے اوصاف کاملہ میں سے ہے، وہ تمام ممکنات کے ایجاد کی قدرت ہے، گویا مطلق قدرت دو قسم ہے، ایک قدرت کاملہ جو اللہ تعالیٰ کے اوصاف مختصہ سے ہے، دوسری قدرت ناقصہ جو صفات مخلوق سے ہے۔ دوسری قدرت پہلی قدرت سے بمراتب غیر متناہیہ ناقص ہے، پس انسان میں دوسری قدرت کے موجود ہونے اور ذات باری تعالیٰ میں اس کے ممکن نہ ہونے سے قدرت انسانی کا قدرت ربانی پر زائد ہونا لازم نہیں آتا، شاید زیادتی کا معنی ”خیال شریف“ میں نہ آیا ہوگا۔

ایک شے کا دوسری شے پر زائد ہونا یہ ہے کہ پہلی شے دوسری شے پر مشتمل ہو اور اس کے ماسوا پر بھی، اسے چاہیے تھا کہ پہلے ثابت کرتا کہ قدرت انسانی قدرت ربانی پر مشتمل ہے، پھر بیان کرتا کہ قدرت انسانی قدرت ربانی کے ماسوا پر بھی مشتمل ہے، تب یہ کہہ سکتا تھا کہ قدرت انسانی کا قدرت ربانی پر زائد ہونا لازم آتا ہے، سبحان اللہ! اس مبلغ علم اور اتنی سمجھ کے ساتھ کیا ضروری ہے کہ معقولات میں دخل دیا جائے (تحقیق الفتویٰ مترجم: ص ۱۵۸ تا ۱۶۰)

امکان کذب کے بارے میں شاہ صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ: (۱۸)

ترجمہ: اسی لیے جھوٹ نہ بولنے کو اللہ تعالیٰ کے کمال میں شمار کیا جاتا ہے، اور اس کے (یعنی عدم کذب کے) ساتھ اس کی مدح کی جاتی ہے، برخلاف گونگے یا پتھر کے کہ جھوٹ نہ بولنے کی بنیاد پر ان کی مدح نہیں کی جاتی، اور ظاہر ہے کہ

صفت کمال یہی ہے کہ کوئی شخص جھوٹ بولنے پر قدرت رکھتا ہو اس کے باوجود رعایت مصلحت اور تقاضائے حکمت کے تحت جھوٹ نہ بولتا ہو اس شخص کی مدح کی جائے گی۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح، ص ۱۴۵)

اس کے جواب میں علامہ لکھتے ہیں:

”اس کا یہ گمان کہ عدم کذب کو اللہ تعالیٰ کی تعریفات میں اسی لیے شمار کرتے ہیں کہ وہ کذب پر قدرت کے باوجود کلام کاذب کا تکلم نہیں فرماتا، جیسے اس نے عوام کا لانعام کو فریب دینے کے لیے کم معنی اور زیادہ الفاظ والی طویل عبارات سے بیان کیا ہے، ملمع کاری سے زیادہ کچھ نہیں، کیوں کہ تمام عیوب و نقائص اور قبائح و فواحش سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ محامد و مدائح الہیہ سے شمار کی گئی ہے اور نصوص میں مقام ثناء میں موجود ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ان نقائص اور فواحش سے متصف ہونا ممتنعات عقلیہ اور مستحیلات ذاتیہ سے ہے۔ شان الہی کی انتہائی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی عیب اور نقص سے موصوف ہونا تجویز عقلی میں بھی ممکن نہیں ہے، یہی کمال تنزیہ اور تقدیس ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کذب کے اتصاف سے اس لیے پاک ہونا کہ اس ذات کریمہ کا عیوب و نقائص سے موصوف ہونا ناممکن ہے، عجز نہیں ہے، اس لیے کہ جس شے کی شان یہ ہے کہ وہ قدرت میں ہو، اس کا قدرت میں نہ ہونا عجز ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے موصوف ہونا ممتنع ہے اور قدرت میں نہیں ہے۔ لہذا اس پر قدرت کا نہ ہونا عجز نہیں ہو سکتا“ (تحقیق الفتویٰ مترجم: ص ۱۶۰ تا ۱۶۱)

باری تعالیٰ کے لیے کذب کو ممکن بالذات تسلیم کرنے کے نتیجے میں بات یہاں تک پہنچی کہ بعض حضرات نے جملہ قبائح (بری باتیں) اللہ کے لیے ممکن بالذات مان لیں، مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن کانپوری (وفات: ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) نے مسئلہ امکان کذب پر ایک رسالہ ”تنزیہ الرحمن عن شائبۃ الکذب والنقصان“ ☆ لکھا، اس کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمود الحسن دیوبندی نے ”الجہد المقل فی تنزیہ المعجز والمذیل“ لکھی جس میں وہ یہاں تک لکھ گئے کہ:

☆ یہ رسالہ ۱۳۰۷ھ میں کانپور سے شائع ہوا، اس پر مفتی لطف اللہ علی گڑھی، مولانا عبداللہ ٹوکی، مولانا محمد علی کانپوری، مولانا عبداللہ سورتی، اور مولانا نور محمد گورداسپوری کی تقریظات ہیں۔

افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم فرماتے ہیں  
کیوں کہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے نفس مقدوریت میں اصلاً کوئی  
خرابی نظر نہیں آتی (الحجۃ المقل: ص ۴۱، بحوالہ مقدمہ تحقیق الفتویٰ: ص ۶۱)  
پھر آگے چل کر یہ بھی لکھ دیا کہ:

بالجملہ قبائح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب اہل سنت ہے البتہ بوجہ  
امتناع بالغیر ان کے تحقق و فعلیت صدور کی کبھی نوبت نہیں آسکتی (مرجع سابق)

الْجُهْدُ الْمُقِلُّ کے جواب میں مولانا احمد حسن کانپوری کے استاذ بھائی مولانا عبداللہ ٹوکی  
(وفات: ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء) نے عربی زبان میں ”عجالة الراكب في امتناع كذب  
الواجب“ (مطبوع اسلامپلاہور ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) لکھی۔

مفتی آزرہ کی تحریر: دیانت علمی کا تقاضا ہے کہ مفتی آزرہ کی اس تحریر کا بھی تذکرہ کیا جائے جو  
رسالہ یک روزی کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس میں مفتی آزرہ نے امکان نظیر کے مسئلہ میں شاہ  
اسماعیل سے اتفاق کرتے ہوئے علامہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے، لیکن شاہ اسماعیل کے اس  
اسلوب پر سخت احتجاج کیا ہے جو انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے لیے روا رکھا تھا، اگر اس تحریر کا سنہ  
متعین ہو جائے تو آگے بحث کے مراحل آسانی سے طے کیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ اگر یہ تحریر  
رمضان ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء سے پہلے کی ہے تو یقینی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ مفتی صاحب  
کے اس وقت کے خیالات ہیں جب تک تحقیق الفتویٰ نہیں لکھی گئی تھی، لیکن جب علامہ نے مسئلہ  
امتناع نظیر پر اپنے موقف کو دلائل سے مزین کیا تو مفتی آزرہ مطمئن ہو گئے اور شرح صدر کے  
ساتھ تحقیق الفتویٰ کی تصدیق کردی، کیونکہ تحقیق الفتویٰ پر دیگر علمائے دہلی کے ساتھ مفتی آزرہ  
کے بھی دستخط موجود ہیں۔ اور اگر یہ ثابت ہو کہ یہ تحریر تحقیق الفتویٰ کے بعد کی ہے تو پھر اس کو تحقیق  
الفتویٰ کی تائید و تصدیق سے رجوع مانا جائے گا۔ یہ مسئلہ ابھی تحقیق طلب ہے، معروف محقق ڈاکٹر  
شمس بدایونی کا خیال ہے کہ ”مفتی آزرہ کی یہ تحریر الگ سے رسالے کی شکل میں ”امکان نظیر“  
(۱۲۷۲ھ) کے تاریخی نام سے باہتمام شیخ الہی بخش افضل المطابع دہلی سے شائع ہوئی تھی، اس پر  
سنہ اشاعت درج نہیں ہے، بعض دوسرے قرائن سے اس کی اشاعت کا سنہ محرم ۱۲۷۸ھ/اگست

۱۸۶۱ء طے کیا گیا ہے، (گفتگو پر مبنی) ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے (مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ) اس میں مفتی صاحب کی تحریر کے اختتام پر ”فی اوائل محرم ۱۲۷۸ھ“ درج ہے، اس سے ڈاکٹر صاحب کی بات کی تائید ہوتی ہے، اس رائے کو غالب کے ایک خط سے بھی تقویت ملتی ہے، سید محمد مجتہد لکھنوی کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: (۱۹)

ترجمہ: اس زمانے میں شہر میں دودائش مند باہم برسرپے کار ہیں، ایک کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت خاتم الانبیا کا مثل پیدا کر سکتا ہے، دوسرا کہتا ہے کہ آپ ﷺ کا مثل ممتنع ذاتی اور محال ذاتی ہے۔ (غالب اور بدایوں: ص ۳۰)

یہ خط ۱۷ جنوری ۱۸۵۷ء (جمادی الاول ۱۲۷۳ھ) کو تحریر کیا گیا ہے، اس میں ”دودائش مند“ سے علامہ اور مفتی صاحب کی ذات ہی مراد ہوگی، کیوں کہ غالب کے احباب میں ان کے علاوہ اور ایسے کوئی ”دو“ دائش مند“ نظر نہیں آتے، جو اس مسئلہ میں برسرپے کار ہوئے ہوں، لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتی آزادہ کی یہ تحریر ۱۲۷۲ھ کی ہی ہے، اس کے بعد علامہ اور مفتی صاحب میں علمی بحث ہوئی ہوگی جس کو غالب نے دودائش مندوں کے برسرپے کار ہونے سے تعبیر کیا ہے۔

یہ تمام خارجی دلائل ہیں جن سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کی زیر بحث تحریر تحقیق الفتویٰ (رمضان ۱۲۴۰ھ) کے ۳۰/۳۲ برس بعد ۱۲۷۲ھ/۱۲۷۳ھ میں لکھی گئی ہے، مگر اس تحریر میں کچھ داخلی شواہد موجود ہیں جن سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ یہ تحریر تحقیق الفتویٰ (رمضان ۱۲۴۰ھ) سے پہلے سپرد قلم کی گئی ہے، اس تحریر میں مفتی صاحب نے بعض ایسی آیات سے استدلال کیا ہے جن کا جواب تحقیق الفتویٰ میں موجود ہے، شاہ اسماعیل نے یک روزی میں امکان نظیر کی ایک دلیل کے ضمن میں کہا تھا کہ اگر حضور ﷺ کی نظیر ممتنع بالذات ہو تو حضور واجب الوجود ہوں گے، کیوں کہ جس کی نفیض ممتنع ہو وہ واجب ہوتا ہے، یہی دلیل مفتی صاحب کی اس تحریر میں بھی ہے، اس کا جواب علامہ نے تحقیق الفتویٰ میں دیا ہے کہ نفیض اور مثل میں فرق ہے، شی کی نفیض کے امتناع سے شی کا وجوب لازم آتا ہے، اس کی مثل کے امتناع سے وجوب لازم نہیں آتا، یہ امور اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مفتی صاحب کی یہ تحریر تحقیق

الفتویٰ سے پہلے کی ہے، ورنہ جن دلائل کو علامہ تحقیق الفتویٰ میں ۳۰ برس پہلے رد کر چکے ہوں پھر ۳۰ برس بعد ان کے اعادہ کا کوئی جواز نہیں ہے، دوسری داخلی دلیل یہ ہے کہ اس میں علامہ کے بعض ان دلائل کا تنقیدی جائزہ ہے جو ”تقریر اعتراضات“ میں ذکر کیے گئے تھے، اگر یہ تحریر تحقیق الفتویٰ کے بعد کی ہوتی تو اس میں تحقیق الفتویٰ میں ذکر کیے گئے دلائل کا جائزہ لیا جانا چاہیے تھا۔

۱۲۷۲ھ یا ۱۲۷۸ھ میں اس تحریر کی اشاعت اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ یہ تحریر اسی وقت کی لکھی ہوئی ہے، ممکن ہے پہلے ۱۲۷۲ھ میں شائع ہوئی ہو اور لفظ ”امکان نظیر“ (۱۲۷۲ھ) سے سنہ تالیف نہیں بلکہ سنہ طباعت کی طرف اشارہ ہو، پھر ۱۲۷۸ھ میں جب ایضاح الحق اور رسالہ یک روزی شائع کیا جا رہا ہو تو موضوع کی مناسبت سے اس تحریر کو بھی شامل اشاعت کر لیا گیا ہو۔ غالب کے خط میں یہ جملہ قابل توجہ ہے کہ ”دریں ہنگام در شہر“ (اس زمانے میں شہر میں) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برسرِ پے کار دونوں دانش مند دہلی شہر میں موجود ہیں، مگر اس خط کے زمانے (۱۲۷۳ھ) میں علامہ دہلی میں نہیں تھے، بلکہ وہ الوری میں بسلسلہ ملازمت قیام پذیر تھے۔

بہر حال مفتی صاحب کی اس تحریر کے سنہ تصنیف کے تعین کا مسئلہ ابھی مزید غور و فکر کا متقاضی ہے، بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ تحریر تحقیق الفتویٰ کے بعد ہی کی ہے تو بھی زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوگا کہ مفتی صاحب کو صرف اس ایک مسئلہ امتناع نظیر میں علامہ سے اختلاف رائے تھا، لیکن اس اختلاف کو شاہ اسماعیل کی کلی حمایت قرار نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ مفتی صاحب کے شاہ اسماعیل دہلوی کے نظریات و خیالات سے عدم اتفاق کے ثبوت میں متعدد دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں، کچھ دلائل ہم نے اسی کتاب میں کسی دوسرے مقام پر پیش کیے ہیں، ان دلائل سے قطع نظر اگر اس زیر بحث تحریر کو ہی غور سے دیکھیں تو اس میں بھی کئی جگہ مفتی صاحب شاہ اسماعیل سے اختلاف کرتے نظر آئیں گے۔

مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ اگرچہ حضور ﷺ کی نظیر قدرت الہیہ کے تحت داخل ہے، مگر اس کے امکان کے ثبوت کے درپے ہو جانا، اور امکان مثل کے مسئلہ پر زیادہ بحث و مباحثہ کرنا سوئے ادب ہے، اسی تحریر میں امکان نظیر کو ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: (۲۰)

ترجمہ: اس مسئلہ کے بعض ناظرین (شاہ اسماعیل) نے جو تقریر کی ہے،

اس سلسلہ میں تحقیقی قول بیان کرنا یہاں ضروری ہے، وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی مثل کے امکان میں بحث اور غور و خوض کرنا تنقیص شان نبوی اور بے ادبی کا موجب ہے، گو کہ قرآن مجید میں اس امکان مثل کی خبر دی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیراً کی تفسیر میں گزرا، لیکن ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اس سلسلے میں کلام کریں۔ (تحریر مفتی آزرہ مشمولہ ایضاح الحق: ص ۱۵۶)

شاہ صاحب نے رسالہ یک روزی میں قرآن کریم کی چند آیات نقل کی تھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بطور عتاب انبیاء سے خطاب فرمایا ہے، اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ قرآن کریم میں جب ایسی آیات موجود ہیں اور ان سے انبیاء کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی عظمت اور انبیاء کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے تو ہم بھی اگر اللہ کی عظمت اور قدرت کے بیان کے لیے ان آیتوں کو پیش کر رہے ہیں تو کیا حرج ہے، اس پر مفتی صاحب سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۲۱)

ترجمہ: قرآن کریم میں وہ الفاظ جو انبیاء علیہم السلام کے حق میں بطور عتاب وارد ہوئے ہیں ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان آیات کو سابق و لاحق سے جدا کر کے زبان پر لائیں، اور ان میں بحث و گفتگو کریں، مثال کے طور پر لفظ ”ضال“ آیت کریمہ ”ووجدك ضالاً فهدی“ میں، ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس لفظ کا اطلاق معاذ اللہ حضور پر کرتے ہوئے آپ کو ”ضال“ کہیں، یا کوئی شخص ہر نماز میں سورہ عبس و تولی پڑھنے کا التزام کرے، کیوں کہ اس سورت میں حق جل و علا کی جانب سے اپنے حبیب کے لیے ایک گونہ عتاب ہے، علمائے محققین نے اس سے منع کیا ہے، سید شریف نے شرح مواقف میں کہا ہے کہ انبیاء پر زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرنا چاہیے، بالخصوص سیدنا محمد ﷺ کا مقام تو سب سے زیادہ نازک ہے، یہاں تو سوئے ادب کا ادنیٰ وہم ارکان ایمان میں تزلزل کا باعث بن جاتا ہے۔ (مرجع سابق: ص ۱۵۷)

اور پھر زیارت قبور وغیرہ کے سلسلے میں بھی مفتی صاحب نے منتہی المقال میں شیخ ابن تیمیہ اور شاہ اسماعیل دہلوی وغیرہ کے معروف موقف سے اختلاف کیا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ علامہ نے شاہ اسماعیل کی تکفیر امکان نظیر کے قول کی بنیاد پر نہیں کی ہے، بلکہ تکفیر کی اصل بنیاد اہانت رسول ہے، اور یہ آپ دیکھ چکے کہ شاہ صاحب کی متنازعہ عبارتوں کو مفتی صاحب بھی انبیا علیہم السلام کی شان میں توہین و استخفاف تسلیم کرتے ہیں، لہذا مفتی آزر دہ کی اس تحریر کو شاہ اسماعیل کے مخصوص عقائد و نظریات کی حمایت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

**تحقیق الفتویٰ:** وہ مسائل جن میں علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان نزاع واقع ہوا ان میں ایک مسئلہ ’مسئلہ شفاعت‘ بھی تھا، تقویت الایمان میں شفاعت کے سلسلے میں شاہ اسماعیل دہلوی نے کئی صفحات میں خامہ فرسائی کی ہے، اور شفاعت کی ایسی تشریح کی ہے جس سے ائمہ متقدمین کی کتابیں خالی ہیں، اسی کتاب سے شفاعت کے متعلق شاہ اسماعیل دہلوی کی طویل عبارت کسی نے نقل کر کے علامہ کی خدمت میں بطور استفتا پیش کی، اس استفتا کے جواب میں علامہ نے قلم اٹھایا اور فارسی میں ”تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ“ کے نام سے عقلی اور نقلی دلائل سے مزین ایک کتاب تصنیف فرمادی۔ یہ کتاب رمضان ۱۲۴۰ھ مطابق اپریل ۱۸۲۵ء میں تصنیف کی گئی۔ اس میں استفتا کا جواب تو دیا ہی گیا ساتھ ہی علامہ نے کئی جگہ شاہ صاحب کے ”رسالہ یک روزی“ کے دلائل کا تنقیدی جائزہ بھی لے لیا ہے، جس کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اپنے موضوع پر اتنی اہم کتاب اپنی تالیف کے تقریباً ڈیڑھ سو برس تک غیر مطبوعہ رہی، مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال سے شائع کروایا ساتھ میں انہوں نے آخر میں کتاب کا اصل فارسی متن بھی شامل کر دیا ہے۔ تحقیق الفتویٰ کا ایک مخطوطہ مولانا عبدالقادر شہید (بانی جامعہ قادریہ فیصل آباد پاکستان) کے پاس تھا، ان کے نسخے سے مولانا محمد عبدالغفار صابری نے ۱۹۵۸ء میں نقل کیا، ایک مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں تھا، یہ دونوں نسخے شرف صاحب کے پیش نظر رہے، اس کے علاوہ شرف صاحب نے اس کے دو اور نسخوں کا ذکر کیا ہے ایک قاضی صدر الدین ہزاروی (ہری پور) اور دوسرا صاحبزادہ عبدالصبور (گکھڑ منڈی) کے کتب خانے میں، مگر ان نسخوں تک شرف

صاحب کی رسائی نہ ہو سکی، ایک نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں علامہ کے شاگرد تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے جس کا ذکر اس کتاب میں ”خیر آبادی نوادرات“ کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ تحقیق الفتویٰ کے علامہ ہی کی تصنیف ہونے کا ذکر مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے اپنی تصنیف ”سیف الجبار“ اور فوز المؤمنین“ میں کیا ہے، سیف الجبار میں نہ صرف تحقیق الفتویٰ کا ذکر ہے بلکہ اس میں تحقیق الفتویٰ کے چاروں مقامات کا مختصر تعارف اور تقریباً ایک صفحہ میں خلاصہ فتویٰ کی عبارت بھی نقل کر دی ہے ☆ یہ ایک معاصر شہادت ہے، لہذا تحقیق الفتویٰ کے علامہ کی طرف انتساب میں شک نہیں کیا جاسکتا، اور پھر سید حیدر علی ٹوکی کا علامہ کو مخاطب کر کے تحقیق الفتویٰ کا رد لکھنا اور اس کے جواب میں علامہ کا رسالہ امتناع النظیر لکھنا اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

تحقیق الفتویٰ کو علامہ نے ۴ مقامات اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے:

**پہلا مقام:** اس میں شفاعت کی حقیقت، اس کے اقسام اور حضور اکرم ﷺ کی شان شفاعت اور مقام محمود پر گفتگو کی گئی ہے، ساتھ ہی شفاعت کے بارے میں تقویت الایمان کی طویل عبارت کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

**دوسرا مقام:** شاہ اسماعیل دہلوی کی عبارت ”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے“ الخ کا ابطال، اسی مقام پر امتناع النظیر اور امکان کذب کے مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے رسالہ یک روزی کے دلائل کا محاسبہ بھی کیا ہے۔

**تیسرا مقام:** اس مقام میں اس بات پر گفتگو کی گئی ہے کہ شفاعت سے متعلق تقویت الایمان کی زیر بحث عبارت حضور اکرم ﷺ کی تخفیف و توہین پر مشتمل ہے یا نہیں، چودہ وجوہ سے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ یقیناً یہ عبارت حضور اکرم ﷺ کی تنقیص شان پر مشتمل ہے، اس مقام میں بھی آپ نے رسالہ یک روزی کی بعض دلیلوں کا جواب دیا ہے۔

**چوتھا مقام:** اس میں اس بات پر بحث ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی تخفیف شان اور اہانت کرنے والے پر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے۔



خاتمہ: اس میں آپ نے استفتا میں مذکور تینوں سوالات کے جوابات قلم بند کیے ہیں۔

تحقیق الفتویٰ کی ترتیب اور اس کے مندرجات کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد ہم ایک اہم بات کی طرف اور اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں ایک بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ شاہ صاحب کتاب وسنت کا گہرا علم رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے موقف کو کتاب وسنت کے دلائل سے مزین کیا، جب کہ علامہ فضل حق خیر آبادی محض منطقی و فلسفی آدمی تھے، انہوں نے منطق و فلسفہ کی موٹا گانگیوں اور جدل و مکابرے کے لفظی گورکھ دھندوں سے کام لیا، دراصل یہ بات قدیم زمانے کے بعض معتقدین اسماعیل اور مخالفین فضل حق نے لکھ دی، جب سے آج تک ہمارے ”غیر جانبدار مؤرخین و محققین“ اس کا اعادہ کرتے آرہے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر کو تقریر اعتراضات، رسالہ یک روزی، اور تحقیق الفتویٰ کی غالباً زیارت کا بھی شرف حاصل نہیں ہوا ہے، تعجب ہوتا ہے کہ یہ بات ہمارے عہد کے ایسے قلم کار بھی پورے یقین و اعتماد کے ساتھ لکھ رہے ہیں جو علوم کتاب وسنت اور منطق و فلسفہ کی موٹا گانگیوں کے فرق سے بھی نا آشنا محض ہیں۔ تحقیق الفتویٰ کے مطالعے سے پتہ چلتا کہ اس میں علامہ نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لیے کم و بیش ۵۹ آیات کریمہ، ۷۷ احادیث رسول و آثار صحابہ اور ۲۶ جگہ تابعین، ائمہ دین، مفسرین اور علما کے اقوال و عبارات پیش کی ہیں۔

ان آیات، احادیث، آثار اور اقوال ائمہ سے چاروں مقامات کی بحث مکمل کر کے علامہ نے آخر میں مستفتی کے تینوں سوالوں کے جوابات دیے ہیں، دراصل یہی اس پوری کتاب کا خلاصہ ہے، اس لیے اس حصہ کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

### خلاصہ تحقیق الفتویٰ

استفتا میں سائل نے تین سوالات کیے تھے:

- (۱) یہ کلام حق ہے یا باطل؟
- (۲) اس کا یہ کلام حضور اکرم ﷺ کی شان عالی میں تنقیص و تخفیف ہے یا نہیں؟
- (۳) اگر یہ کلام حضور اکرم ﷺ کی شان عالی کی تنقیص و تخفیف پر مشتمل ہے تو اس کے قائل پر شرعاً کیا حکم ہے؟

مذکورہ تینوں سوالات کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

**پہلے سوال کا جواب:** یہ ہے کہ قائل کا کلام مذکور سرتاسر جھوٹ، دروغ، فریب اور دھوکہ ہے، کیوں کہ وہ گناہ گاروں کی نجات کے لیے شفاعت کے سبب ہونے کی نفی کرتا ہے، اور نبی اکرم ﷺ، دیگر انبیاء و ملائکہ علیہم السلام اور اصفیا سے شفاعت و جاہت اور شفاعتِ محبت کی نفی کرتا ہے اس کا یہ عقیدہ کتابِ مبین، احادیثِ سید المرسلین اور اجماعِ مسلمین کے خلاف ہے، جیسے مقامِ اول میں تفصیلاً ثابت ہوا اور مقامِ ثانی میں اس کلام کے کچھ حصوں کا بطلانِ دلائل سے واضح ہوا۔

**دوسرے سوال کا جواب:** یہ ہے کہ اس کا یہ کلام بلاشبہ بارگاہِ الہی کے مقربین کے سردار، انبیاء، اصفیا، مشائخ اور اولیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان پر مشتمل ہے، اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے، جیسے مقامِ ثالث میں مذکور ہوا، اور اس سے پہلے دلائل سے ثابت ہوا۔

**تیسرے سوال کا جواب:** یہ ہے کہ اس بے ہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر اور بے دین ہے، اور ہرگز مسلمان نہیں ہے، اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے، جو شخص اس کے کفر میں شک اور تردد لائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے، کافر و بے دین نامسلمان و لعین ہے، مگر کفر اور بے دینی میں اس شخص سے کم ہے جو اس گمراہانہ کلام کو قابلِ تحسین جانتا ہے، اور اس کلام کے اعتقاد کو ضروریاتِ دین میں سے شمار کرتا ہے، ایسا شخص کفر میں قائل کے برابر ہے، بلکہ استخفاف میں اس سے بھی بڑھ کر ہے، کیوں کہ اس نے نبی اکرم، دیگر انبیاء، ملائکہ اور اولیا (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے استخفاف کو مستحسن جانا، اور اسے ضروریاتِ دین میں سے گمان کیا، اسی طرح جو شخص ظاہراً باطناً ایسے مسائل میں اس قائل کی طرفداری روا رکھتا ہے، اور اہل علم میں اس کی عزت کے تحفظ کے لیے دوازدہ کارتاویات اختیار کرتا ہے، وہ بھی نبی اکرم ﷺ کی تحقیرِ شان کا مرتکب ہوا ہے کہ ایک بے دین کی طرف داری کو سیدالانام ﷺ کی عزت و حرمت پر ترجیح دی اور ملامت کے خوف بلکہ بقضائے بدبختی اس کلام کے ثابت کرنے کے درپے ہوا جو نبی اکرم ﷺ کی تحقیرِ شان پر دلالت کرتا ہے اور یہ سب کفر اور الحاد ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کی آل پاک کے طفیل سے محفوظ رکھے۔ (تحقیق)

الفتویٰ مترجم: (ص ۲۴۶/۲۴۷)

تحقیق الفتویٰ پر مندرجہ ذیل علما نے تائیدی دستخط اور مہر ثبت کیں:

- |                            |                              |
|----------------------------|------------------------------|
| (۱) مولانا محمد شریف دہلوی | (۲) مولانا حاجی محمد قاسم،   |
| (۳) مولانا محمد حیات لاری  | (۴) مولانا کریم اللہ،        |
| (۵) مولانا محمد رشید الدین | (۶) مولانا مخصوص اللہ دہلوی  |
| (۷) مولانا محمد رحمت       | (۸) مولانا عبدالحق           |
| (۹) مولانا محمد عبداللہ    | (۱۰) مولانا محمد موسیٰ دہلوی |
| (۱۱) مولانا خادم محمد      | (۱۲) مولانا احمد سعید مجددی  |
| (۱۳) مولانا محمد حیات      | (۱۴) مفتی صدر الدین آزرہ     |
| (۱۵) مولانا رحیم الدین     | (۱۶) مولانا محبوب علی        |

تحقیق الفتویٰ کی تصنیف (رمضان ۱۴۴۰ھ) کے چند ماہ بعد جمادی الاخریٰ ۱۴۴۱ھ میں شاہ صاحب سکھوں سے لڑائی کے لیے سرحد کی طرف روانہ ہو گئے اور ۱۴۴۶ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، اس لیے اس وقت تحقیق الفتویٰ کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی یا ان کے متبعین کی جانب سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا اور وقتی طور پر یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا، اس کے تقریباً ۲۵/۲۵ برس بعد سید حیدر علی ٹوکی تحقیق الفتویٰ کے جواب کے ساتھ میدان میں آئے، اور اس دبی ہوئی چنگاری کو انہوں نے شعلہ جوالہ بنا دیا نتیجے کے طور پر اختلاف و انتشار کا بازار گرم ہوا، جواب اور جواب الجواب چھپنے لگے، اور بالآخر امت اسلامیہ ہند انتشار و افتراق کا شکار ہو کر اپنی اجتماعی قوت اور توانائی سے محروم ہو گئی۔

باغی ہندوستان میں مولانا شیروانی کی ایک عبارت (باغی ہندوستان: ص ۲۰۲) سے اشارہ ملتا ہے کہ علامہ اور شاہ صاحب کے درمیان رفع یدین اور آمین بالجہر کے موضوعات پر بھی ”تحریروں کا سلسلہ چلتا رہا“، مگر راقم الحروف کو اس سلسلہ میں کوئی تاریخی ثبوت نہیں مل سکا۔



## علامہ فضل حق کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں

سطور بالا میں علامہ اور شاہ صاحب کے درمیان عقائد و نظریات کے اختلاف کی تفصیل آپ نے ملاحظہ فرمائی، آپ نے دیکھا کہ شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کے بعض مندرجات پر سب سے پہلے علامہ نے علم احتجاج بلند کیا، جس کے نتیجے میں باقی علمائے دہلی نے بھی شاہ صاحب کا مواخذہ کیا، اور تقویت الایمان کے رد و ابطال کا ایک ناختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، غالباً یہی وجہ ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کے معتقدین و مخلصین نے علامہ کے خلاف افواہوں اور غلط بیانیوں کا ایک طومار کھڑا کر دیا، حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

مولانا فضل حق کے متعلق غلط بیانیاں زیادہ تر ایک خاص گروہ کے حضرات نے کی ہیں، جس نے بھی شاہ اسماعیل دہلوی کے سوانح کو موضوع بنایا اس نے شاہ صاحب کی مدح کے ساتھ مولانا کی قدح کو بھی لازم قرار دیا (فضل حق اور سن ستاون: ص ۱۰۳)

شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ کے درمیان ہونے والے قلمی معرکے کی کچھ تفصیل درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

مولانا فضل حق کا یہ وہ جرم ہے جو آج تک معاف نہیں کیا گیا، اور ان کی تخفیف شان، تفسیق اور تضلیل کا کوئی موقع اب بھی ہاتھ سے (جانے) نہیں دیا جاتا اور صرف مولانا فضل حق ہی تک بات محدود نہیں رہی، مولانا کے تمام وابستگان و اماں اور اصحاب سلسلہ اس انتقام کا شکار ہیں (فضل حق اور سن ستاون: ص

(۱۰۴)

حکیم صاحب نے اپنے محولہ بالا مضمون میں چند ایسی ہی روایتوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، یہ مضمون ”چند اغلاط کی تصحیح“ کے عنوان سے باغی ہندستان میں بھی شامل کر لیا گیا ہے، جن روایتوں پر حکیم صاحب نے کلام کیا ہے ہم ان سے قطع نظر کر کے کچھ دوسری روایتوں کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی سے مناظرہ: مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات ”امیر الروایات“ میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے سلسلہ میں کئی ایک دلچسپ کہانیاں موجود ہیں انہیں میں ایک روایت یہ ہے کہ سہارنپور میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا ایک مباحثہ مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی سے امکان نظیر کے موضوع پر ہوا، اور اس میں علامہ کو ”بھرے مجمع میں الزام ہو گیا“، یعنی علامہ جواب سے عاجز ہو گئے، پہلے روایت دیکھ لیں پھر ہم کچھ عرض کریں گے۔ مولانا اشرف علی تھانوی امیر شاہ خان خوجوی سے روایت کرتے ہیں کہ:

خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی کا اور مولوی فضل حق صاحب کا سہارنپور میں امکان نظیر کے مسئلہ میں مناظرہ ہوا اور مولوی فضل حق صاحب کو بھرے مجمع میں الزام ہو گیا۔

(ارواح ثلاثہ: ص ۸۷۲)

پروفیسر ایوب قادری اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امیر الروایات کی اکثر روایتیں تاریخی اعتبار سے غلط ہیں، مولوی عبداللہ خاں کس حیثیت کے عالم تھے، معلوم نہیں، تاریخیں اور تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں، نور الحسن راشد کاندھلوی نے امیر الروایات کے حوالے سے انہیں مفتی الہی بخش کا شاگرد بتایا ہے، اگرچہ مولوی الہی بخش کاندھلوی مؤلف ”حالات مشائخ کاندھلہ“ نے مفتی صاحب کے تلامذہ (میں) ان کا

ذکر نہیں کیا ہے۔

مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی کا امکان نظیر کے مسئلے پر مولانا فضل حق کو الزام دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ (مولانا فضل حق خیر آبادی ایک تحقیقی مطالعہ: ص ۳۸/۳۹)

اپنے ایک مکتوب میں اسی امیر الروایات کے بارے میں ڈاکٹر ایوب قادری لکھتے ہیں: اسی طرح امیر الروایات بھی میرے خیال سے غیر مستند ماخذ ہے، اس میں بھی اکثر ناقابل اعتبار روایتیں جمع کر دی گئی ہیں (مکتوب ایوب قادری بنام عبدالکحیم شرف قادری، مؤرخہ ۳۰/اکتوبر ۱۹۷۱ء مطبوعہ باغی ہندوستان ص ۲۰۶/۲۰۷)

شاہ اسماعیل اور علامہ کا تحریری مناظرہ: اسی امیر الروایات میں شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ کے درمیان تحریری مناظرے کی ایک دلچسپ کہانی موجود ہے، امیر شاہ خان خورجووی روایت کرتے ہیں کہ:

مولوی اسماعیل صاحب اور مولوی فضل حق صاحب سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا تو مولوی اسماعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچی تو فوراً جواب دیتے اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیر رہے ہیں اور تیرنے کی حالت میں آپ کے پاس تحریر پہنچی، آپ نے تیرتے ہی تیرتے اس کا جواب لکھوا دیا، ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے، مولوی فضل حق صاحب نے مولوی اسماعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی، اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلنے ہی میں آدمی واپس آ گیا اور مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے؟ اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا، اور کہا کہ فلاں وقت دوں گا، کیوں کہ یہ بات مولوی اسماعیل صاحب کے طرز کے خلاف تھی اس لیے مولوی فضل حق صاحب نے سمجھا

کہ مولوی اسماعیل عاجز ہو گئے اور یہ سمجھ کر کہا کہ ”بس دے لیا جواب“، یہ بات مومن خاں کو ناگوار ہوئی انہوں نے کہا کہ ”وہ بات ہی کیا ہے جس کا جواب مولوی اسماعیل صاحب نہیں دے سکتے“، اس پر ان میں گفتگو شروع ہو گئی اور مومن خاں مناظرے میں غالب رہے، چونکہ گفتگو میں مزاج تیز ہو گیا تھا اس لیے مومن خاں یہ شعر کہہ کر چل دیے۔

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں  
(آرزو مولوی فضل حق صاحب کا تخلص ہے)

مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم  
جب مولوی فضل حق صاحب نے دیکھا مومن خاں ناراض ہو گئے تو وہ ان کو منانے کے لیے گئے، کچھ گفتگو ہو کر صلح ہو گئی اس وقت مومن خاں نے یہ شعر پڑھا۔

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم  
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم  
یہ قصہ بیان فرما کر فرمایا کہ یہ قصہ میں نے متعدد وثقات سے سنا ہے مگر نام یاد نہیں رہے (ارواحِ ثلاثہ: ص ۷۳/۷۴)

اس کتاب کی روایتیں اصول روایت و درایت پر کتنی درست اترتی ہیں یہ تو ڈاکٹر ایوب قادری کے حوالے سے آپ ملاحظہ فرما چکے، اس روایت میں بھی درایتاً کچھ امور ایسے ہیں جو قابل غور ہیں، مثال کے طور پر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے درمیان کوئی ”تحریری مناظرہ“ بھی ہوا تھا، اور اس میں باہم متعدد تحریروں کا تبادلہ ہوا، لیکن کسی معتبر تاریخی ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہو سکی، تاریخی طور پر تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ علامہ نے ایک تحریر ”تقریر اعتراضات“ لکھی اور بقول مولانا آزاد شاہ اسماعیل دہلوی نے اس کا جواب مسجد میں بیٹھ کر لکھ دیا، اس رسالے کا تنقیدی جائزہ علامہ نے تحقیق الفتویٰ میں لیا، جس کے جواب میں شاہ صاحب نے خاموشی اختیار کر لی، اور اس کے صرف ۷ ماہ بعد شاہ اسماعیل دہلی

سے کوچ کر گئے، پھر آخر یہ کون سی تحریریں تھیں جن کا جواب شاہ اسماعیل دہلوی فوراً لکھ کر بھیج دیا کرتے تھے؟ اور پھر لطف یہ کہ بعض اوقات ”آپ نے تیرے ہی تیرے اس کا جواب لکھوا دیا“۔ یہ بھی خوب رہی کہ ”آرزو مولوی فضل حق کا تخلص ہے“، علامہ عربی کے شاعر تھے جس میں بالعموم تخلص استعمال نہیں کیا جاتا، اردو میں آپ نے غالباً کبھی کچھ نہیں کہا، فارسی میں بھی بہت کم کہا مگر ”آرزو“ تخلص کبھی اختیار نہیں کیا، بلکہ سوانح نگاروں نے فارسی میں آپ کا تخلص ”فرقتی“ بیان کیا ہے۔ پھر ایک توجہ طلب پہلو یہ بھی ہے کہ کہاں تو علامہ کی یہ وقعت و عظمت تھی کہ ”علمائے عصر بل فضلاء دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں“ (سر سید) اور ”علم منطق کے پتلے اور افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے“ (جعفر تھانیسری) مگر علامہ نے شاہ اسماعیل دہلوی کا رد کیا کر دیا کہ اب یہ نوبت آگئی کہ ”مومن خاں مناظرے میں غالب رہے“، اس لطیفے پر ہم علامہ کی جانب سے مومن خاں ہی کا یہ مصرعہ پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ

میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

پھر یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ یہ قصہ خاں صاحب نے ”متعدد ثقات“ سے سنا مگر ایک کا بھی نام یاد نہیں رہا۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کی توبہ: دراصل یہ اور اس قسم کی روایتیں اسی مہم کا حصہ ہیں جس کی طرف ہم نے حکیم محمود احمد برکاتی کے حوالے سے اشارہ کیا تھا، شاہ اسماعیل دہلوی کے مقابلے میں علامہ کو فروتر ثابت کرنے کی یہ مہم یہیں پر نہیں رکی بلکہ یہ سلسلہ یہاں تک دراز ہوا کہ بعض کرم فرماؤں نے علامہ کو شاہ اسماعیل دہلوی کی بارگاہ میں تائب و نادم بنا کر لاکھڑا کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آخری وقت میں علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے اس فعل پر نادم تھے، شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں انہوں نے جو کچھ بھی لکھا اس سے توبہ کر لی تھی، اور فرماتے تھے کہ میں نے شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ سب ”بدایوں والوں“ کے بہکاوے میں آ کر لکھ دیا ورنہ میری تو شاہ اسماعیل دہلوی سے دوستی تھی۔ یہاں ہم ان روایتوں کا بھی تاریخی اور تنقیدی تجزیہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ حقیقت حال سامنے آ سکے۔ اس سلسلے میں اب تک ہماری نظر سے تین



روایتیں گزری ہیں:

(۱) ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب علامہ فضل حق خیر آبادی کو شاہ اسماعیل دہلوی کی وفات کی خبر ملی تو آپ کئی گھنٹے بیٹھے خاموش روتے رہے، اور شاہ اسماعیل دہلوی کی شان میں رطب اللسان رہے، فضل حسن بہاری ”الحیات بعد الممات“ میں لکھتے ہیں:

جب مولوی اسماعیل دہلوی کی شہادت کی خبر پہنچی تو سناٹے کے عالم میں کئی گھنٹے خاموش بیٹھے روتے رہے، اور اس کے بعد فرمایا کہ اسماعیل کو ہم مولوی نہیں جانتے تھے، بلکہ وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا، کوئی شے نہ تھی جس کی کیفیت اور لمبیت اس کے ذہن میں نہ ہو، امام رازی نے اگر حاصل کیا تو دود چراغ کھا کر اور اسماعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعدادِ خدا داد سے (الحیات بعد الممات، ص ۱۹۷، بحوالہ ضمیمہ باغی ہندوستان ص ۴۳۰)

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی نے امیر شاہ خاں صاحب کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے، خاں صاحب کہتے ہیں مولوی عبدالرشید صاحب غازی پوری رامپور میں علامہ فضل حق خیر آبادی سے پڑھتے تھے، یہ مولوی عبدالرشید صاحب ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے اتفاق سے راستے میں ان کے ایک دوست مل گئے، دوست نے ان سے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلتے ہیں تم مولانا اسماعیل دہلوی کے معتقد ہو آج تمہیں تمہارے استاذ مولانا فضل حق خیر آبادی سے مولانا اسماعیل دہلوی پر تبراسنوائیں گے، انہوں نے کہا چلو، جب یہ دونوں وہاں جا کر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت یہ مجھے یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسماعیل پر تبراسنواؤں گا، یہ سن کر علامہ فضل حق خیر آبادی نے فرمایا:

اچھا اس غرض سے لائے ہیں اور یہ کہہ کر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں اور مولوی اسماعیل پر تبراکروں یہ نہیں ہو سکتا، جو مجھ سے ہو چکا وہ بھی بہکائے سکھائے سے ہوا تھا اور اب تو وہ بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اٹھوادیا اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔

(ارواحِ ثلاثہ: ص ۲۷۹)

(۳) اس سلسلے میں تیسری روایت مفتی عنایت احمد کا کوروی کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے، جزیرہ انڈمان میں اپنے زمانہ قید کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مفتی عنایت احمد کا کوروی فرماتے ہیں:

مولوی فضل حق صاحب بہت نادم تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی ہے کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا، مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی یہ میرے انہیں اعمال کی سزا ہے، میری مولوی اسماعیل سے دوستی تھی، اور میں بھی ان کے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا کیا جائے بدایوں والوں نے ابھار کر ان سے بھڑادیا اور علم کے غرہ میں حق کو باطل کرنے پر تل گیا تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور اگر میں رہا ہو گیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا (برصغیر پاک و ہند کے چند تاریخی حقائق: ص ۱۶۱)

اس تیسری روایت کو محمد خالد سیف نے اپنی کتاب ”تذکرہ شہید“ (ص ۲۳۹) میں درج کیا ہے، اسی کے حوالے سے محمد تنزیل صدیق حسینی نے ”برصغیر پاک و ہند کے چند تاریخی حقائق“ میں ذکر کیا ہے، اول الذکر کتاب ہمارے پیش نظر نہیں ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ محمد خالد سیف کا ماخذ کیا ہے، البتہ یہی روایت ڈاکٹر ثریا ڈار نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ”شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات“ (ص: ۲۰۲) میں امیر الروایات کے حوالے سے نقل کی ہے، امیر الروایات کا جوائڈیشن ہمارے پیش نظر ہے اس میں ہمیں یہ روایت نہیں ملی، ممکن ہے نسخوں کے فرق کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔

یہاں اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین رہنا چاہیے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کا شاہ اسماعیل دہلوی سے نزاع کوئی وقتی جذباتیت کے زیر اثر پیدا نہیں ہوا تھا، علامہ نے جو موقف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء میں اختیار کیا اس پر آخر وقت تک قائم رہے، اور نہ ہی اس اختلاف کو معاصرانہ چشمک کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ علم و فضل کے جس میدان کے وہ شہسوار تھے، وہاں دہلی تو کیا پورے غیر منقسم ہندوپاک میں کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا، اس لیے شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف جذبہ رقابت یا مسابقت کا امکان بھی نہیں تھا کہ بعد میں علامہ کو اپنے اس رویہ پر ندامت ہوتی، یہ

کوئی ایسا معاملہ بھی نہیں تھا کہ علامہ نے سنی سنائی بات پر اعتماد کر کے فتویٰ دے ڈالا اور بعد میں جب حقیقت حال واضح ہوئی تو نادم ہوئے، بلکہ علامہ کے سامنے شاہ صاحب کی تقویت الایمان اور رسالہ یک روزی تھیں، پھر دہلی کے مناظرے میں جو کچھ کہا سنا گیا وہ بھی علامہ کے سامنے تھا۔ دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ علامہ نے شاہ صاحب کے اوپر جو حکم کفر عائد کیا وہ بھی معمولی نوعیت کا نہیں ہے، بلکہ اس حکم تکفیر کو اصطلاح میں ”تکفیر کلامی“ کہتے ہیں، ”تکفیر کلامی“ اس وقت تک نہیں کی جاتی جب تک قائل کفر کا التزام نہ کر لے، اور احتمال فی الکلام، احتمال فی المتکلم اور احتمال فی التکلم وغیرہ رفع نہ ہو جائیں، اور قائل کے کلام میں تاویل قریب یا تاویل بعید کسی قسم کی تاویل کا احتمال باقی نہ رہے، اس کے برخلاف ”تکفیر فقہی“ کے لیے محض کفر کا لزوم کافی ہوتا ہے، آپ تحقیق الفتویٰ والے حکم کفر کو غور سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ تکفیر تکفیر فقہی نہیں بلکہ تکفیر کلامی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم کفر شعوری طور پر تکفیر کلامی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد عائد کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم ان روایتوں کا تاریخی تجزیہ کریں گے۔

پہلی روایت شاہ اسماعیل دہلوی کے انتقال کے وقت کی ہے، شاہ صاحب کا انتقال ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں ہوا، گویا ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں علامہ فضل حق خیر آبادی شاہ اسماعیل دہلوی کے غم میں آنسو بہا رہے ہیں اور ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔

دوسری روایت میں یہ صراحت ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب مولوی عبدالرشید صاحب علامہ سے رامپور میں پڑھتے تھے، تاریخی طور پر یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ علامہ رامپور میں ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے لے کر ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۸ء تک رہے ہیں، گویا ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء اور ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۸ء کے درمیانی عرصے میں علامہ اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ ”میں اور مولوی اسماعیل پر تبرا کروں یہ نہیں ہو سکتا“، اب اگر تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا جائے کہ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۸ء کے بعد بھی شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں علامہ کے ”تحقیق الفتویٰ“ والے موقف میں کوئی فرق نہیں آیا تھا تو یہ روایتیں خود بخود بے وزن ہو جائیں گی، ہم یہاں کچھ تاریخی حقائق پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں پورے وثوق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آخر وقت تک شاہ

صاحب کے بارے میں علامہ کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

(۱) شاہ اسماعیل دہلوی سے علامہ کا بنیادی اختلاف امکان کذب، امتناع نظیر اور مسئلہ شفاعت کے بارے میں تھا، مولوی عبدالستار نامی کسی صاحب نے سید حیدر علی ٹوکنی کے ایک رسالے سے چند عبارتیں اخذ کر کے ایک استفتا مرتب کیا جو پندرہ سوالات پر مشتمل تھا ان میں سے اکثر سوالات مسئلہ امکان کذب اور امتناع نظیر سے متعلق ہیں، اس کے جوابات یا تو علامہ نے خود لکھے یا پھر ان کے شاگرد نے لکھے اور علامہ نے ان کی تصدیق فرمائی، دیگر ۳۴/۳۴ علما کے ساتھ اس پر علامہ کی مہر بھی موجود ہے، یہ فتویٰ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں مطبع ہدایہ دہلی سے طبع ہوا، اس کو آپ پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ امکان کذب اور امتناع نظیر کے بارے میں اس میں وہی موقف اختیار کیا گیا ہے جو تحقیق الفتویٰ میں علامہ کا ہے، اس سے واضح ہے کہ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں بھی علامہ اپنے اسی موقف پر قائم ہیں، پھر ۱۲۶۹ھ میں شاہ صاحب کی خبر وفات پر گھنٹوں رونے کا کیا جواز باقی رہتا ہے؟

(۲) ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء اور ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء کے درمیانی عرصے میں علامہ نے رسالہ امتناع النظیر تصنیف کیا، اس میں پھر اپنے اسی موقف کا اعادہ کیا، مزید یہ کہ شاہ اسماعیل دہلوی کی جس عبارت (اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے الخ) پر علامہ نے ان کی تکفیر کی تھی، سید حیدر علی ٹوکنی نے اس میں تاویل کر کے شاہ صاحب کو بچانے کی کوشش کی، مگر علامہ نے رسالہ امتناع النظیر میں اس تاویل کو رد کر دیا اور اس عبارت کے کفری پہلو کو مزید وضاحت سے پیش کیا، امتناع النظیر زمانہ قیام رامپور کے بعد کی تصنیف ہے، اس کا مطلب ہے کہ رامپور سے جانے کے بعد بھی علامہ اپنے پرانے موقف پر قائم ہیں پھر اس بات پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ رامپور کے دوران قیام علامہ نے فرمایا کہ ”میں اور مولوی اسماعیل پر تبرا کروں یہ نہیں ہو سکتا“۔

(۳) اسی رسالہ امتناع النظیر میں علامہ کا وہ قصیدہ میمہ بھی موجود ہے جس میں سید حیدر علی ٹوکنی کی ہجو کے علاوہ شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا گیا ہے، شاہ صاحب کے بارے میں چند اشعار یہ ہیں: (۲۲)

ترجمہ ملخصاً: کیا تم ایک نادان، شریر اور بد بخت کی تعریف کرتے ہو؟ جسے اللہ

کی طرف سے انتقام نے گھیر لیا ہے، اور ہٹ دھرمی سے، گمراہی میں پڑ کر اور نادانی میں اس ذات گرامی کی شفاعت سے انکار کیا کہ ساری مخلوق جن کی پناہ لیتی ہے، اور ایک ایسے مقام (قبر رسول ﷺ) کے لیے رخت سفر باندھنے کو حرام قرار دیا جو بیت حرام سے بھی افضل ہے، اور اس نے اللہ کے جھوٹ بولنے کو جائز کہا جب کہ جھوٹ باعث نقص و عیب ہے، اور ایسی ذات بابرکات کے کمالات میں مثل کو جائز قرار دیا جن کے فضائل عظیم ہیں۔

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ شفاعت، امکان کذب اور امتناع نظیر کے بارے میں یہ قصیدہ لکھتے وقت بھی علامہ کا وہی موقف ہے جو وہ تحقیق الفتویٰ میں لکھ چکے ہیں، ان اشعار کے علاوہ بھی اس قصیدے میں تقریباً ۳۵/۳۰ اشعار اور بھی ہیں جن میں شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد اور نظریات بیان کر کے ان کا رد کیا ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ قصیدہ رسالہ امتناع النظیر کی تصنیف کے وقت (سنہ ۱۲۶۵ھ اور ۱۲۷۰ھ کے درمیانی عرصے میں) نظم کیا گیا جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اس زمانے تک شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں علامہ کے نظریات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ (۴) ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے علم کلام میں ایک تحقیقی کتاب ”المعتقد المنتقد“ تصنیف فرمائی، اس کتاب میں تقریباً ہر پانچ دس صفحات کے بعد شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان اور صراط مستقیم وغیرہ کی عبارتیں نقل کر کے اس کا رد کیا گیا ہے، مزید یہ کہ اس کتاب میں امتناع نظیر، امکان کذب اور شفاعت کے مسئلہ پر اسی موقف کا اعادہ کیا گیا ہے جو تحقیق الفتویٰ میں علامہ کا ہے، ☆ اس کے باوجود علامہ فضل حق خیر آبادی نے اس کتاب پر زور دار تقریظ تحریر فرمائی، اور یہاں تک لکھ گئے کہ:

اس (المعتقد) کے ذریعے انہوں نے مذہبی سچے عقائد اور گھٹیا فرقوں کی لایعنی باتوں کے درمیان خط امتیاز کو روشن کیا، اور اس کے ذریعے معتزلہ اور نجدیوں جیسے عقل کے اندھوں کے گھٹیا عیبوں کا پردہ فاش کیا ہے، چنانچہ اس

☆ دیکھئے: المعتقد المنتقد مسئلہ امتناع کذب باری ص ۵۶، مسئلہ امتناع نظیر ص ۱۰۹، ۱۱۰ اور مسئلہ

کے ذریعے انہوں نے حق کو بالکل واضح کر دیا، اور ہرنجدی کو شکست خوردہ

اور زمیں بوس کر دیا بلکہ ہلاک اور زیرِ لحد کر دیا (المعتقد المنتقد: ص ۴)

اگر شاہ صاحب کی وفات (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) یا رامپور کے زمانہ قیام (۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء سے لے کر ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۸ء) میں شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں علامہ کے خیالات میں تبدیلی آگئی ہوتی تو ۱۲۷۰ھ میں ان الفاظ میں المعتقد جیسی کتاب پر تقریظ لکھنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ۱۲۷۰ھ تک علامہ کے خیالات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

اگر آپ ان تمام تاریخی حقائق کی موجودگی کے باوجود انہی روایتوں کی صحت پر اصرار کریں تو پھر تو یہی کہا جائے گا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کوئی مستقل مزاج، پختہ رائے اور گہری نظر رکھنے والے عالم نہیں تھے، بلکہ ایسے غیر مستقل مزاج اور سطحی نظر والے تھے کہ دوسروں کے بہکائے سکھائے میں آکر ہر دوچار سال میں عقائد کے باب میں اپنا نظریہ تبدیل کر لیا کرتے تھے۔ ۱۲۴۰ھ میں شاہ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، اس کے چھ سال بعد ۱۲۴۶ھ میں شاہ صاحب کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے ان کو امت محمدیہ کا حکیم تسلیم کر لیا، رامپور کے زمانہ قیام میں شاہ صاحب پر تبرا کرنے کو برا سمجھ رہے ہیں اور اسی کے چند سال بعد شاہ صاحب کی ہجو میں قصیدہ نظم کر رہے ہیں، ۱۲۷۰ھ میں شاہ صاحب کے رد میں لکھی جانے والی ”بدایوں والے“ کی کتاب پر بھرپور تقریظ تحریر فرما رہے ہیں اور اس کے چند سال بعد انڈمان میں بیٹھ کر شاہ صاحب کو حق پر سمجھتے ہوئے سارا الزام اسی بدایوں والے کے سر ڈال کر اپنی برأت ظاہر کر رہے ہیں ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

تیسری روایت جو مفتی عنات احمد کا کوروی کے حوالے سے بیان کی گئی ہے، اس کا ماخذ امیر الروایات کو بتایا جاتا ہے، اس سے قطع نظر کہ ہمارے پیش نظر نسخے میں یہ روایت نہیں ہے، اگر ہو بھی تو اس کو بھی اسی اصولی نکتے کے تحت دیکھنا چاہیے جو ہم نے ابتدا میں بیان کیا اور پھر امیر الروایات کے قصے کس حد تک تاریخی طور پر قابل اعتماد ہیں وہ آپ دیکھ ہی چکے۔

پھر ایک لطف کی بات یہ ہے کہ اس تیسری روایت کے مطابق ”بدایوں والوں نے ابھار کر ان سے

بھڑا دیا،“ بدایوں والوں سے مراد یہاں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی ذات ہی ہوگی، اس لیے کہ علامہ کے احباب میں اور کوئی ایسا ”بدایوں والا“ نظر نہیں آتا جس کے بہکائے سکھائے میں آکر آپ شاہ صاحب سے بھڑ جائیں۔

اولاً علامہ فضل حق خیر آبادی کسی ایسی شخصیت کا نام نہیں ہے جو کسی کے بہکاوے یا ابھارنے میں آکر کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ دے ڈالے اور پھر فتویٰ بھی تکفیر کلامی کا جس میں انتہائی احتیاط اور تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے، دوسری بات یہ کہ اس روایت کا یہ جملہ بھی قابل غور ہے کہ ”تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور اگر میں رہا ہو گیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا“، اگر علامہ اپنی اسیری کے دوران رسالہ غدیریہ اور قصائد لکھ کر بھیج سکتے ہیں تو کیا ایک صفحہ پر اپنا ”توبہ نامہ“ لکھ کر نہیں بھیج سکتے تھے کہ اس کو جا کر شائع کر دینا، جب کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ”مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی یہ میرے انہیں اعمال کی سزا ہے“، یا پھر اتنی اہم بات کا تذکرہ رسالہ غدیریہ اور قصائد میں بھی کیا جاسکتا تھا، ان میں نہ صرف یہ کہ ”توبہ“ جیسی کسی بات کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ آپ اس رسالے اور دونوں قصیدوں پر صرف ایک سرسری نگاہ ڈال لیں قدم قدم پر آپ کو علامہ ”تقویت الایمانی توحید“ کے خلاف جاتے ہوئے نظر آئیں گے، ان قصائد میں حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ندا بھی کی گئی ہے، ان سے استعانت بھی ہے، ان کا اور ان کے آل و اصحاب کا واسطہ اور وسیلہ بھی اختیار کیا گیا ہے، اور طلب شفاعت بھی ہے، یہ تمام وہ امور ہیں جو شاہ اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کی رو سے کھلے ہوئے شرک ہیں، ان میں سے بعض امور ایسے ہیں کہ جن کا مرتکب شاہ صاحب کی نظر میں ”ابو جہل کے برابر مشرک ہے“ ☆ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ رسالہ اور قصائد علامہ نے وفات سے چند ماہ پہلے لکھے ہیں اور یہ علامہ کی آخری تحریر ہے، اب اس رسالے اور قصائد سے ہم کچھ مثالیں پیش کریں گے جس سے اندازہ ہوگا کہ علامہ کے بالکل آخری زمانے کے نظریات و خیالات اور شاہ اسماعیل دہلوی کے تقویت الایمانی نظریات و خیالات میں کتنا فرق ہے۔ مثال کے طور پر رسالے میں علامہ اللہ سے دعا کرتے

---

☆ شاہ اسماعیل تقویت الایمان میں لکھتے ہیں: ”سو جو کوئی کسی مخلوق کے ساتھ یہ معاملہ (پکارنا، منتیں ماننا ان کو اپنا وکیل و سفارشی سمجھنا) کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سوا ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے“ تقویت الایمان ص ۷

ہوئے عرض کرتے ہیں:

واناديہ متضرعاً بحبيبه اليه متذرعاً ترجمہ: اس کے حبیب کو وسیلہ بنا کر اور امید وار رحمت ہو کر اس کی بارگاہ میں بصد تضرع التجا کرتا ہوں۔  
(باغی ہندوستان، ص ۸۲)

اسی میں آگے کہتے ہیں:

آمین بحرمة حبيبك الامان الامين والہ الميامين وصحبہ  
المحامين ترجمہ: اپنے حبیب امین اس کی آل طاہرین اور اس کے صحابہ  
مخلفین دین کے صدقے میں ہماری سن لے۔ (مرجع سابق ص ۸۴)

اسی طرح قصیدہ ہمزیہ میں شعر نمبر ۱۱۲/۱ سے لے کر ۱۵۴/۱ تک ۴۳ اشعار میں حضور اکرم علیہ السلام کی نعت اور ان کے آل و اصحاب کی منقبت ایسے پیرائے میں نظم کی ہے جو شاہ اسماعیل دہلوی کی ”تقویت الایمانی توحید“ سے میل نہیں کھاتی، اس کے بعد ۱۵۵/۱ ویں شعر میں یوں استعانت اور طلب شفاعت کرتے ہیں: (۲۳)

ترجمہ: اے رحمت عالم اس شخص پر رحم کیجیے جس کے لیے زمانے میں کہیں رحم نہیں، میں آپ پر قربان، اس قیدی پر احسان فرمائیے جس پر نہ کوئی رحم کرنے والا ہے اور نہ اس کے پاس فدیہ و احسان ہے، ناامیدی اور تاخیر کے بغیر اس کی شفاعت فرمائیے، کیوں کہ زمین اور اس کے وسیع و عریض اطراف و اکناف اس کے لیے تنگ ہو چکے ہیں۔ (باغی ہندوستان ص ۱۰۰/۱۰۱)

اس کے بعد پھر ۱۵۸/۱ سے لے کر ۱۶۱/۱ تک ۴ اشعار اسی قسم کی استعانت اور طلب رحمت پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح دوسرے قصیدے میں ۷۴ ویں شعر میں یوں اللہ سے دعا کرتے ہیں: (۲۴)

ترجمہ: اے پروردگار اس عاجز و خستہ کو ستودہ صفات احمد و حمداً ﷺ کے طفیل کافر دشمنوں کے چنگل سے نکال۔ (باغی ہندوستان، ص ۱۱۴/۱۱۵)

اس کے بعد پھر ۱۸۱ اشعار نعت رسول اور منقبت آل و اصحاب پر مشتمل ہیں، یہ بھی ایسے ہیں کے شاہ اسماعیل دہلوی کے نظریہ توحید سے لگا نہیں کھاتے، اس کے بعد ۹۳ ویں شعر میں اس طرح



حضور ﷺ کی بارگاہ میں استعانت کرتے ہیں: (۲۵)

ترجمہ: اے مخلوق کے سردار، اور اخلاق میں سب سے بہتر، امیدوں کے بہترین سہارے، اور تمام اہل سخاوت سے بلند مرتبہ رکھنے والے، میں آپ پر قربان، مجھ پر رحم فرمائیے اور مجھے بخشش سے نوازئیے، اپنی عطا سے میری مشقتوں اور غموں کی تلافی کیجیے، اے جود و عطا کے مالک مجھ پر رحم کرتے ہوئے خدا سے میری سفارش کیجیے کہ مجھے جلا وطنی اور قید تنہائی کی مصیبت و آزمائش سے نجات دے (باغی ہندوستان، ص ۱۱۶ تا ۱۱۹)

کیا ان اشعار کے بارے میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کے قلم سے نکلے ہوں گے جو تقویت الایمان کے مندرجات سے اتفاق رکھتا ہو، اس کے مصنف کو حق پر سمجھتا ہو؟ اور مصنف تقویت الایمان کی مخالفت پر نادم بھی ہو؟

اب اس بحث کے آخر میں یہ لطیفہ بھی سن لیں کہ یہ رسالہ اور یہ قصائد انڈمان سے اور کوئی نہیں بلکہ خود مفتی عنایت احمد کا کوروی صاحب لے کر آئے تھے جو بقول شخصے اپنے ساتھ یہ خبر بھی لائے کہ ”مولوی فضل حق صاحب بہت نادم تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی ہے کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا۔“

چہ دلا اور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل دہلوی کے درمیان نزاع کا احوال آپ نے ملاحظہ کیا، شاہ صاحب کے بارے میں علامہ کا سخت موقف اور رویہ بھی آپ نے خود علامہ کی تحریروں سے ہی دیکھ لیا، جس سے ان دونوں حضرات کے درمیان اختلاف کی نوعیت واضح ہوگئی، لیکن اس کے باوجود بعض محققین نے شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے درمیان ہونے والی معرکہ آرائی کو محض علمی اور فقہی اختلاف ثابت کرنے کی سعی کی ہے، جس سے ہمیں اتفاق نہیں ہے، لہذا اس بحث کے آخر میں ان اہل قلم کی اس کوشش کا علمی تجزیہ بے محل نہیں کہا جاسکتا۔ قدیم و جدید بہت سے اہل قلم نے یہ بات لکھی ہے، مثال کے طور پر سید عبدالباقی سہسوانی لکھتے ہیں:

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید اور مولانا فضل حق صاحب سے چند مسائل

اعتقادِ امکانِ نظیر وغیرہ میں تحریری بحثیں ہوئیں اور ایک مدت تک باہم چھیڑ چھاڑ عالمانہ رہی۔ مولانا نے دلائلِ منطقیانہ و فلسفیانہ بہت صرف کیے۔ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید نے رسالہ ”یک روزیہ“ میں ان کا رد و ابطال کیا۔ فریقین میں کسی نے اپنے مخالف کی تکفیر و تفسیق نہیں کی۔ (حیات العلماء: ص ۴۰)

اس سلسلے میں سید عبدالباقی سہسوانی معذور ہیں کیوں کہ حیات العلماء کی تالیف کے زمانے تک علامہ کی کتاب تحقیق الفتویٰ شائع نہیں ہوئی تھی ☆ اگر وہ تحقیق الفتویٰ دیکھ لیتے تو یہ نہ لکھتے کہ ”فریقین میں کسی نے اپنے مخالف کی تکفیر و تفسیق نہیں کی“، سید عبدالباقی کی یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ علامہ فضل حق نے ”دلائلِ منطقیانہ و فلسفیانہ بہت صرف کیے“، اور شاہ اسماعیل نے ”رسالہ یک روزیہ میں ان کا رد و ابطال کیا“ اس عبارت کے بین السطور سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو یہ کہ علامہ فضل حق کے پاس محض منطقی و فلسفی دلیلیں تھیں، کتاب و سنت کے دلائل سے ان کا دامن خالی تھا، دوسرے یہ کہ شاہ صاحب نے رسالہ یک روزی لکھ کر بحث کو آخری حد تک پہنچا دیا، حالانکہ تحقیق الفتویٰ کے مواد علمیہ کا تجزیہ کر کے ہم دکھا چکے ہیں کہ علامہ نے کس طرح کتاب و سنت اور ائمہ کے حوالوں سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے، رسالہ یک روزی کے دلائل نقلی و عقلی پر علامہ نے جو گرفتیں کی ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہیں، اب آپ سید صاحب کے اس فرمان کی قدر و قیمت خود ہی متعین کر لیں۔

درحقیقت علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان ہونے والا اختلاف اس قدر دقیق علمی نکات پر مشتمل ہے کہ اس کی تہہ تک پہنچنا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہے، جب تک علم کلام و عقائد کی اصطلاحات سے گہری واقفیت اور اصول شرعیہ و فقہیہ پر خاطر خواہ نظر نہ ہو اس اختلاف کی نزاکت، اہمیت، اور حساسیت تک آدمی کی رسائی نہیں ہو سکتی، اسی لیے وہ حضرات جن کی نظر علوم دینیہ میں گہری اور پختہ نہیں ہوتی وہ عام طور پر غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، پھر دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے اہل قلم اور محققین جو اس نزاع کے سلسلے میں بے دھڑک اپنی رائے کا اظہار

---

☆ حیات العلماء کے مرتب و مدون ڈاکٹر حنیف نقوی کے بقول ”حیات العلماء کی تسوید و ترتیب کا کام سنہ ۱۹۱۴ء کے اوائل میں شروع ہوا اور سنہ ۱۹۱۹ء کے ربیع ثالث میں اختتام کو پہنچا“، دیکھیے: مقدمہ حیات العلماء از مرتب ص ۱۸۔

کر رہے ہیں ان کی نظر سے تقریر اعتراضات، رسالہ یک روزی، تحقیق الفتویٰ اور رسالہ امتناع النظر نہیں گزرا، گویا انہوں نے براہ راست اصل ماخذ کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ مسلکی فرقہ بندیوں کے زمانے میں لکھے جانے والے تیسرے اور چوتھے درجے کے ماخذ و مراجع پر اعتماد کر لیا، عام اہل قلم کو جانے دیجیے کم از کم اہل تحقیق کا تو یہ شیوہ نہ ہونا چاہیے، معروف صحافی اور معاصر قلم کار جناب شمیم طارق کی یہ بات ہمیں پسند آئی کہ جب ان کی کتاب ”غالب اور ہماری تحریک آزادی“ کے رد میں بعض ایسے لوگوں نے تبصرے لکھے جو اس اہم ادبی مسئلہ پر رائے زنی کی خاطر خواہ اہلیت نہیں رکھتے تھے تو شمیم طارق نے ان کے ان تبصروں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، کیوں کہ بقول شمیم طارق ”یہ تبصرے ایسے لوگوں کے لکھے ہوئے تھے جن کا غالب، عہد غالب اور غالبیات سے تعارف ابھی باقی ہے“، مگر ہمیں افسوس ہے کہ اسی کتاب میں علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل کے اختلاف پر کلام کرتے ہوئے خود شمیم طارق اس زریں اصول پر کار بند نہ رہ سکے، اگر کوئی محقق علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل کے دقیق علمی اور شرعی اختلاف پر اظہار رائے کا حوصلہ کرے تو کم از کم فضل حق، تصانیف فضل حق اور خیر آبادیات سے اس کا خاطر خواہ تعارف ہونا ضروری ہے، غالب کے چند خطوط میں علامہ کا ذکر اور حالی کی ”یادگار غالب“ کے دو چار واقعات ”فضل حق شناسی“ کے لیے مطلوبہ بنیاد فراہم نہیں کرتے، علامہ اور شاہ اسماعیل دہلوی کے اختلاف کے بارے میں شمیم طارق لکھتے ہیں:

اس قسم کے علمی فقہی نوعیت کے اختلاف کو جن لوگوں نے عوامی انتشار پھیلانے کے لیے استعمال کیا ہے وہ دراصل انگریزوں کے ہمنوا و معاون تھے، اور چاہتے تھے کہ عوام میں جذبہ جہاد پیدا کر کے انہیں انگریزوں کے خلاف میدان جنگ میں اتارنے والے علما کو اتنا بدنام کر دیں کہ وہ ان کی آواز پر کان نہ دھریں، اسی لیے مولانا فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل شہید کو ایک دوسرے کے مخالف کے طور پر پیش کیا جاتا رہا حالانکہ یہ دونوں ایک ہی نسبی اور علمی سلسلہ کی کڑی تھے، اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کوئی کدورت نہیں تھی، دونوں کے درمیان بعض علمی اور اعتقادی

مسائل میں اختلاف ضرور پیدا ہوئے لیکن یہ ایسے اختلافات نہیں تھے جن کو ذاتی یا شخصی اختلاف کی شکل میں پیش کیا جاتا ایسے اختلافات تو غالب اور مولانا فضل حق میں بھی تھے، حالی کا بیان ہے کہ مولانا فضل حق مرحوم مرزا کے بڑے گاڑھے دوست تھے۔ (غالب اور ہماری تحریک آزادی: ص ۴۰)

اس کے بعد حالی کی یادگار غالب کے حوالے سے غالب کی اس مشہور مثنوی کا ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے علامہ کے کہنے سے امتناع نظیر کا مسئلہ بیان کیا تھا، اس کے بعد لکھتے ہیں:

علمی اور اعتقادی مسائل میں اختلافات کے باوجود جب مولانا فضل حق خیر آبادی اور غالب کی گہری دوستی تسلیم کی جاتی رہی ہے تو مولانا فضل حق اور شاہ اسماعیل شہید کے علمی فقہی اختلافات کو ان کے رشتہ اخلاص کے رد میں کیوں کر پیش کیا جاسکتا ہے۔ (مرجع سابق، ص ۴۱)

اس پر ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ علامہ اور شاہ اسماعیل کے نزاع کے سلسلہ میں یہ رائے فضل حق، تصانیف فضل حق اور خیر آبادیات سے تعارف حاصل کیے بغیر نوک قلم پر آگئی ہے، ورنہ ان دونوں حضرات کے درمیان ”رشتہ اخلاص“ کا حال آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، ہم محترم شمیم طارق کو علامہ فضل حق کی تحقیق الفتویٰ اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں، علامہ کے قصائد فقہیہ الہند کا ترجمہ شمیم طارق نے اپنی اسی کتاب میں شامل کیا ہے، آپ شاہ اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے آئینہ میں علامہ کے ان قصائد ہی کو دیکھ لیں تو علامہ فضل حق پر لے درجے کے بدعتی اور ابو جہل کے برابر مشرک نظر آئیں گے اور اگر آپ تحقیق الفتویٰ کی روشنی میں تقویت الایمان کا مطالعہ کریں تو شاہ اسماعیل کافر، بے دین اور واجب القتل نظر آئیں گے، گویا جس چیز کو شاہ اسماعیل دہلوی اعلیٰ تو حید قرار دیتے ہیں وہ علامہ کے نزدیک اہانت رسول ہے جو کفر ہے، اور جس کو علامہ عین حب رسول سمجھ رہے ہیں وہ شاہ صاحب کے نزدیک کھلا ہوا شرک ہے، لہذا خواہ مخواہ اس اعتقادی اختلاف کو محض علمی اور فقہی اختلاف قرار دینا دیانت علمی کے خلاف یا پھر اصل اختلاف سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

ہم پرفیسر یوسف سلیم چشتی (خلیفہ اشرف علی تھانوی) کے اس جملے پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ ”جب تک فضل حق شامل نہ ہو انسان مولانا فضل حق کے مرتبے سے آگاہ نہیں ہو سکتا“۔

مولوی امیر احمد سہسوانی اور مسئلہ امکان نظیر: مولوی امیر احمد سہسوانی ☆ نے مسئلہ امکان نظیر سے متعلق ایک رسالہ علامہ فضل حق کی تردید اور شاہ اسماعیل کی حمایت میں بنام نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل تصنیف کیا، مولوی امیر احمد سہسوانی کے اس رسالے کی وجہ تالیف کے بارے میں سید عبدالباقی سہسوانی (م: ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء) نے ایک عجیب کہانی لکھی ہے، درایتی اصول اور قرآن و شواہد کی روشنی میں اس کہانی کو بعینہ قبول کرنا ذرا مشکل ہے، سید عبدالباقی سہسوانی مولوی امیر احمد سہسوانی کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں:

حضرت شمس العلماء (امیر احمد سہسوانی) جب بتقریب نکاح اول قصبہ خیر آباد میں میر محمد حسن خان بہادر سہسوانی کے مکان پر فروکش تھے مولانا محمد عبدالحق بن مولانا محمد فضل حق خیر آبادی سے ملاقی ہوئے، اور باہم آمد و رفت رہی، مولانا خیر آبادی کے بعض تلامذہ ممتاز بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ایک صحبت میں آپ نے باثنائے تذکرہ علم و فضل مولانا فضل حق مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کے مقابلے میں ان کی نفسانیت و تعصب اور کمزوری بیان فرمائی، یہ واقعہ جب مولانا (عبدالحق خیر آبادی) کے گوش زد ہوا تو نہایت برافروختہ ہوئے اور باہم کشیدگی پیدا ہو گئی، آپ (امیر احمد سہسوانی) نے اپنے اثبات مدعا میں ایک رسالہ مبسوط مسمیٰ ”نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل“ مسئلہ امکان نظیر میں مولانا فضل حق کے رسالے کا رد لکھا اور ان کے خلف الرشید موصوف کی خدمت میں بتوسط بعض اعیان رؤسا بھیجا، مگر صدائے برنخو است کا مضمون دیکھ کر بعد انتظار بسیاں کتاب ہدیہ سعیدیہ وغیرہ مصنفات مولانا فضل حق پر دس اعتراضات منطقیانہ و فلسفیانہ فوری تحریر فرما کر روانہ

---

☆ مولوی امیر احمد سہسوانی (وفات: ۱۳۰۶ھ/۱۸۹۷ء) نے اپنے والد میاں امیر حسن سہسوانی اور دیگر علما سے تحصیل علم کی، عقائد و نظریات میں شاہ اسماعیل دہلوی سے متاثر تھے، آگرہ میں انگریز کی ملازمت کی اور شمس العلماء کا خطاب پایا۔

کیے، اور متقاضی جواب ہوئے، اس کے بعد متعدد مقامات پر آپ نے  
بوساطت اعیان رؤسا مثلاً دہلی میں موقع دربار ۱۸۷۷ء اور لکھنؤ و آگرہ میں  
مولانا (عبدالحق خیر آبادی) سے مطالبہ تحریر جوابات کیا اور ریاست رامپور میں  
بھی تحریک بحث و مناظرہ کی اور اعتراضات متعلق فن معقول رسالہ مطبوعہ  
”تلمک عشرۃ کاملہ“ میں مولوی سید محمد نذیر مرحوم نے جمع فرما کر شائع کیے۔  
(حیات العلماء: ص ۶۲)

مولوی امیر احمد سہسوانی نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی جو ”نفسانیت و تعصب اور کمزوری  
بیان فرمائی“ اس پر تو ہمیں کوئی حیرت نہیں البتہ یہ بات اپنے اندر تعجب خیز ضرور ہے کہ مسئلہ  
امکان نظیر میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے رد میں سہسوانی صاحب نے ”نقض الاباطیل فی الذب  
عن الشیخ اسماعیل“ کے نام سے ایسا محققانہ رسالہ تصنیف فرمایا کہ ”صدائے برنخواست“ کا مضمون  
سامنے آگیا، لیکن جب یہی مولوی امیر احمد سہسوانی (اس رسالے کی تصنیف سے کچھ عرصہ قبل)  
اسی مسئلہ امکان نظیر میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگرد کے شاگرد مولانا عبد الصمد سہسوانی کے  
روبرو ہوئے تو اس نوخیز خیر آبادی فاضل کے سامنے اپنے عقیدے کو کتاب و سنت کے دلائل سے  
ثابت نہ کر سکے ☆۔

پھر لطف کی بات تو یہ ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے درمیان یہ  
بات متفق علیہ تھی کہ حضور ﷺ کی نظیر اور مثل نہ موجود ہے نہ ہو سکتی ہے، اختلاف اس بات میں تھا  
کہ نظیر کیوں نہیں ہو سکتی؟ علامہ کے نزدیک نظیر ممتنع بالذات ہے اس لیے نہیں ہو سکتی، شاہ صاحب  
کے نزدیک ممتنع بالغیر ہے اس لیے نہیں ہو سکتی، مگر مولوی امیر احمد سہسوانی نے ایک تیسری راہ نکالی

☆ اس گفتگو کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ ۲ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ / جنوری ۱۸۷۳ء کو خیر آباد ضلع سیتاپور میں منشی برکت علی خاں  
مرحوم کے مکان پر مولانا عبد الصمد سہسوانی اور مولانا امیر احمد سہسوانی کے درمیان اسی مسئلہ امکان نظیر پر مناظرہ منعقد  
ہوا، جس کی روداد ایک عینی گواہ نعمان احمد نے ”مناظرہ صمدیہ“ کے نام سے اسی زمانے میں شائع کر دی تھی، اس روداد میں  
محفل مناظرہ میں موجود مندرج ذیل حضرات کے تائیدی دستخط موجود ہیں کہ یہ مناظرہ ہماری موجودگی میں ہوا اور روداد  
بالکل درست ہے، غلام محمد ہادی خاں لکھنؤی، سید عزیز احمد سہسوانی، شیخ علی احمد، لطف حسین، محمد عبدالغنی وکیل عدالت، مراد  
علی، ولایت علی، محمد جعفر متولی، محمد ابراہیم حسین وغیرہ۔ دیکھیے مناظرہ صمدیہ: ص ۱۲ تا ۱۵۔

کہ مثل کے ممکن یا ممتنع ہونے کی بات تو درکنار بلکہ:

”میرا عقیدہ یہ ہے کہ چھ آدمی مثل جناب رسول مقبول ﷺ کے فقط ختم

نبوت میں اور چھ زمینوں میں موجود متحقق ہیں“ (مناظرہ صمدیہ: ص ۶)

ان کے والد میاں امیر حسن سہوانی نے ایک قدم اور ترقی کی اور ۶ کی بجائے ۷ امثال کے قائل ہو گئے، اثر ابن عباس نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

یہ حدیث فتح الباری شرح صحیح بخاری، اور تفسیر درمنثور، اور شعب الایمان

وغیرہا میں موجود ہے پس اس صورت میں امکان مثل کیا بلکہ سات مثل

موجود متحقق عالم میں ہیں (افادات ترابیہ: ص ۳۲)

والد و فرزند کا یہ موقف خود شاہ اسماعیل دہلوی کے موقف کے خلاف ہے، ☆ شاہ اسماعیل

لکھتے ہیں: (۲۶)

ترجمہ: اس مقام پر اسی قدر ثابت کرنا مقصود ہے کہ مثل مذکور قدرت الہیہ

کے تحت داخل ہے، مثل مذکور کے وقوع کو ثابت کرنا مقصود نہیں ہے (رسالہ

یک روزی: ص ۱۳۸)

اسی رسالے میں آگے لکھتے ہیں: (۲۷)

ترجمہ: اگر معترض (فضل حق) کا مقصود یہ ہے کہ مثل مذکور کا وقوع بالفعل

مستلزم کذب نص ہے، تو یہ بات مسلم ہے، مگر کسی شخص نے مثل مذکور کے

وقوع بالفعل کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ (رسالہ یک روزی: ص ۱۴۴)

اسی طرح جب علامہ نے کہا کہ مثل مذکور مستلزم کذب باری ہے تو اس کے جواب میں شاہ

اسماعیل نے لکھا: (۲۸)

ترجمہ: ہاں البتہ مثل مذکور کے وقوع کا قول کرنا کذب باری کو جائز ماننا ہے

معاذ اللہ من ذلک، رہا مثل مذکور کے امکان کا قول کرنا پس وہ کذب باری

---

☆ ان والد و فرزند کو اپنے اس موقف پر اتنا اصرار تھا کہ اسی مسئلہ شش مثل پر مولوی امیر احمد سہوانی اور تاج الفول مولانا عبدالقادر بدایونی کے درمیان سنہ ۱۲۸۸ھ میں شیخوپور ضلع بدایوں میں مناظرہ بھی ہوا تھا، والد و فرزند کے اس موقف کی تردید میں کم و بیش ایک درجن مطبوعہ رسائل کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہیں۔

کے امکان کو مستلزم نہیں ہے (رسالہ یک روزی: ۱۴۴)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ساری بحث امکانِ نظیر کی ہے، وقوع یا اثباتِ نظیر کو شاہ اسماعیل بھی غلط قرار دے رہے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک بھی نظیر خاتم النبیین ﷺ بہر حال ممتنع بالغیر ہے، لہذا میاں امیر احمد سہسوانی کے نقطہ نظر سے علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل دونوں کا موقف غلط ہے، پھر مسئلہ امتناعِ نظیر میں صرف علامہ فضل حق کے رسالے کا رد لکھنے کا کیا معنی؟ میاں امیر احمد کو علامہ کے ساتھ ساتھ شاہ اسماعیل کے رسالہ یک روزی کا بھی رد لکھنا چاہیے تھا، سہسوانی صاحب کے زیر بحث رسالے کے نام (نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شاہ اسماعیل کا دفاع کیا گیا ہے، مگر یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب مسئلہ امکانِ نظیر میں آپ کے نزدیک شاہ اسماعیل کا موقف بھی غلط ہے تو اس مسئلہ میں آپ نے ان کا دفاع کیسے کیا ہوگا؟ بہر حال جب تک سہسوانی صاحب کا رسالہ ”نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل“ سامنے نہ ہو اس وقت تک سید عبدالباقی کے اس بیان کو من و عن تسلیم کرنا ذرا مشکل ہے کہ میاں امیر احمد سہسوانی نے مسئلہ امکانِ نظیر میں مولانا فضل حق خیر آبادی کا رد کرتے ہوئے ایسا محققانہ رسالہ تصنیف فرمایا کہ صدائے برنحو است کا مضمون سامنے آگیا۔

اس روایت کے مطابق ہدیہ سعیدیہ وغیرہ پر مولوی امیر احمد سہسوانی نے جو ”منطقیانہ اور فلسفیانہ اعتراضات“ فوری تحریر فرما کر روانہ کیے تھے، سید عبدالباقی سہسوانی کے بیان سے ایسا لگتا ہے کہ وہ بھی لا جواب رہے، مگر آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے کہ مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے ہدیہ سعیدیہ پر کچھ اعتراضات کیے تھے ان کے جواب میں ایک نہیں بلکہ تین تین فضلاء خیر آباد نے قلم اٹھایا اور ان کے معقول جوابات دے دیے، لہذا یہ باور کرنا ذرا مشکل ہے کہ مولوی امیر احمد سہسوانی کے اعتراضات کے جواب میں کوئی خیر آبادی فاضل سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکا، جب کہ یہ وہ وقت تھا کہ خیر آبادی سلسلہ کے جید علما اور بہترین دماغ موجود تھے، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ معقولات میں مولوی امیر احمد سہسوانی کا وہ علمی مقام و مرتبہ نہیں تھا جو مفتی سعد اللہ مراد آبادی کو حاصل تھا، جب مفتی سعد اللہ جیسے معقولی کے اعتراضات کو فضلاء خیر آباد نے پرکاش کے برابر اہمیت نہیں دی تو بھلا مولانا امیر احمد سہسوانی کے اعتراضات کی ان کے سامنے کیا وقعت



ہوتی، بہر حال ان کا رسالہ ”تک عشرۃ کاملہ“ ہمارے سامنے نہیں ہے کہ ان کے اعتراضات دیکھ کر ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جائے، ہاں البتہ یہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ مولوی امیر احمد سہسوانی کے ان دس اعتراضات کو مرزا حیرت دہلوی نے ۱۳۰۰ (تیرہ سو) اعتراضات قرار دے دیا، حیات طیبہ میں لکھتے ہیں کہ:

مولانا فضل حق کی نظم و نثر پر مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے تیرہ سو اعتراض کیے تھے، اور مولانا سید احمد رامپوری نے ان ۱۳ سو اعتراضات کو ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے اس کا نام تیرہ صدی رکھا تھا (حیات طیبہ ص ۱۰۰، بحوالہ فضل حق اور سن ستاون: ص ۱۱۷)

اس پر حکیم محمود احمد برکاتی نے راست تنقید فرمائی کہ:

مرزا حیرت کا یہ بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ حقیقت میں مبالغے کا عنصر شامل کر دینے میں چابک دست واقع ہوئے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ایک اہل حدیث عالم شمس العلماء مولوی امیر احمد سہسوانی نے مولانا فضل حق کی کتاب الہدیۃ السعیدیہ وغیرہ پر دس اعتراضات ”تک عشرۃ کاملہ“ کے نام سے ایک رسالہ میں لکھے تھے، اور مولوی سید محمد نذیر نے رامپور میں یہ رسالہ طبع کرایا تھا، دس کو تیرہ سو لکھ کر مرزا حیرت نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی تحریر میں صداقت کا عنصر ۱۳۰۰/۱ ہوتا ہے۔ (مرجع سابق: ص ۱۱۷)



## علامہ فضل حق خیر آبادی اور سید حیدر علی ٹونکی

یہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ تحقیق الفتویٰ کے منظر عام پر آنے کے چند ماہ بعد شاہ اسماعیل دہلوی دہلی سے روانہ ہو گئے تھے، اور ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں ان کا انتقال ہوا، لہذا تحقیق الفتویٰ کا کوئی جواب اس وقت منظر عام پر نہیں آسکا، شاہ صاحب کے انتقال کے تقریباً ۲۰ برس بعد سید حیدر علی ٹونکی ☆ میدان میں آئے، اور انہوں نے تحقیق الفتویٰ کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف کیا، یہ رسالہ اب تک ہماری نظر سے نہیں گزرا، اور نہ ہی اس کا نام معلوم ہو سکا، ☆ سید حیدر علی ٹونکی کے اس رسالے کا ایک جواب علامہ کے شاگرد مولانا شاہ عبدالحق کانپوری (وفات: ۱۳۱۲ھ/

☆ سید حیدر علی ٹونکی بن عنایت علی بن فضل علی الحسینی تیرہویں صدی کے اوائل میں دہلی میں پیدا ہوئے، مولوی عبدالرحمن قہستانی، مولوی غلام جیلانی رامپوری، مولوی رستم علی رامپوری، اور مولانا مبین بن محبت اللہ فرنگی محلی وغیرہ سے اخذ علم کیا، سند حدیث شاہ رفیع الدین (بعض تذکرہ نگاروں کے بقول شاہ عبدالعزیز دہلوی) سے حاصل کی، ایک زمانے تک رامپور میں قیام پذیر رہے اس لیے رامپوری کہلائے، بعد میں ایک مدت تک ریاست ٹونک میں طبابت اور تدریس کی اس لیے ٹونکی مشہور ہوئے، سید احمد رائے بریلوی کے مرید و خلیفہ تھے اس لیے شاہ اسماعیل دہلوی کے پرزور حامی رہے، علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے رد میں رسائل تصنیف کیے، ۱۲۷۲ھ/۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا (صاحب نزہۃ الخواطر نے سند وفات ۱۲۷۳ھ لکھا ہے) تفصیل کے لیے دیکھیے: نزہۃ الخواطر: ج ۷ ص ۱۷۲/۱۷۳، تذکرہ علمائے ہند: ص ۱۷۵/۱۷۶، تذکرہ کالمات رامپور: ص ۱۱۸/۱۱۹۔

☆☆ ہمارے بعض بزرگ محققین نے سید حیدر علی ٹونکی کے اس رسالے کا نام ”صیانة الناس من وسوسة الخناس“ تحریر کیا ہے، مگر ہمیں اس میں قدرے تاثر ہے، ابجد العلوم، نزہۃ الخواطر اور تذکرہ علمائے ہند میں ٹونکی صاحب کی تصانیف کے ذیل میں صیانة الناس نامی کسی رسالے کا ذکر نہیں ہے، البتہ مذکورہ تینوں کتابوں میں ایک رسالے صیانة الاناس کا ذکر کیا گیا ہے، مگر صیانة الاناس علامہ فضل حق کی تحقیق الفتویٰ کے جواب میں نہیں بلکہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی کتاب فصل الخطاب (مقولات عشر) کے جواب میں لکھا گیا تھا، یہ رسالہ ہمارے پیش نظر ہے، جو فخر المطالع نے ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوا ہے، ممکن ہے کہ صیانة الاناس اور صیانة الناس دو الگ الگ رسالے ہوں، پہلا فصل الخطاب کا جواب اور دوسرا تحقیق الفتویٰ کا رد، اور یہ بھی ممکن ہے کہ صیانة الاناس ہی کو صیانة الناس سمجھ لیا گیا ہو، دوسرا احتمال زیادہ قرین قیاس ہے۔

۱۸۹۴ء تا ۱۸۹۵ء) نے دیا، مولوی عبدالستار ”فتویٰ تکفیر“ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

مولوی حیدر علی ٹونکی نے بعد مدت دراز اس کا جواب لکھ کر آپ (خود) کو رسوا کیا، فضیلت پناہ کمالات دستگاہ مولوی شاہ عبدالحق صاحب خلف الصدق حقائق آگاہ معارف پناہ جناب عبدالرسول صاحب کانپوری سلمہما اللہ نے کہ شاگرد خاص ہیں جناب ہدایت مآب صاحب تحقیق الفتویٰ کے رد جواب جیسا چاہیے ویسا لکھا (تحقیق الفتویٰ: ص ۲۵۲)

مولانا عبدالحق کانپوری کا یہ رسالہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

مولانا شاہ عبدالصمد سہسوانی (وفات: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید حیدر علی ٹونکی نے تحقیق الفتویٰ کے جواب میں دو رسالے لکھے تھے، ایک مختصر جس کا جواب بدایوں سے دیا گیا اور دوسرا قدرے تفصیلی جس کا جواب مولانا عبدالحق کانپوری نے دیا، لکھتے ہیں:

بعد مدت دراز مولوی حیدر علی نے ایک رسالہ مختصرہ صغیرہ بنام نہاد جواب تحقیق الفتویٰ کے لکھا کہ وہ رسالہ بتوسط منشی اظہار حسین صاحب سہسوانی کے بدایوں میں پہنچا اور جواب اس کا لکھا گیا کہ بتوسط اہل سہسوان مولوی حیدر علی کے پاس پہنچا اور انہوں نے جواب اس کا تو نہ لکھا مگر بعد مدت پھر تحقیق الفتویٰ کا جواب کبیر لکھا اور اس میں اکثر اعتراضات مولوی فضل حق صاحب سے کلام مولوی اسماعیل پرسکوت کیا چند اعتراضوں کا جواب پریشان دیا، مولوی عبدالحق صاحب بن شاہ عبدالرسول صاحب کانپوری تلید مولوی فضل حق صاحب نے اس کا جواب نہایت بسط کے ساتھ لکھا، اس کا جواب بھی مولوی حیدر علی یا ان کے اتباع سے نہ ہوسکا۔ (افادات صمدیہ: ص ۱۹/۲۰)

سید حیدر علی ٹونکی کے رسالہ صغیرہ کے جواب میں بدایوں سے جو رسالہ لکھا گیا تھا اس کا مخطوطہ کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے، یہ فارسی میں ۴۱/اوراق (۸۱ صفحات) کا رسالہ ہے، اس پر مصنف کا نام درج نہیں ہے، اسلوب تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا ہے، اگرچہ رسم الخط آپ کا نہیں ہے، حمد و صلاۃ کے بعد مصنف رسالہ لکھتے ہیں: (۲۹)

ترجمہ: برادر صاحب گرامی مرتبت اعز و ارشد نور العین شیخ اظہار حسین  
(اسعدہ اللہ فی الدارین)

بعد سلام مسنون، فاضل کامل رأس المدققین سند المحققین لوزعی المعی مولوی  
حیدر علی رامپوری زاد افادۃ کی وہ تحریر خاکسار کو عنایت کی جو اُس فتوے کے  
رد میں ہے جو امام زماں فرید دوراں الاستاذ المطلق مولوی فضل حق ازداد  
برکاتہ کی فکر صامت اور ذہن ثاقب کا نتیجہ ہے، جو انہوں نے شفاعت کے  
بیان میں تقویت الایمان کی ایک عبارت کے متعلق دیا تھا، جو کچھ میرے  
شکستہ خیال میں آیا اس کے اظہار کا اصرار کیا گیا، تو حال یہ ہے کہ مولوی فضل  
حق صاحب علمی کمالات کی جامعیت اور از اول تا آخر علوم عقلیہ و نقلیہ کے  
احاطہ میں اس زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے الا ماشاء اللہ، جو کچھ میں نے  
دیکھا اور سنا ہے وہ یہی ہے باقی پوشیدہ باتوں کو تو اللہ ہی جانتا ہے، اُس  
زمانے میں کہ جب انہوں نے یہ فتویٰ لکھا تھا اس فرقے کے ارکان اور اس  
طائفے کے اعیان جو اس کے شروع کرنے والے اور بانی مبنی تھے وہ خود  
موجود تھے، انہوں نے (اس فتوے کی وجہ سے) کیا کیا رنج نہ اٹھائے اور کیا  
کیا بیچ و تاب نہ کھایا، اور کتنا جگر خون نہ کیا مگر مقابلے کی تاب نہ لا کر ساکت  
ہو گئے الخ (رسالہ تردید حیدر علی ٹوکنی قلمی: ورق ارف)

رسالہ امتناع الظہیر: مولانا ٹوکنی کے سابق الذکر رسالے کے جواب میں خود علامہ نے قلم اٹھایا،  
اور رسالہ ”امتناع الظہیر“ تصنیف کیا، یہ رسالہ فارسی میں ہے، امتناع الظہیر کے علامہ کی تصنیف  
ہونے پر شبہ ظاہر کیا جاتا ہے، اس شبہ کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ”رسالے کا آغاز ان الفاظ میں  
ہوتا ہے ”افاد استاذنا العلام“، اس کے علاوہ رسالہ میں جہاں بھی سید حیدر علی ٹوکنی کے اقوال ذکر  
کیے گئے ہیں ان کا جواب عموماً اس قسم کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے، قال الاستاذ العلامہ، افاد  
الاستاذ العلامہ، قال الاستاذ مدظلہ، افاد استاذی العلام، افاد استاذنا وغیرہ، اس سے اشارہ ملتا ہے  
کہ یہ رسالہ علامہ کا نہیں بلکہ ان کے کسی شاگرد کا ہے، مگر ہمارے خیال میں یہ محض ایک شبہ ہے،

داخلی اور خارجی دونوں قسم کے شواہد سے یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ رسالہ امتناع النظیر علامہ ہی کی تصنیف ہے۔

دراصل سید حیدر علی ٹوکنی اور علامہ کے درمیان علم و فضل کے حوالے سے کوئی مناسبت نہیں تھی، غالباً براہ راست ان کو مخاطب کرنا علامہ نے اپنی شان کے خلاف سمجھا ہو، اسی لیے یہ رسالہ اپنے شاگرد مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے نام سے مشتمل کر دیا، حکیم نصیر الدین اجیری (برادر زادہ مولانا معین الدین اجیری) سلسلہ خیر آباد کے ایک ثقہ بزرگ اور محرم راز تھے، اس سلسلے میں ان کا یہ بیان اہمیت رکھتا ہے:

یہ کتاب (امتناع النظیر) حضرت علامہ مرحوم نے دراصل اپنے تلمیذ رشید مولانا ہدایت اللہ جو پوری کے نام سے ارقام فرمائی تھی، مولانا ہدایت اللہ صاحب کی دیانت اس امر کی متقاضی نہیں ہوئی کہ وہ حضرت علامہ کی کتاب اپنی ذات سے منسوب کریں، اس لیے انہوں نے اپنے شاگرد رشید مولانا سلیمان اشرف بہاری کے اصرار پر مصنف کا اصل مسودہ ہی مولانا سلیمان اشرف کے حوالے کر دیا، یہ جملہ باتیں مجھے مولانا سلیمان اشرف مرحوم ہی سے معلوم ہوئیں (امتیاز حق: ۱۷۰)

یہ ایک ثقہ کی روایت ہے جو سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے اس کو اس معاملہ میں ایک اہم شہادت تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے پاس اس کا وہ اصل نسخہ تھا جو خود علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، یہی نسخہ انہوں نے اپنے شاگرد مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کو عنایت کیا ☆ جو انہوں نے اگست ۱۹۰۸ء میں جو پور سے شائع کیا، اس اشاعت میں بحیثیت مصنف علامہ ہی کا نام ہے۔ اس سے قطع نظر ایک اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ رسالہ علامہ کا نہیں ہے بلکہ ان کے کسی شاگرد کا ہے تو

---

☆ دیکھیے امتناع النظیر: ص ۳۳۵۔ مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی کے بقول علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ مسودہ کتب خانہ حبیب گنج میں موجود ہے (باغی ہندوستان: ص ۱۹۲) کتب خانہ حبیب گنج مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں حبیب گنج کلیکشن کے نام سے ضم کر دیا گیا ہے، ممکن ہے یہ نسخہ اب بھی وہاں موجود ہو۔

پھر علامہ کے ہاتھ کے مسودے کی کیا توجیہ کی جائے گی؟ یہ تو عموماً ہوتا ہے کہ اساتذہ کی کتابیں ان کے شاگرد نقل کرتے ہیں، مگر شاید یہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال ہوگی کہ ایک استاذ نے اپنے شاگرد کا رسالہ اپنے ہاتھ سے نقل کر کے محفوظ کیا، اس رسالے کا مسودہ علامہ کے قلم سے ہونا ہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ رسالہ علامہ کا تصنیف کردہ ہے، ہمارے خیال میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسالے کا علمی مواد علامہ کا ہے اور ان کے ہی الفاظ و عبارت میں ہے، مولانا ہدایت اللہ رامپوری نے علامہ کے اس مواد علمیہ اور ان کی عبارتوں کو جمع کر دیا ہے، گویا رسالے کے اصل مصنف علامہ ہی ہیں، ہاں مولانا ہدایت اللہ رامپوری کی حیثیت ایک جامع و مرتب کی مانی جاسکتی ہے، اگر اس بات کو آپ تسلیم کرتے ہیں (اور تسلیم نہ کرنے کی بظاہر کوئی معقول وجہ نہیں) تو اس معاملے کو ایک اور زاویے سے دیکھیں، رسالے کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ پہلے سید حیدر علی ٹونکی کے اقوال درج کیے گئے ہیں اس کے بعد قال الاستاذ العلامة، افاد الاستاذ العلامة، قال الاستاذ مدظلہ وغیرہ لکھ کر علامہ کی عبارت نقل کی گئی ہے، ٹونکی صاحب کی عبارت عموماً چند سطروں کی ہے اور جواب میں علامہ کی عبارت ۱ صفحہ ۲ صفحہ اور کبھی اس سے بھی زیادہ کی ہے، ۳۳۶ صفحات کے (مطبوعہ) رسالے میں سے اگر آپ حیدر علی ٹونکی اور علامہ کی عبارتیں نکال دیں تو شاید بمشکل ۱۰ صفحات باقی رہ جائیں گے جو جامع و مرتب کے کہے جاسکتے ہیں، جن عبارتوں کو ہم علامہ کی عبارتیں کہہ رہے ہیں ان کے بارے میں یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ علامہ کے قلم کی نہیں ہیں بلکہ علامہ کے مواد علمی کو جامع و مرتب نے اپنے الفاظ میں تعبیر کیا ہے لہذا یہ عبارتیں علامہ کی نہیں بلکہ جامع و مرتب کی ہیں، یہ شبہ وہی کر سکتا ہے جو علامہ کے اسلوب نگارش، تنقیدی لب و لہجے اور دلائل کے انداز سے نا آشنا ہو، رسالہ امتناع النظیر فارسی میں ہے، ہمارے سامنے علامہ کی فارسی نثر کے نمونے کے طور پر تحقیق الفتویٰ اور وہ مکاتیب ہیں جو مفتی آزرہ اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے نام لکھے گئے ہیں، ان کے اسلوب کو ذہن میں رکھ کر رسالہ امتناع النظیر کا مطالعہ کیا جائے تو ہر سطر اس بات کی گواہی دیتی نظر آئے گی کہ یہ علامہ کے رشحات قلم ہیں جو ان کی فکر عالی کا نتیجہ ہیں۔

سید حیدر علی ٹونکی کے جس رسالے کے جواب میں علامہ نے امتناع النظیر لکھی اس کے

بارے میں ایک بات حکیم محمود احمد برکاتی نے یہ لکھی ہے کہ:

اس (تحقیق الفتویٰ) کے ایک عرصے بعد مولوی حیدر علی رامپوری نے اس موضوع پر قلم اٹھایا جس کا لب و لہجہ اور زبان اب تک فریقین کی تحریروں کے برعکس عالمانہ اور شائستہ نہیں تھی، علامہ نے اس کے جواب میں امتناع النظیر کے نام سے کتاب لکھی (سفر اور تلاش: ۵۷)

غالباً یہ اسی کا رد عمل ہے کہ تحقیق الفتویٰ کے مقابلے میں امتناع النظیر میں علامہ نے قدرے سخت زبان استعمال کی ہے، سید حیدر علی ٹوکنی کا وہ رسالہ تو پیش نظر نہیں ہے کہ ان کی شائستگی کے نمونے پیش کیے جائیں، البتہ ان کا رسالہ ”صيانة الاناس“ پیش نظر ہے جو انہوں نے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے جواب میں لکھا تھا، اس میں موصوف نے جو شائستہ زبان استعمال کی ہے ☆ اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے علامہ کے خلاف کس قسم کا لب و لہجہ روا رکھا ہوگا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

قصیدہ ہجو یہ: ٹوکنی صاحب نے اپنے رسالے میں شاہ اسماعیل کی تعریف اور علامہ کی ہجو میں ایک شعر لکھا تھا:

اتھجو عالمابراً تقياً وعندالله فى ذاك انتقام

اس کے جواب میں علامہ نے فی البدیہہ ۱۱۴ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ نظم کیا، جو صنائع و بدائع سے مرصع اور عربی شاعری کا ایک شاہکار ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ٹوکنی صاحب نے علامہ کی ہجو میں مکمل قصیدہ نظم کیا تھا جس کے جواب میں علامہ نے قصیدہ کہا، ہمارے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے، ٹوکنی صاحب نے مکمل قصیدہ نہیں لکھا تھا بلکہ صرف یہی ایک شعر لکھا تھا، رسالہ امتناع النظیر میں اس شعر سے پہلے ان کی جو عبارت نقل کی گئی ہے ☆☆ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے، اور خود علامہ کے قصیدے کا درج ذیل شعر بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے، اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ یہ شعر ٹوکنی صاحب کا نہیں ہے بلکہ ان کے مشائخ میں سے کسی کا ہے، علامہ کہتے ہیں:

☆ دیکھئے ضمیمہ، صفحہ 236

☆☆ درجوابش بیک بیت اکتفا رفت: امتناع النظیر ص ۳۰۲

اتنشد یا کھام علیٰ بیتاً

افاد کہ مشائنک الکھام

(ترجمہ: اے بزدل! کیا تم مجھے شعر سناتے ہو؟) (اور وہ بھی) اپنے گونگے مشائخ سے سیکھ سکھا کر)  
یہ قصیدہ علامہ کے رسالہ امتناع النظیر میں شائع ہوا ہے (امتناع النظیر: ص ۳۰۳ تا ۳۱۹)  
اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہے، جس کا تعارف نوادرات کے ضمن میں  
مذکور ہے۔

**فتویٰ تکفیر:** کوئی مولوی عبدالستار صاحب تھے جو ابتدا میں شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد و نظریات  
سے متاثر تھے بعد میں ان کے مسلک کو ترک کر کے علمائے اہل سنت کے ساتھ ہو گئے، انہوں نے  
سید حیدر علی ٹونکی کے سابق الذکر رسالے کی چند عبارتیں جمع کر کے ایک استفتا کیا، کسی عالم نے  
اس کا جواب دیا جس پر مشاہیر علما نے تائیدی دستخط کیے، پھر مولوی عبدالستار نے اس فتوے کو  
شائع کروادیا، اس کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

خاکسار عبدالستار نے چند باتیں اس سے التقاط کر کے استفتا مرتب کیا،  
علمائے دین دار نے مہر و دستخط سے مزین فرمایا، خاکسار ابتداءً زمان شہرت  
تقویت الایمان سے اس طرف راغب تھا، یہ مباحثات و مناظرات سبب  
ہوئے اس کی ہدایت کے اور طریقہ اسماعیلیہ سے تائب ہوا اور باعث ہوا اس  
کی طبع و اشاعت کا کہ جیسے میں اشتباہ میں تھا اور بہت لوگ ہیں تو جس طرح  
مجھ کو ہدایت ہوئی اور وہ کو بھی ہو۔ (تحقیق الفتویٰ: ص ۲۵۲)

اس استفتا میں ۱۵ سوالات تھے جو امکان کذب و امتناع نظیر سے متعلق ہیں، اس فتوے کے آخر  
میں یہ عبارت درج ہے:

در مطبع الہدایہ متصل طویلہ دارا گزر کشمیری دروازہ باہتمام سید ہادی  
مہتمم طبع گردید سنہ ۱۲۶۹ ہجری

تحقیق الفتویٰ کے ہندوستانی ایڈیشن (دارۃ المعارف الامجدیہ گھوسی، ۱۹۸۲ء) کے آخر  
میں (ص ۲۵۲ تا ص ۲۷۰) اس فتوے کا عکس شائع کر دیا گیا ہے، فتوے کے مطبوعہ نسخے میں



بحیثیت مصنف کسی کا نام نہیں ہے، مہر تصدیق کرنے والوں میں ایک نام ”جناب مولانا محمد فضل حق صاحب“ بھی ہے، مگر مندرجہ ذیل وجوہ کی بنیاد پر ایسا لگتا ہے کہ یہ فتویٰ علامہ کے زور قلم کا نتیجہ ہے:

(۱) اس فتوے کے جواب میں سید حیدر علی ٹوکنی نے رسالہ کلام الفاضل الکبیر لکھا اس میں فتوے کے مصنف کے طور پر براہ راست علامہ کو مخاطب کیا، کلام الفاضل الکبیر کے سرورق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) آپ آگے پڑھیں گے کہ یہ فتویٰ علامہ نے مفتی آزر دہ کو بھیجا تھا، جس کے ایک جواب پر مفتی صاحب اور علامہ کے درمیان مراسلت ہوئی تھی، ان مکاتیب کو دیکھیں ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ علامہ کا ہے۔

(۳) کتب خانہ قادریہ بدایوں میں اس کا جو قلمی نسخہ ہے، اس میں جوابات کے اختتام پر صرف ایک مہر ثبت ہے اور وہ مہر علامہ کی ہے۔

ان وجوہ کی بنیاد پر خیال ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ علامہ ہی کا ہوگا، لیکن ہمیں اس رائے پر اصرار نہیں ہے، اگر کسی دوسری قوی دلیل سے رسالے کا مصنف دریافت کر لیا جائے تو ہمیں تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا۔

اس فتوے پر مندرجہ ذیل ۳۴ علما نے تائیدی دستخط اور مہریں ثبت فرمائیں:

- (۱) مہر جناب مولوی محمد علی (۲) مہر جناب مولانا محمد فضل حق صاحب (۳) مہر جناب مولوی جلال الدین صاحب (۴) مہر جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب (۵) مہر جناب مولوی حبیب اللہ صاحب (۶) مہر جناب مولوی محمد رفیع اللہ صاحب (۷) مہر جناب مولوی نور النبی صاحب (۸) مہر جناب مولوی غلام نبی صاحب (۹) مہر جناب مولوی مفتی محمد عبد الواحد صاحب (۱۰) مہر جناب مولوی محمد نجیب اللہ صاحب (۱۱) مہر جناب مولوی حمد اللہ صاحب (۱۲) مہر جناب مولوی نصر اللہ صاحب (۱۳) مہر جناب مولوی ہزار میر خاں صاحب (۱۴) دستخط جناب قاضی خاں صاحب (۱۵) دستخط جناب مولوی محمد خاں صاحب (۱۶) دستخط جناب مولوی فتح الدین صاحب (۱۷) دستخط جناب مولوی محمد حسن صاحب (۱۸) دستخط جناب مولوی شریف حسن

صاحب (۱۹) دستخط جناب مولوی محمد ہدایت اللہ صاحب (۲۰) دستخط جناب مولوی غلام حسین صاحب (۲۱) مہر جناب مولوی عالم صاحب واعظ (۲۲) مہر جناب مولوی شاہ علی صاحب (۲۳) مہر جناب مولوی احمد حسن صاحب (۲۴) دستخط جناب مولوی عماد الدین احمد صاحب (۲۵) مہر جناب مولوی سراج الدین صاحب (۲۶) مہر جناب مولانا مفتی محمد صدر الدین صاحب (۲۷) مہر حضرت شاہ احمد سعید صاحب (۲۸) مہر جناب مولوی کریم اللہ صاحب (۲۹) مہر جناب مولوی عبدالرشید صاحب (۳۰) مہر جناب مولوی محمد عمر صاحب (۳۱) مہر جناب مولوی محمد مظہر صاحب (۳۲) دستخط جناب مولوی محمد نواب صاحب (۳۳) مہر جناب مولوی فرید الدین صاحب (۳۴) دستخط مولوی حیدر علی صاحب (مصنف منتہی الکلام)

اس فتویٰ تکفیر کے جواب میں سید حیدر علی ٹوکنی نے پھر قلم اٹھایا اور ”کلام الفاضل الکبیر علی اہل الکفر“ کے نام سے اس کا جواب دیا، ۹۴ صفحات کا یہ رسالہ فارسی میں ہے، سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

الحمد للہ ایں رسالہ متبرکہ در جواب تکفیر نسبت فاضل نحریر عالم ربانی بے نظیر، واقف علوم نقلیہ، ماہر فنون عقلیہ مولانا بالفضل اولانا جناب مولوی حیدر علی صاحب ..... (لفظ نہیں پڑھا جاسکا) مولوی فضل حق صاحب مسمی بہ کلام الفاضل الکبیر علی اہل الکفر تالیف مولانا مدوح سلمہ اللہ تعالیٰ در فخر المطالع باہتمام حافظ عبداللطیف شد

رسالے پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے، قیاس ہے کہ یہ ۱۲۶۹ھ/ ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوا ہوگا، غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ رسالے میں کس قسم کا اسلوب نگارش اختیار کیا گیا ہے۔ اس رسالے کے جواب میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے قلم اٹھایا اور ایک رسالہ تبکیت انجبدی تصنیف کیا، ضیاء القادری اکمل التاریخ میں لکھتے ہیں:

مولوی حیدر علی صاحب نے ایک رسالہ کلام الفاضل الکبیر در بارہ امکان نظیر لکھا یہ (تبکیت انجبدی) اُس کا ردّ بزبان فارسی ہے، مباحث عقلیہ و نقلیہ، کلامیہ و فلسفیہ کو حد کمال تک پہنچایا ہے (اکمل التاریخ: ج ۲ ص ۱۵۳)

رسالہ تبکیت انجبدی اب تک راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا، معلوم نہیں طبع بھی ہوا تھا یا نہیں؟

کتب خانہ قادریہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ بھی اب تک علم میں نہیں آیا ہے، ابھی کتب خانہ قادریہ کے بہت سے قلمی مسودات اور مجلدات امعان نظر اور توجہ سے دیکھنا باقی ہیں ممکن ہے اس رسالے کی بازیافت ہو جائے۔

سید حیدر علی ٹوکنی اور علامہ کے قلمی معرکے کی تفصیل آپ نے ملاحظہ فرمائی، اس باب کو ختم کرنے سے پہلے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے ایک جملے پر نظر ڈالتے چلیں، علامہ خیر آبادی کے شاگرد مولانا محسن ترہتی نے اپنی کتاب الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی میں سید حیدر علی ٹوکنی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہمارے شیخ (علامہ فضل حق) اور سید حیدر علی کے درمیان شاہ اسماعیل کے بارے میں مباحث ہوئے تھے، ان مباحث کے دوران سید صاحب کی طرف سے ایسی باتیں (دلیلیں) سامنے آئیں جن کو علما نے کمزور قرار دیا ہے (بدرت منہ عند البحت بواہر و ہاھا العلماء۔ الیانع الجنی: ص ۱۱۱) مولانا محسن ترہتی کے اس جملے پر نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے یہ جملہ ٹانک دیا کہ:

والحق بید السید لا بید الشیخ کما یظهر من الرجوع الی کتبہما  
عند نظر الانصاف (ابجد العلوم: بحوالہ نزہۃ الخواطر: ج ۷ ص ۱۷۳)  
ترجمہ: (اس بحث میں) سید حق پر تھے شیخ (فضل حق) حق پر نہیں تھے، جیسا کہ  
ان دونوں کی کتابوں کو بنظر انصاف دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

مگر ہم نے جب فتویٰ تکفیر، کلام الفاضل الکبیر، اور امتناع النظیر کا بنظر انصاف مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ اپنے اکابر کے بارے میں ایک عقیدت مند کا جو فرض بنتا ہے نواب صاحب بڑی سعادت مندی سے اُسے اپنی تصانیف میں ادا کرتے ہیں۔ یہ ہماری ذاتی رائے ہے، ہمیں اس پر اصرار نہیں ہے، اگر میسر ہو تو آپ خود سید حیدر علی ٹوکنی اور علامہ کی تصانیف کی طرف رجوع کریں مگر شرط یہ ہے کہ یہ رجوع (بقول نواب صاحب) ”بنظر انصاف“ ہونا چاہیے۔



## علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی

حکیم محمود احمد برکاتی اور ڈاکٹر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق لکھنؤ میں علامہ فضل حق کا زمانہ قیام ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء سے ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کے اوائل تک قرار پاتا ہے، یہ وہی زمانہ ہے جب مفتی سعد اللہ مراد آبادی ☆ لکھنؤ میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے، جب علامہ لکھنؤ میں جلوہ افروز ہوئے تو ان کے علم و فضل کا چرچا ہوا، محفل درس و تدریس بھی گرم ہوئی، غالباً اسی وجہ سے مفتی صاحب نے میدان علم و فضل میں علامہ کو اپنا حریف گمان کر لیا، جس کے نتیجے میں ان دونوں عظیم شخصیات کے درمیان معاصرانہ چشمک شروع ہوئی، زبانی مباحثے بھی ہوئے اور تحریر کی نوبت بھی آئی، مفتی صاحب علامہ سے عمر میں صرف ۷ برس چھوٹے تھے، مگر چونکہ وہ مفتی صدر الدین آزرہ کے شاگرد تھے اس لیے علامہ غالباً ان کو اپنا مد مقابل بنانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوں، یہ قیاس ہم اس لیے کر رہے ہیں کہ مفتی صاحب کے رد میں جو کچھ بھی لکھا گیا وہ علامہ

---

☆ مفتی سعد اللہ مراد آبادی (ولادت: ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء - وفات: ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) تیرہویں صدی کے مشاہیر علمائیں تھے، صاحب تصانیف کثیرہ، اور درسیات کے ماہر تھے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ اسحاق دہلوی، مفتی صدر الدین آزرہ اور مفتی ظہور اللہ لکھنؤی اور دیگر اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی، شیخ جمال کی سے سند حدیث حاصل کی، ۲۹ رسالے تک لکھنؤ میں مفتی پکچری کے عہدے پر فائز رہے، لکھنؤ کے بعد کچھ عرصے تک نواب یوسف علی خاں کے زمانے میں رامپور میں عہدہ قضا و افتا پر متمکن ہوئے، رامپور ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔ تفسیر، فقہ، لغت، نحو و صرف، عروض و قوافی، علم بیان، بیہت و ریاضی اور منطق و فلسفہ میں درجنوں کتب و حواشی تصنیف فرمائے، تذکرہ علمائے ہند اور تذکرہ کمالان رامپور میں مفتی صاحب کی تصانیف کی جو فہرست دی ہے اس سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مفتی صاحب کا ایک مجموعہ رسائل (مطبوع قیومی کانپور) کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے جس میں چھ رسائل ہیں، نوادر الوصول فی شرح الفصول، نور الصباح فی اغلاط الصراح، خبر المسہل لمسئلۃ طہر المختل، رسالہ علم الواجب تعالیٰ، التنبیہ بالتنبیہ، اور وجوہ تراکیب بسملہ، آخر الذکر رسالے میں ثابت کیا ہے کہ بسم اللہ کی ترکیب نحوی ۵۳۱۲ طریقے سے کی جاسکتی ہے، (تفصیل کے لیے دیکھئے: تذکرہ علمائے ہند: ۲۱۴/۲۱۵، اور تذکرہ کمالان رامپور: ص ۱۵۱ تا ۱۵۴۔)

کے نام سے منظر عام پر نہیں آیا بلکہ تمام رسائل علامہ کے تلامذہ کے نام سے منظر عام پر آئے، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ علامہ اور مفتی سعد اللہ کے درمیان اختلاف محض علمی نوعیت کا تھا، جو معاصرانہ چشمک کے نتیجے میں واقع ہوا تھا، یہ اختلاف منطق و فلسفہ کی بعض عبارتوں کی تشریح، اور عربی زبان و ادب کی رو سے بعض الفاظ و تراکیب کے غلط اور صحیح استعمال کی حد تک محدود تھا، یہ اختلاف ویسا نہیں تھا جیسا علامہ اور شاہ اسماعیل دہلوی اور سید حیدر علی ٹوکی کے درمیان تھا، کیونکہ آخر الذکر اختلاف اصول و عقائد میں تھا جس کی تفصیل آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کم از کم دو مرتبہ زبانی مباحثہ کا پتہ چلتا ہے، جس کا ذکر غالباً پہلی مرتبہ اس کتاب کے ذریعے منظر عام پر آ رہا ہے، کتب خانہ قادریہ بدایوں میں مولانا شفاء الدین عثمانی کے ہاتھ کے دو قلمی رسائل موجود ہیں جن میں ان مباحث کی تفصیل ہے، یہ دونوں رسائل فارسی میں ہیں، ان پر رسالے کا کوئی نام درج نہیں ہے اور نہ ان کے مصنف کا نام ہے، ہم نے سہولت کے لیے ان کا نام ”روداد مباحثہ اول“ اور ”روداد مباحثہ دوم“ رکھا ہے۔

**روداد مباحثہ اول:** یہ فارسی زبان میں متوسط سائز پر ۱۰۰ اوراق کا رسالہ ہے، بعض جگہ سے اوراق کرم خوردہ ہیں، اس لیے پوری بات سمجھنے میں دشواری ہو رہی ہے، رسالے کی ابتدائی عبارت درج ذیل ہے: (۳۰)

ترجمہ: (عربی خطبے کے بعد) ارباب صفوت و صفا اور انصاف و حیا پر واضح ہو کہ اس زمانے میں کہ افضل المحققین، خیر الممدققین مولانا مولوی حافظ محمد فضل حق خیر آبادی ادام اللہ فیوضہ کے لکھنؤ شہر میں رونق افروز ہونے کی خبر پہنچی، تو بعض مہربانوں نے مفتی کو تو الی لکھنؤ مولوی مراد آبادی کے ساتھ مشورہ کیا، یہ اپنا نام کبھی محمد المدعو بسعد اللہ لکھتے ہیں اور کبھی ابو محمد الشہیر بسعد اللہ، لوگوں نے مفتی موصوف کو مولانا (فضل حق) کے ساتھ مکالمے پر (آمادہ کیا) چنانچہ شروع میں انہوں نے مولانا (فضل حق) کی خدمت میں نہایت ادب و عقیدت سے آنا جانا شروع کیا، اس کے بعد ایک دن اس وقت کہ مولانا خضاب کر کے قیلولہ واستراحت فرما رہے تھے، حکیم

حاجی اسد علی صاحب کے ساتھ حاضر ہوئے، حکیم صاحب ان اصحاب شوریٰ کے ایک اہم رکن ہیں، ان لوگوں نے آداب و نیاز کے بعد ایک پرچہ پیش کیا جس میں شیخ (ابن سینا) کی کتاب شفا کی ایک عبارت درج تھی... الخ (روداد مباحثہ اول قلمی)

مفتی صاحب نے علامہ سے اس عبارت کی تشریح کرنے کی درخواست کی، علامہ نے تشریح کی، اس پر مفتی صاحب نے اپنے اشکال پیش کیے، اس طرح یہ بحث آگے بڑھی، آگے کی روداد پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اس گفتگو کے دوران علامہ مفتی صاحب کو مطمئن نہیں کر سکے تھے، مفتی صاحب کے احباب (خاص کر حاجی اسد علی صاحب) نے اس واقعہ کو رنگ آمیزیوں کے ساتھ شہرت دی، غالباً اسی کے رد عمل میں یہ روداد مباحثہ لکھنا ناگزیر ہوئی، اس روداد میں خالص دقیق فلسفیانہ بحثیں ہیں کہ علامہ نے یہ کہا، پھر مفتی صاحب نے یہ کہا وغیرہ وغیرہ۔

اس روداد مباحثہ میں ایک جگہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا بھی ذکر ہے کہ انہوں نے بھی مفتی سعد اللہ صاحب کو فہمائش کی تھی کہ وہ علامہ سے علمی مناقشات میں نہ پڑیں، لکھا ہے کہ: (۳۱)

ترجمہ: مولانا مولوی فضل رسول بدایونی جو افاضل زمانہ اور اذکیائے دہر میں سے ہیں اور علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں، انہوں نے جب ان (مفتی سعد اللہ) کی یہ ناشائستہ باتیں سنیں تو آپ نے (مفتی سعد اللہ سے) فرمایا کہ آپ نے یہ بہت برا کیا، آپ کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ کتاب مولانا فضل حق کے سامنے رکھتے، اور ان سے استفادہ علمی کرتے، تاکہ آپ کو بھی درجہ اعتبار حاصل ہوتا اور آپ کے علم میں بھی جلا پیدا ہوتی، اور مولانا فضل حق کی بزرگی اور تعظیم بھی ظاہر ہوتی، کیوں کہ پہلے زمانے میں اگر کوئی عالم کسی شہر میں رونق افروز ہوتا تھا تو استفادہ کرنے والوں کا یہی طریقہ ہوا کرتا تھا، اور فرض کر لیا کہ ایک مسئلہ مولوی (فضل حق) صاحب کو معلوم نہیں تھا تو آپ کو سو مسئلے معلوم نہیں ہیں، اور اگر ان کو سو مسئلے معلوم ہیں تو آپ کو..... معلوم نہیں ہیں، لہذا ان ناشائستہ باتوں سے آپ ہی کی محرومی ظاہر ہوتی ہے مولوی (فضل حق)

صاحب کے فضل و کمال کو کوئی نقصان نہیں۔ (روداد مباحثہ اول قلمی)

روداد مباحثہ دوم: یہ مفتی صاحب سے علامہ کے دوسرے مباحثے کی روداد ہے، یہ رسالہ ۹/۱۱ اور اق پر مشتمل ہے، مگر ناقص الآخر ہے، اس کی ابتدا اس عبارت سے ہوتی ہے: (۳۲)

ترجمہ: دوسری مرتبہ کے مکالمے کی تفصیل یہ ہے کہ میں دو سوال کو مولانا (فضل حق) کے پاس عید ملنے حاضر ہوا الخ (روداد مباحثہ دوم قلمی)

آگے مصنف رسالہ لکھتے ہیں کہ وہ مولانا کی خدمت میں تھے کہ اسی درمیان مفتی سعد اللہ صاحب بھی آگئے، گفتگو کے دوران علامہ نے ان سے کہا کہ حواشی صدر میں فلاں فلاں بحث آئی ہے (یہاں مصنف نے پوری بحث لکھی ہے) مگر آپ (مفتی سعد اللہ) نے اپنے حواشی صدر میں یوں لکھا ہے (یہاں بھی مصنف نے پوری عبارت نقل کی ہے) جو درست نہیں ہے، اس پر میرے (فضل حق کے) بعض تلامذہ نے کچھ اعتراض کیے ہیں، جن کا جواب آپ کے ذمہ ہے، اگر آپ نے حواشی صدر کو بخوبی سمجھا ہو تو جواب عنایت فرمائیے۔ اس کے بعد دونوں حضرات میں جو علمی مکالمہ ہوا اس کی پوری تفصیل روداد میں موجود ہے۔

حواشی صدر پر اعتراضات: مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے فلسفہ کی مشہور کتاب صدر احسن پر حواشی تحریر کیے تھے، مفتی صاحب کے ان حواشی پر علامہ کے کسی شاگرد نے اعتراضات لکھ کر ایک رسالے میں مشہر کیے، رسالے کے شروع میں درج ہے:

ایں تحریر از مولوی محمد سراج الدین صاحب بر تحریر از مولوی محمد سعد اللہ صاحب کہ بر حواشی صدر اکہ مطبوع است تعلیق کردہ اند

یہ مولوی محمد سراج الدین کون ہیں، معلوم نہیں ہو سکا، مگر یہ علامہ کے تلامذہ میں ہیں، رسالہ

☆ اشیر الدین ابہری (وفات: ۶۶۰ھ/۱۲۶۱ء یا ۶۷۰ھ/۱۲۷۲ء) نے فلسفہ کا متن ہدایت الحکمتہ کے نام سے لکھا، یہ متن علما کے درمیان مقبول ہوا، نصاب میں داخل کیا گیا اور بعض مدارس میں آج تک داخل ہے، اس کی شروح و حواشی اور حاشیہ بر حاشیہ کی ایک لمبی فہرست ہے، صدر الدین شیرازی (وفات: ۱۰۵۹ھ/۱۶۲۹ء یا ۱۰۶۱ھ/۱۶۳۹ء) اور قاضی میر حسین بن معین الدین میبذی (وفات: ۹۰۴ھ/۱۳۹۸ء یا ۹۱۰ھ/۱۵۰۲ء) کی شرح ہدایت الحکمتہ ”صدر“ اور ”میبذی“ کے نام سے مشہور ہوئیں اور درس نظامی میں داخل کی گئیں، اول الذکر کا طبیعات اور دوسری کا الہیات والا حصہ پڑھایا جاتا تھا، صدر اور میبذی کے حواشی کی ایک لمبی فہرست ہے، بحر العلوم فرنگی محلی کا حاشیہ صدر مشہور ہے، صدر پر مولانا فیض احمد بدایونی کا بھی حاشیہ ہے، میبذی پر مولانا عین القضاة (تلمیذ مولانا عبدالحی فرنگی محلی) کا حاشیہ ہے، جو طلبہ کے لیے مفید ہے۔

میں کئی جگہ ”مولانا الاستاذ“ اور ”استاذنا المحقق“ کے بعد علامہ کا نام درج ہے، ڈاکٹر سلمہ کی پیش کردہ فہرست تلامذہ میں ”مولوی سراج الدین بجنوری ثم لکھنوی“ کا ذکر ہے (علامہ محمد فضل حق خیر آبادی: ص ۱۷) ممکن ہے یہ وہی ہوں، ۱۰ اوراق پر مشتمل یہ رسالہ عربی میں ہے۔ خیال ہے کہ یہ رسالہ علامہ ہی کی ایما پر تصنیف کیا گیا ہوگا۔

اس رسالے کے جواب میں مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے قلم اٹھایا، اور اپنے حواشی صدر کے دفاع میں ایک رسالہ تحریر فرمایا، مگر انہوں نے بھی اپنا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا، ان کا یہ رسالہ کسی ”محمد مہدی ساکن کٹرہ“ کے نام سے منظر عام پر آیا، رسالہ کے سرورق پر لکھا ہے ”جواب از مولوی محمد سعد اللہ صاحب از نام محمد مہدی ساکن کٹرہ“، غالباً یہ مفتی صاحب کے کوئی شاگرد ہوں گے، یہ رسالہ ۵ اوراق پر مشتمل ہے۔

مفتی صاحب کے مذکورہ رسالہ کے جواب میں پھر مولوی سراج الدین نے قلم اٹھایا، اور جواب الجواب میں رسالہ تصنیف کیا، رسالے کے سرورق پر لکھا ہے، ”جواب الجواب از مولوی سراج الدین صاحب“، یہ رسالہ ۱۸ اوراق پر مشتمل ہے۔

مفتی صاحب کے ان حواشی صدر پر مولانا عبدالحق خیر آبادی نے بھی ایک رسالے میں ۴ اعتراضات کیے، ان ۴ اعتراضات کے جواب میں مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے شاگرد مولانا محمد فدا حسین نے قلم اٹھایا اور اپنے استاذ کے دفاع میں ایک رسالہ قلم بند کیا، مولانا فدا حسین کی تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراضات مولانا عبدالحق نے اپنے کسی شاگرد کے نام سے مشتہر کیے تھے ☆ مولانا فدا حسین نے پہلے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے ان چاروں اعتراضات کا جواب دیا اور ساتھ ہی مولانا عبدالحق خیر آبادی کے والد اور دادا پر چار اعتراضات بھی کر دیے، پہلے تین اعتراضات علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب ہدیہ سعید یہ پر تھے، اور ایک اعتراض علامہ کے والد مولانا فضل امام خیر آبادی کی کتاب ”شرح میزان منطق“ کی ایک عبارت پر تھا، معلوم نہیں کہ اس کے جواب میں مولانا عبدالحق خیر آبادی یا آپ کے تلامذہ میں سے کسی نے کچھ لکھایا پھر یہ

---

☆ لکھتے ہیں: انہ اعترض الفاضل الاوحد الارفق و بفضل الحق احق مولانا عبدالحق وعزاه الی من لا يستحق (رسالہ مولانا فدا حسین قلمی: ورق الف، ا، مخزنہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)



سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔ سابق الذکر چاروں رسائل کے قلمی نسخے کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہیں، جو ہمارے پیش نظر ہیں۔

ان رسائل (اور آگے آنے والے رسائل) میں فلسفہ و حکمت کی اعلیٰ پایے کی بحثیں ہیں، جو عالمانہ بھی ہیں اور دلچسپ بھی، ایک دوسرے پر عالمانہ چوٹیں بھی ہیں، اور احترام و قدر شناسی کا اظہار بھی، فلسفہ و منطق کی تھوڑی بہت شد بدراقم سطور کو بھی ہے، میں نے ان رسائل کا مطالعہ کیا اور محفوظ ہوا، دل چاہتا تھا کہ ان مباحث میں سے بعض کی تلخیص پیش کی جائے، مگر اب نہ ان مباحث میں دلچسپی لینے والے باقی رہے اور نہ ان کو سمجھنے والے رہے۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

لہذا ہم اس سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

#### ہدیہ سعیدیہ پر اعتراضات:

علامہ فضل حق خیر آبادی (یا ان کے تلامذہ) نے جب مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے حواشی صدر پر اعتراضات کیے تو بھلا مفتی صاحب کیوں خاموش رہتے، انہوں نے جواب آں غزل کے طور پر علامہ کی مشہور کتاب ”الهدیۃ السعیدیۃ فی الحکمۃ الطبیعیۃ“ کی بعض عبارتوں پر ۱۵ اعتراضات کر دیے، ان اعتراضات کے جواب میں علامہ کے تلامذہ نے قلم اٹھایا، اور اپنے استاذ کے دفاع کا حق ادا کر دیا، اس سلسلے میں علامہ کے تلامذہ کی جانب سے جو جوابات سامنے آئے وہ مندرجہ ذیل ہیں (یہ صرف وہ جوابات ہیں جن کے قلمی نسخے کتب خانہ قادریہ میں موجود ہیں، ممکن ہے ان کے علاوہ بھی رسائل تصنیف کیے گئے ہوں)

#### رسالہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) علامہ کے مایہ ناز تلامذہ میں سے ہیں، علامہ کے علوم ادبیہ سے آپ کو وافر حصہ ملا تھا، عربی کے بلند پایہ شاعر اور ادیب تھے، بقول سید سلیمان ندوی ”اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاک ہند نے صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو“ (حیات شبلی: ص ۸۰)۔ آپ کے تلامذہ میں پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (وفات: ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) اور علامہ شبلی نعمانی (وفات

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) کا نام قابل ذکر ہے، آپ نے مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے اعتراضات کے جواب میں قلم اٹھایا، اور اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف ۳/۱۷ اوراق میں اعتراضات کا جواب دیا ہے، یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔

### تقریر جواب ایرادات مفتی سعد اللہ مراد آبادی

یہ مولانا ہدایت علی بریلوی (م ۱۳۳۲ھ/۱۹۰۴ء) کا رسالہ ہے، آپ بھی علامہ فضل حق خیر آبادی کے تمیز رشید ہیں، مفتی سعد اللہ صاحب کے مذکورہ پندرہ اعتراضات کے جواب میں آپ نے قلم اٹھایا، آپ نے قدرے تفصیل سے کام لیتے ہوئے جوابات قلم بند کیے ہیں، یہ رسالہ عربی میں چھوٹی تقطیع کے ۱۴/۱۷ اوراق پر مشتمل ہے، رسالے کے بعض مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ علامہ کی حیات ہی میں تصنیف کیا گیا ہے۔

### رسالہ مولانا سلطان حسن بریلوی:

مولانا سلطان حسن عثمانی بریلوی صدر الصدور (م ۱۲۹۸ھ) ابن مولانا محمد حسن بریلوی بدایوں کے مشہور خاندان شیوخ عثمانیہ کے چشم و چراغ تھے، آپ کے دادا مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی مفتی عدالت محکمہ افتا بریلی ہو کر صدر الصدور کے عہدے تک پہنچے اور بدایوں سے ترک سکونت اختیار کر کے مستقل بریلی میں قیام پذیر ہو گئے، مولانا سلطان حسن اور ان کے والد کے نام کے ساتھ ”خان“ بھی لکھا جاتا ہے جو آپ کا نسب نہیں بلکہ لقب ہے، مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

جملہ علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، استاذ مطلق حضرت مولانا فضل

حق خیر آبادی کے مشہور تلامذہ میں تھے، جلیل القدر عہدوں پر مامور رہے،

صدر الصدوری سے پنشن پائی، مفتی سعد اللہ صاحب مراد آبادی اور آپ

سے علمی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی چنانچہ دونوں صاحبوں کا ایک زبردست مکالمہ

رسالہ کی صورت میں چھپا ہے۔ (اکمل التاریخ: ج ۱ ص ۴۲)

کتب خانہ قادریہ میں بزبان فارسی ”سلوة الفواد فی شرح بانث سعاد“ (مطبع الہی آگرہ) کے نام سے آپ کا ایک رسالہ موجود ہے، مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے جواب میں آپ نے بھی قلم اٹھایا، اور علامہ کے دفاع میں ایک رسالہ تصنیف کیا، یہ رسالہ ہدیہ سعیدیہ کے ساتھ

بطور ضمیمہ آج بھی شائع ہو رہا ہے، یہ رسالہ علامہ کی وفات کے بعد تصنیف کیا گیا ہے، ہمارے قلمی نسخے کے آخر میں ”بماہ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ“ درج ہے، ابتدا میں علامہ کے نام کے ساتھ ”اسکنہ اللہ فی اعلیٰ علیین“ سے بھی یہی ظاہر ہے۔ ہدیہ سعید یہ کے دفاع سے متعلق سابق الذکر تینوں رسائل کے مخطوطے کتب خانہ قادریہ میں موجود ہیں۔

### تقریظ منتهی المقال پر تنقید:

مفتی صدر الدین آزرہ کی کتاب منتهی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال (سنہ تصنیف ۱۲۶۲ھ) پر علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے تقریظیں تحریر فرمائیں، یہ دونوں تقریظیں عربی میں ہیں، اور بہترین عربی نثر کا نمونہ ہیں، کسی صاحب نے مفتی سعد اللہ مراد آبادی کی تقریظ پر از روئے زبان وادب کچھ اعتراضات کیے، مفتی صاحب نے جب ان اعتراضات کو دیکھا تو آپ نے گمان کیا (اس ”حسن ظن“ کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور رہی ہوگی) کہ یہ اعتراضات علامہ فضل حق خیر آبادی کے ہیں جو انہوں نے کسی دوسرے کے نام سے مشہور کیے ہیں، مفتی صاحب نے اس کے جواب میں رسالہ لکھ کر ان اعتراضات کو رفع کیا اور ساتھ ہی علامہ فضل حق خیر آبادی کی تقریظ پر بھی کچھ اعتراضات کر ڈالے، مفتی صاحب کے اس رسالہ کے جواب میں علامہ کے ایک شاگرد نے قلم اٹھایا انہوں نے اگرچہ ان اعتراضات کو ”شبہات خفیفہ“ قرار دیا اسی وجہ سے ان اعتراضات کی نسبت علامہ کی طرف کرنے کو علامہ پر انفر اکہا، مگر وہ مفتی صاحب کے جوابات سے بھی مطمئن نہیں ہوئے، ان اعتراضات اور ان کے جوابات دونوں کو انہوں نے ”مکابرات فاضحہ، مجادلات فاحشہ، وہمیات جزافیہ اور تمویہات اباطیل کا ذبہ“ قرار دے دیا، مصنف رسالہ نے پہلے یہ دکھایا ہے کہ مفتی صاحب کے جوابات قابل اطمینان نہیں ہیں اور وہ ”تقریب تام“ نہیں کر سکے، اس کے بعد علامہ کی تقریظ سے متعلق مفتی صاحب کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اس رسالے پر مصنف کا نام نہیں ہے، ہمارا قیاس ہے کہ یہ رسالہ مولانا سلطان حسن بریلوی کا ہے۔ رسالہ عربی میں ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، یہ چھوٹے سائز میں ۱۳/۱۱ اور اوراق پر مشتمل ہے۔

قصیدے پر تنقید اور جواب تنقید:

علامہ فضل حق خیر آبادی نے زمانہ قیام لکھنؤ میں منتظم الملک نواب علی نقی خان بہادر سہراب جنگ (وزیر ریاست اودھ) کی مدح میں ۵۰ اشعار پر مشتمل ایک عربی قصیدہ نظم کیا، ایک بار پھر مفتی سعد اللہ مراد آبادی میدان میں آئے اور اس قصیدے کے رد میں ایک رسالہ قلم بند فرمادیا، انہوں نے اپنے رسالے میں اس قصیدے پر کئی جہت سے مختلف اعتراضات کیے، ان میں کچھ اعتراضات عروض و قوافی سے متعلق تھے، اور کچھ اعتراضات لغوی اور بلاغی تھے، یہاں تک تو غنیمت تھا مگر مفتی صاحب نے اسی رسالے میں علامہ پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ انہوں نے اس قصیدے میں سرکہ کیا ہے، لکھتے ہیں: (۳۳)

ترجمہ: لطف کی بات یہ ہے کہ چند برس پہلے ایک بزرگ یہ قصیدہ فقیر کے پاس لائے تھے اور بتایا کہ علمائے مغرب (مراقش) میں سے ایک عالم نے یہ قصیدہ ایک نصرانی حاکم ہاگنس کی تعریف میں کہا تھا، قصیدے کے آخر میں سنہ ۱۲۵۴ھ درج تھی، مگر مولانا (فضل حق خیر آبادی) نے اس میں کچھ تبدیلی کی ہے، اس لیے کہ اُس قصیدے کا مطلع یوں تھا

وافت بشائر بالنفس      ومضى زمان قد عبس  
اور مولانا نے اس کو یوں کر دیا

وافت بشیرا بالنفس

اسی طرح مفتی صاحب نے کئی اشعار کا تقابل کر کے دکھایا ہے کہ اس مغربی شاعر نے یہ کہا تھا علامہ نے مصرع یوں کر دیا۔ مفتی صاحب کے اس رسالے کے جواب میں علامہ کے ایک شاگرد نے کمان سنبھالی اور مفتی صاحب کے جواب میں بزبان فارسی ایک رسالہ قلم بند کیا، اس رسالے میں اولاً تو مفتی صاحب کے ایرادات کا جواب دیا گیا اس کے بعد سرقے کے الزام کی تحقیق کی گئی کہ علامہ جیسے قادر الکلام شاعر، عربی زبان و ادب کے ماہر پر سرقے کا الزام ایک لطیفے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اور پھر ”اس قصیدے کا شاعر (علامہ) خود موجود ہے اور آج بھی وہ متقدمین اصحاب تعلقات کی طرح قصائد نظم کر رہا ہے لہذا ایسے شاعر

پر سرقے کی تہمت لگانا حسد کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، پھر مصنف نے جواب آں غزل کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے لکھا کہ اہل عقل و دانش پر یہ بات ظاہر ہے کہ صرف ایک حاسد و معاند کے دعویٰ کرنے سے عقل سلیم سرقے کے الزام کو قبول نہیں کر سکتی، ورنہ خود حضرت معترض کا قافیہ تنگ ہو جائے گا کیوں کہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے مفتی آزر دہ کی کتاب منتهی المقال پر جو تقریظ لکھی ہے یہ بالکل وہی تقریظ ہے جو علمائے ہند میں سے ایک عالم نے مولانا شیخ الاسلام کی کتاب پر ۹۰۱ھ میں لکھی تھی، ایک زمانہ پہلے یہ تقریظ فقیر کی نظر سے گزری تھی، مگر مفتی صاحب نے اس میں معمولی تصرف اور تبدیلی کی ہے، مثلاً اُس تقریظ میں یہ تھا:

ان اجمل ما ینمقہ الاقلام و افضل ما یتوشح بہ صدر الکلام حمدا

لمک العزیز العلام ذی الفضل العظیم کثیر الانعام

مگر آنجناب نے اس میں تصرف کر کے یوں لکھ دیا:

ان احسن ما ینمقہ الاقلام و ازیں ما یتوشح بہ صدر الکلام ثناء ا

لمک العزیز العلام ذی الفضل العظیم غزیر الانعام

اسی طرح متعدد عبارتوں کا تقابل کیا گیا ہے، ایک مثال دے کر لکھتے ہیں کہ اس میں سرقہ در سرقہ ہے کیوں کہ یہ عبارت دسویں صدی کے ایک عالم کی تھی مگر مفتی صاحب نے اس میں جو تصرف کیا وہ بھی ان کا اپنا نہیں ہے بلکہ علامہ سعد الدین تفتازانی کے ایک رسالے کا جملہ ہے۔

پھر مفتی صاحب کی ”اغلاط صریحہ“ جو ایک ”سرسری نظر“ میں ظاہر ہوئی ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے، جن میں سے بعض مفتی سعد اللہ کے ایک رسالے غایۃ البیان فی معنی السبحان سے متعلق ہیں اور بعض تقریظ منتهی المقال سے، رسالہ ختم کرتے کرتے مصنف نے یہ اعلان بھی ضروری سمجھا کہ ”ان شاء اللہ العزیز عنقریب فہرست اغلاط مولانا درنظم و نشر عربیہ و مطالب علمیہ درست کردہ خواہد شد“۔ اس رسالے پر بھی مصنف کا نام نہیں ہے، مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ بھی مولانا سلطان حسن بریلوی کا ہے۔ یہ بھی کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے، چھوٹی تقطیع کے ۱۵/۱۱ اوراق پر مشتمل ہے، ایک صفحے میں ۱۲ سطریں ہیں۔

شرح ضابطہ تہذیب پر اعتراض: منطق کے ابتدائی متن تہذیب المنطق ☆ کی بحث ضابطہ شرائط اشکال اربعہ معرکہ آرا خیال کی جاتی ہے، مفتی سعد اللہ صاحب نے اس بحث کے حل کے لیے ”شرح ضابطہ تہذیب“، قلم بند کی، ادھر علامہ کے شاگرد مولانا سلطان حسن بریلوی نے بھی ”غایۃ التقریب فی ضابطۃ التہذیب“ نامی رسالہ لکھا، جس میں انہوں نے ضابطہ تہذیب کی شرح کے دوش بدوش مفتی سعد اللہ صاحب کی شرح پر بھی جا بجا گرفتیں کیں، (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۴۲/۴۳) یہ رسالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا، معلوم نہیں کہ اس کے جواب میں مفتی صاحب نے کچھ لکھایا نہیں۔



☆ تہذیب المنطق علامہ سعد الدین تفتازانی (وفات: ۹۲۰ھ/۱۳۹۰ء) کا مشہور متن ہے، اس کی متعدد شروحات ہیں، جن میں عبداللہ یزدی (وفات: ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء) اور ملا جلال محقق دوانی (وفات: ۹۰۷ھ/۱۵۰۱ء) کی شرح تہذیب مشہور ہیں، اول الذکر شرح تہذیب درس نظامی کے ابتدائی درجات میں اب بھی داخل ہے، آخر الذکر جس کو ”ملا جلال“ کہا جاتا تھا اب سے کچھ عرصہ قبل تک نصاب میں شامل تھی، اب خارج نصاب کر دی گئی، ملا جلال پر علامہ میرزا ہد ہروی (وفات: ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء) نے حاشیہ تحریر فرمایا، جو ”میرزا ہد ملا جلال“ کے نام سے مشہور ہوا، یہ بھی کچھ دہائیوں پہلے تک داخل نصاب تھا، تہذیب المنطق میں علامہ سعد نے اشکال اربعہ کی شرائط انتاج کا ضابطہ نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو تین سطروں میں لکھ دیا ہے، ان چند سطروں کو حل کرنا بھی علما کا دلچسپ مشغلہ قرار پایا، چنانچہ متعدد علما نے ضابطہ تہذیب کی شرح میں رسائل لکھے، ہمارے کتب خانے میں شرح تہذیب کا ایک نسخہ (مطبع علوی لکھنؤ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) ہے جس کے آخر میں مندرجہ ذیل حضرات کی شرح ضابطہ تہذیب شائع کی گئی ہے: مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، مفتی سعد اللہ مراد آبادی، مولانا مرزا جان، مولانا ابوالفتح، مولانا شیخ الاسلام، مولانا ابوالخیر، مولانا فاتح اللہ، بحر العلوم مولانا عبدالعلی، مولوی بزرگ علی۔ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کا رسالہ ”خلاصۃ البیان العجیب فی شرح ضابطۃ التہذیب“ آج بھی شرح تہذیب کے ساتھ شائع ہوتا ہے، مولانا عبدالسلام کے بقول ”مولانا سلطان حسن بریلوی نے غایۃ التقریب میں مفتی سعد اللہ صاحب کے علاوہ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کے رسالے پر بھی گرفتیں کی ہیں“۔ (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۴۲/۴۳)

## علامہ فضل حق خیر آبادی کے علمی معرکے

متقدمین یا معاصرین سے علمی بنیادوں پر اختلاف رائے کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، اسی طرح کسی عالم کی تحقیق پر نقد و نظر بھی علمی و تحقیقی میدان میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے، بڑے بڑے ائمہ و علما کی آراء سے دوسرے علما نے اختلاف رائے بھی کیا ہے اور ان پر نقد و نظر بھی، علامہ فضل حق خیر آبادی نے بھی اپنے معاصرین یا متقدمین سے اختلاف رائے کیا، اور بہت سے علما نے خود علامہ کی تحقیقات پر نقد و نظر کیا، جس کے نتیجے میں علمی اور قلمی معرکہ آرائی کی نوبت آگئی، علامہ کے علمی اور قلمی معرکوں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ علامہ کے معرکے تین قسم کے ہیں:

(۱) علامہ کے بعض معرکے اصول عقائد میں اختلاف کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے، یہ اختلاف محض فرعی یا فقہی نہ تھا بلکہ اس کے نتیجے میں بات کفر و اسلام تک پہنچی، ان معرکوں میں اسلامی اور شرعی نقطہ نظر سے فریقین میں سے صرف ایک حق پر تھا، جیسا کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور سید حیدر علی ٹونگی کے ساتھ علامہ کا اختلاف۔

(۲) دوسرے قسم کی معرکہ آرائی وہ ہے جو منطق و فلسفہ کے بعض مسائل و مباحث کی تشریحات اور علوم ادبیہ میں صواب اور غیر صواب تک محدود ہے، یہ محض علمی اختلاف تھا جس میں کہیں نہ کہیں معاصرانہ چشمک کو بھی دخل ہے، اس کی مثال میں وہ معرکے پیش کیے جاسکتے ہیں جو علامہ اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے درمیان ہوئے۔

(۳) تیسرے وہ معرکے جن کا تعلق نہ تو براہ راست عقائد و نظریات سے تھا اور نہ ہی اس میں معاصرانہ چشمک کو دخل تھا، بلکہ یہ معرکے محض ذہنی و فکری انجلیا یا ”تفنن طبع“ کے لیے برپا کیے گئے

تھے، یا پھر آپس میں کسی مسئلے کی مخلصانہ افہام و تفہیم کی خاطر وجود میں آئے تھے، مثلاً وہ علمی معرکہ جو عقول مجرہ میں لزومات اعتباریہ کے سلسلہ میں علامہ، مفتی آزرہ اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے درمیان معرض وجود میں آیا، یا پھر وہ معرکہ جو قائل امکان کذب کے حکم شرعی کے سلسلے میں مفتی آزرہ سے ہوا (ان کی تفصیلات آگے آرہی ہیں)

شاہ اسماعیل دہلوی، سید حیدر علی ٹوکنی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے ساتھ علامہ اور ان کے تلامذہ کے علمی اور قلمی معرکوں کی تفصیل آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، یہاں ہم کچھ اور علمی معرکوں کا تذکرہ کریں گے۔

شیعہ مجتہد سے مناظرہ: علامہ فضل حق خیر آبادی بچپن ہی میں نہایت ذہین اور حاضر جواب تھے، زمانہ طالب علمی میں علامہ کے ایک مناظرے کا قصہ مشہور ہے، مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے لکھا ہے:

تواتر سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جب رد شیعہ میں تحفہ اثنا عشری محققانہ انداز میں تحریر فرمائی تو شیعیان ہند کی طرح اہل تشیع ایران میں بھی ہيجان پیدا ہوا ایران سے میر باقر داماد صاحب افق مبین کے خاندان کا متبحر عالم و مجتہد اونٹوں پر کتب فریقین بار کر کے شاہ صاحب سے مناظرے کے لیے دہلی پہنچا خانقاہ میں داخل ہونے پر شاہ صاحب نے فرائض میزبانی ادا فرماتے ہوئے مناسب جگہ قیام کے لیے تجویز فرما کر رخت سفر کھلوا یا، شام کو فضل حق حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کو مصروف مہمان نوازی دیکھ کر کیفیت معلوم کی، تھوڑی دیر حاضر خدمت رہ کر بعد مغرب مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے، مزاج پرسی کے بعد کچھ علمی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا، مجتہد صاحب نے پوچھا ”میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو؟“ عرض کیا ”شرح اشارات، شفا اور افق مبین وغیرہ دیکھتا ہوں“، مجتہد صاحب کو بڑی حیرت ہوئی، افق المبین کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا، علامہ نے ایسی مدلل تقریر کی کہ متعدد اعتراضات صاحب



افق المبین پر کر گئے، معزز مہمان نے اعتراضات کی جواب دہی کی کوشش کی تو ان کو جان چھڑانا اور بھی دو بھر ہو گئی، جب خوب عاجز کر لیا تو اپنے شبہات کے ایسے انداز میں جوابات دئے کہ تمام ہمراہی علما بھی انگشت بدنداں ہو گئے، آخر میں آپ نے یہ بھی اظہار کر دیا کہ حضرت شاہ صاحب کا ادنیٰ خادم اور کفش بردار ہوں، اور اظہار معذرت کرتے ہوئے رخصت ہوئے، علمائے ایران نے اندازہ کر لیا کہ اس خانقاہ کے بچوں کے علم و فضل کا جب یہ عالم ہے تو خود شیخ خانقاہ کا کیا عالم ہوگا، صبح کو جب خیریت طلبی مہمان کے لیے شاہ صاحب نے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ آخر شب میں دہلی ہی سے روانہ ہو چکے ہیں۔ (باغی ہندوستان ص ۱۳۵/۱۳۶)

ہمارے ایک معاصر محقق نے بعض شبہات کی بنیاد پر اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے، ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) یہ واقعہ سب سے پہلے مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے باغی ہندوستان میں لکھا ہے، اس کا کوئی حوالہ بھی نہیں دیا، اور نہ اس سے پہلے یہ واقعہ کسی اور کتاب میں لکھا گیا، اس واقعہ کے تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بعد اچانک شیروانی صاحب یہ واقعہ لے کر نمودار ہوتے ہیں اور وہ بھی بلا حوالہ، لہذا اس پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے۔

(۲) واقعے کا افسانوی انداز بھی اس کو کمزور کر رہا ہے، مثلاً مجتہد صاحب اونٹوں پر کتب فریقین بار کر کے ایران سے دہلی پہنچے۔

(۳) جو آدمی ایسے کروفر کے ساتھ آیا ہو کہ ساتھ میں اونٹوں پر کتابیں بار ہوں وہ رات کی تاریکی میں ایسی خاموشی سے روانہ ہو گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی،

(۴) یہ بات تھوڑی سی غیر فطری معلوم ہوتی ہے کہ شیعہ مجتہد شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے کے لیے آئے اور خود شاہ صاحب کے گھر پر ہی قیام پذیر ہو گئے، جب کہ دہلی میں اس وقت شیعہ علما بھی موجود تھے اور شیعہ امرابھی۔

(۵) علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے بقول اس وقت علامہ کی عمر ۱۲ سال

تھی، ۱۲ برس کے کسی نوعمر کا افق مبین جیسی کتاب میں ایک تبحر اور مجتہد کو زیر کردینا بھی کچھ غیر فطری سا ہے، جس سے عقیدت مند ائمہ غلو ظاہر ہو رہا ہے۔

ہم نے یہ دلائل بغور دیکھے مگر ہمیں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جس کی بنیاد پر اس واقعہ کی صحت میں شبہ کیا جائے۔ ان دلائل کو اگر تحقیق و تنقید کے میزان پر تو لیں تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

علامہ کی تفصیلی سوانح کے سلسلہ میں باغی ہندوستان نقش اول کی حیثیت رکھتی ہے، اس سے پہلے باقاعدہ کوئی تفصیلی سوانح نہیں لکھی گئی، اس لیے علامہ کی زندگی کے بہت سے واقعات علامہ کے تلامذہ در تلامذہ کی زبانوں پر ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتے رہے، مگر لکھے نہیں گئے، صرف یہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ بے شمار واقعات ایسے ہیں جو پہلی مرتبہ باغی ہندوستان ہی میں لکھے گئے ورنہ اس سے پہلے وہ صرف زبانوں پر تھے، لہذا محض اس بنیاد پر کسی واقعے میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ وہ باغی ہندوستان سے پہلے کسی کتاب میں نظر نہیں آیا، ہاں اس میں دوسرے داخلی یا خارجی شواہد پر غور کیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ کہ شیروانی صاحب نے لکھا ہے کہ ”تواتر سے یہ روایت پہنچی ہے“، یہاں محدثین کا اصطلاحی تواتر مراد نہ بھی ہو تو بھی ”شہرت و استفاضے“ سے کم تو نہ ہوگا۔

زمانہ طالب علمی میں علامہ کا شاہ صاحب کی خانقاہ میں آنا جانا اور اس کم عمری میں حاضر جواب، ذہین و فطین اور وسیع المطالعہ ہونا ایک معاصر شہادت سے ثابت ہے، حضرت غوث علی شاہ پانی پتی مولانا فضل امام کے شاگرد ہیں، علامہ کے ہم عصر اور زمانہ دہلی کے ساتھی، ان کا بیان ہے کہ:

ایک روز کا ذکر ہے کہ مولوی فضل حق صاحب نے ایک قصیدہ عربی زبان میں امراء القیس کے قصیدے پر کہا اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے خدمت میں لائے، شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا، اس کے جواب میں انہوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیے، جناب مولوی فضل امام صاحب نے فرمایا کہ بس حد ادب، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت یہ

کوئی علم تفسیر وحدیث تو ہے نہیں یہ فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تو سچ کہتا ہے، مجھ کو سہو ہوا تھا۔

(تذکرہ غوثیہ: ص ۱۳۰/۱۳۱)

اس معاصر شہادت سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کم عمری میں علامہ قوت حفظ، وسعت مطالعہ اور حاضر جوابی میں اس حد تک تو پہنچ ہی گئے تھے کہ ایک مقام پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو بھی ”سہو“ کا احساس ہو گیا۔ لہذا اگر اس واقعے کی روشنی میں مجتہد والا واقعہ پڑھیں تو اس میں کوئی بات ”غیر فطری“ نظر نہیں آتی، باقی یہ کہ واقعہ کی تفصیلات میں بعض جملوں کا افسانوی انداز کا ہونا، تو یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں واقعات کی نقل و حکایت میں عموماً ایسا ہو جاتا ہے، اس سے اصل واقعے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

**عقول مفارقہ میں لزومات اعتباریہ پر ایک علمی معرکہ:** علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی اور مفتی صدر الدین آزادہ علم ودانش کے اس مثلث کے احوال اور باہم مراسم خلوص و محبت کا تذکرہ آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں، ان تینوں حضرات کے درمیان کم از کم دو مرتبہ علمی مباحثہ ہوا جو مکاتیب کی شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے، ان میں سے ایک معرکہ عقول مجردہ میں لزومات اعتباریہ کی تحقیق کے سلسلے میں تھا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

علامہ نے علم فلسفہ کے ایک مسئلہ کے سلسلہ میں ایک علمی شبہ وارد کیا، سب سے پہلے آپ نے اپنے بے تکلف دوست مفتی صدر الدین آزادہ کو اس شبہ کے حل کی دعوت دی، مفتی صاحب نے اس کا حل پیش کیا جس کو علامہ نے دلائل سے رد کر دیا، اس کے بعد مولانا محمد حسن خاں بریلوی صدر الصدور ☆ نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی، علامہ فضل حق خیر آبادی نے مولانا محمد حسن بریلوی کے جواب کو بھی رد کر دیا، اس کے بعد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے اس میدان میں قدم رکھا، اس مسئلہ پر علامہ اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے درمیان متعدد خطوط کا تبادلہ ہوا، یہ تمام

---

☆ مولانا محمد حسن خاں بریلوی ابن مفتی ابوالحسن عثمانی، بدایوں کے مشہور خاندان عثمانی سے تعلق تھا، اپنے زمانے کے علما میں ممتاز مقام رکھتے تھے، علامہ فضل حق خیر آبادی کے مخلص احباب میں تھے، مختلف عہدوں پر فائز رہے، صدر الصدوری تک ترقی کی، ۱۲۷۲ھ میں وفات ہوئی، مولانا سلطان حسن بریلوی صدر الصدور آپ کے فرزند ہیں۔

خطوط ایک مجموعے کی شکل میں رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہیں۔ فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس مجموعہ کا نام ”شبه لزوم لزومات اعتباریہ فی العقول الجردہ“ درج ہے، اندارج نمبر ۱۱۵۲ ہے۔

یہ مجموعہ بڑی تقطیع کے ۶۲ اوراق (۱۲۴ صفحات) پر مشتمل ہے، بعض صفحات میں ۱۷ سطریں ہیں بعض میں ۱۸ اور بعض میں ۱۹۔ اس مجموعے میں موجود خطوط کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

- (۱) شبه از علامہ فضل حق خیر آبادی از: ورق ۱ الف تا ورق ۱ ب
- (۲) جواب شبہ از مفتی صدر الدین آزر دہ از: ورق ۱ ب تا آخر ورق ۱ ب
- (۳) جواب الجواب از علامہ فضل حق خیر آبادی از: ورق ۱ ب تا ورق ۶ الف
- (۴) جواب شبہ از مولانا محمد حسن خاں بریلوی صدر الصدور از: ورق ۶ الف تا ورق ۷ الف
- (۵) جواب الجواب از علامہ فضل حق خیر آبادی از: ورق ۷ الف تا ورق ۸ ب
- (۶) جواب شبہ از مولانا فضل رسول بدایونی از: ورق ۹ الف تا ورق ۱۳ الف
- (۷) جواب دیگر از مولانا فضل رسول بدایونی از: ورق ۱۳ ب تا ورق ۱۵ ب
- (۸) جواب الجواب از علامہ فضل حق خیر آبادی از: ورق ۱۵ ب تا ورق ۲۵ ب
- (۹) تردید جواب الجواب از مولانا فضل رسول بدایونی از: ورق ۲۵ ب تا ورق ۳۸ الف
- (۱۰) جواب الجواب ثانی از علامہ فضل حق خیر آبادی از: ورق ۳۸ الف تا ورق ۴۰ الف
- (۱۱) تردید جواب الجواب ثانی از مولانا فضل رسول بدایونی از: ورق ۴۰ ب تا ورق ۵۹ ب
- (۱۲) تردید الترید از علامہ فضل حق خیر آبادی از: ورق ۶۰ الف تا ورق ۶۲ ب

ان مکاتیب میں مولانا فضل رسول بدایونی کے جواب شبہ نمبر ۶ کے علاوہ باقی مکاتیب فارسی میں ہیں حضرت کا یہ جواب شبہ عربی میں ہے، ہاں البتہ کئی مکاتیب میں تمہید عربی میں رقم کی گئی ہے باقی مکتوب فارسی میں ہے۔ ان مکاتیب میں تاریخ و سنہ درج نہیں ہے، اس لیے ان کے زمانے کا تعین نہیں کیا جاسکا۔

ان مکتوبات کی علمی و فنی اہمیت و وقعت اپنی جگہ مگر یہ اس زاویہ سے بھی قابل توجہ ہیں کہ اکابر علما میں باہم کتنا احترام و لحاظ ہوا کرتا تھا، ان خطوط میں جن الفاظ میں اور جس اسلوب میں

ان حضرات نے ایک دوسرے کو مخاطب کیا ہے وہ آج ہمارے لیے ایک عمدہ مثال ہے۔  
 علامہ کا شبہ اور اس علمی معرکے کے بارے میں بعض تفصیلات درج ذیل ہیں:  
 شبہ لزومات اعتباریہ: علامہ فضل حق خیر آبادی فرماتے ہیں:

لزومات اعتباریہ یا درعقول مفارقة متحقق باشند یا نہ؟ علی الثانی لازم می آید کہ  
 ایں لزومات در نفوس متحقق باشند و در (لفظ نہیں پڑھا جاسکا) متحقق نہ باشند،  
 حال آنکہ بمقتضائے اصول فلاسفہ متحقق آنچہ در نفوس است درعقول مفارقة  
 ضروری ست، و علی الاول از سہ شق خالی نیست۔

اول آں کہ لزومات مرتبہ غیر متناہیہ بالفعل درعقول مفارقة متحقق باشند و ایں  
 خود محال است کہ ایں تسلسل در امور غیر متناہیہ بالفعل متعددہ و مرتبہ بالفعل  
 است و مرتب در (لفظ نہیں پڑھا جاسکا) ضرور است۔

دوم آں کہ لزومات متناہیہ بہ تنہا ہی (لفظ نہیں پڑھا جاسکا) چنانچہ در نفوس بشر  
 متحقق اند درعقول مفارقة ہم متحقق باشند، ایں ہم محال است چہ از اصول  
 فلاسفہ است کہ کمالات عقول عالیہ ہمہ بالفعل اند و تعاقب و تجدد در کمالات  
 آنہا کہ متعالی از مادہ و زمان اند ممکن نیست۔

سوم آں کہ لزومات متناہیہ بہ تنہا ہی معین است درعقول عالیہ متحقق باشند و ایں  
 ہم محال است زیرا کہ (لفظ نہیں پڑھا جاسکا) یک لزوم بالائے آں حد معین  
 است در ادراک نفوس بلا شبہ ممکن است و بارائے آں (لفظ نہیں پڑھا جاسکا)  
 آں بالائے آں حد معین است درعقول عالیہ ہم ضروری ست (لفظ نہیں  
 پڑھا جاسکا) بعلم نفوس پس تنہا ہی معین را در آنہا امکان نیست (شبہ  
 لزومات اعتباریہ درعقول مفارقة: ورق الف ۱)

اس شبہ کے حل کے لیے بدایوں سے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے ایک طویل مضمون  
 عربی میں تحریر فرمایا، اس طویل مضمون کے آخر میں جامع مکاتیب لکھتے ہیں: (۳۴)  
 ترجمہ: یہاں ختم ہوا ان علامہ کا خط جو اطراف و اکناف میں مشہور ہیں، اور

مدح و تعریف سے بے نیاز ہیں، فروع و اصول کے اسرار سے واقف اور معقول و منقول کے رموز کے کھولنے والے ہیں، یعنی مولانا و مرشدنا مولوی فضل رسول، اللہ ان کے فضل کا سایہ مریدین کے سروں پر سلامت رکھے (مرجع سابق: ورق ۱۳ ارب)

چونکہ اس جواب شبہ میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے علامہ کو مخاطب نہیں کیا تھا بلکہ عمومی انداز میں علامہ کے شبہ کا جواب رقم کیا تھا جب علامہ سے اس کے جواب کا مطالبہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں چونکہ مجھے مخاطب نہیں کیا گیا ہے اس لیے میں اس کا جواب نہیں دوں گا، پھر حضرت نے علامہ کو مخاطب کر کے تقریباً ۵۸ صفحات میں علامہ کے قائم کردہ شبہ کا جواب دیا، جامع مکاتیب لکھتے ہیں: (۳۵)

ترجمہ: حضرت معترض نے اس تحریر کو ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ ”مجیب نے تحقیق فرمائی ہے مگر ہمیں مخاطب نہیں کیا ہے، اگر ہم سے خطاب کرتے تو ہم جواب لکھتے“ اس وجہ سے بعض اصرار کرنے والوں کے اصرار پر براہ راست مخاطب کر کے جواب تحریر کیا گیا (مرجع سابق: ورق ۱۳ ارب)

مولانا شاہ فضل رسول بدایونی اپنے جواب کا آغاز ان الفاظ میں فرماتے ہیں: (۳۶)

ترجمہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ اجمعین، فرمایا مولائے اعظم، سیدنا و مولانا المعظم نے جو اپنے زمانے کے امام، اپنے معاصرین کے رئیس و صدر ہیں، حکما میں اکمل، فضلا میں اجل، علما میں افضل ہیں، ہمارے زمانے میں زمانہ ان پر ناز و فخر کرتا ہے، خدا کی قسم ہمارے تصور و خیال میں بھی ان کی مثل نہیں ہے، ان کے معاصر پر ان کی فضیلت کا انکار کرنے والا یا تو جاہل ہے یا پھر مجنون ہے، ان کی امامت و صدارت کا انکار صرف حاسد اور طالح ہی کر سکتا ہے، ان کی تعریف میں زیادہ سے زیادہ کہنے والا بھی کم ہے، ان کے بے شمار اوصاف میں سے تھوڑے کو بیان کرنے والا بھی در ماندہ اور تھکا ہوا

ہے، ریاست و صدارت والے، قوت قدسیہ کے مالک، استاذ مطلق مولوی  
فضل حق اللہ ان کا سایہ دراز کرے، ان کی عزت میں اضافے کرے، ان  
کے حال اور ان کے انجام کو بہتر کرے (مرجع سابق: ورق ۱۳/ب)

خط کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: (۳۷)

ترجمہ: یہ اس شخص کا..... ہے جس کو علم و حکمت سے کوئی مناسبت نہیں  
ہے، قلم کی قسم وہ تو تاریکیوں میں حیرت سے سرگرداں ہے، اس کا حال تو یہ  
ہے کہ وہ شرم کی وجہ سے اپنا نام بھی ذکر نہیں کر سکتا، اس لیے کہ جس کو علم  
و حکمت میں کوئی دخل نہ ہو اس کے اس میں دخل دینے سے سوائے مخلوق کی  
جانب سے مذاق اور استہزاء کے اور کیا ہاتھ آئے گا، مولانا نے اعظم (فضل  
حق خیر آبادی) کے اعتراض کا جواب دینے میں اس کا حال اس چٹان کے  
مشابہ ہے جو آسمان کی بلندیوں سے مقابلہ کرنا چاہتی ہو، اب اگر آپ کہیں  
کہ جو کچھ تم نے اپنے بارے میں کہا ہے وہ اگر درست ہے تو پھر تم نے ان  
کا جواب دینے کا قصد کیوں کیا؟ اگر یہ دکھاؤ اور شہرت کی طلب نہیں ہے تو  
اور کیا ہے؟ تو میں عرض کروں گا اور میرا کہنا بالکل درست ہے کہ مجھے اس  
معاملہ میں بعض سادات کرام کے اصرار نے ڈال دیا تو یہ جو کچھ میں نے  
کیا ہے یہ صرف ان کے حکم کی تعمیل ہے۔ (مرجع سابق: ورق ۱۵/ب)

اس مکتوب کے جواب میں علامہ نے قلم اٹھایا اور تقریباً ۲۰ صفحات میں مولانا شاہ فضل رسول  
بدایونی کا جواب قلم بند فرمایا، علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے جوابی خط میں حمد و صلۃ کے بعد فرماتے  
ہیں: (۳۸)

ترجمہ: مجھے ایک معزز خط موصول ہوا جو بوئے مشک افزا ہے، جس کی نثر  
نے منظوم موتیوں کو بھی شرما دیا، اور جس کی خوشبو کو باد نسیم نے بکھیرا، جس  
میں جام تسنیم کی ایک شراب کی آمیزش ہے، ایسا جام جس میں کسی قسم کی لا  
یعنی بات اور گناہ میں ڈالنے کا شائبہ تک نہیں ہے، جس نے دل مضطر کو تسلی

دی، اور پیاسے کی پیاس بجھائی، اور بیمار کو شفا بخشی، اور مار گزیدہ کا علاج کیا، اور زخمی کو ٹھیک کر دیا، بلکہ قبر سے بوسیدہ ہڈی کو زندہ کر دیا، بے پناہ حسن و خوبی کے مخزن، تقویٰ اور پرہیزگاری کے فرد منفرد، بلند حوصلہ کے مالک بے مثال رہبر و رہنما، بہترین اخلاق کے حامل اور بلند قد و قامت والے کرم فرما، بردباری سے مزین اور علم سے آراستہ، فن کلام کے ماہر دانشمند، بیدار ذہن پاکیزہ مزاج والے، بے پناہ استنباط کی صلاحیت رکھنے والی ہستی، جس نے فروع کے استنباط کے گیسو سنوارے، پختہ اور بالغ نظر مجدد جو اصول کی بنیاد رکھنے میں کامل مہارت رکھتے ہیں، اس لیے معقولات کی عقدہ کشائی کی خاطر غیر معمولی عقل و خرد والا شخص بھی ان کی پناہ میں آتا ہے، اور مردان ذی ہوش ان کی خدمت میں پیدل چل کر حاضر ہوتے ہیں، یا لاغر سواری پر آتے ہیں، تاکہ منقول کی روایت میں شعور امتیاز پائیں، قبولیت کے دست و بازو کے مالک، ہمارے رہبر اور ہمارے مخدوم مولوی فضل رسول، اللہ تعالیٰ انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی عظمت والی اولاد کے صدقے میں تشنگان معرفت کی رہنمائی اور جوق در جوق آنے والوں کی امداد کے لیے ہمیشہ کشادہ سائبان اور خوشگوار آسائش میں رکھے۔ (مرجع سابق: ورق ۱۵ ارب)

ان دونوں حضرات کی ایک دوسرے کے بارے میں مندرجہ بالا عبارتیں پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات باہم کیسے قدر و منزلت شناس تھے، حقیقت یہ ہے کہ ہیرے کی قدر جو ہری ہی جانتا ہے۔

ان مکاتیب میں خالص علمی مباحث کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں ایک دوسرے پر محبت آمیز چوٹیں بھی ہیں مگر ان میں پھکڑ پن اور سطحیت نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک دوسرے کے مقام و مرتبہ کا پاس و لحاظ صاف جھلکتا ہے، مثال کے طور پر ایک مقام پر حضرت نے محقق دوانی کے حاشیہ جدیدہ کی ایک عبارت یہ کہہ کر نقل فرمائی کہ:



ترجمہ: محقق دوانی حاشیہ جدیدہ میں لکھتے ہیں (مرجع سابق: ورق ۳۵/الف)  
اس کے جواب میں علامہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ قدیمہ اور حاشیہ جدیدہ گو کہ آں  
جناب کے گھر میں موجود ہے مگر شاید اس کو آپ نے اب تک سمجھا نہیں  
ہے۔ (مرجع سابق: ورق ۴۰/الف)

علامہ کے اس طنز کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں:

ترجمہ: حاشیہ قدیمہ اس فقیر کے کتب خانہ میں واقعی موجود ہے گو کہ حضرت  
معرض (علامہ فضل حق) کے حسن ظن کے مطابق واقعی اس احقر کو اس (کے  
معنی) کا فہم نصیب نہیں ہوا ہے، لیکن اس احقر کی نظر اس حاشیہ کے الفاظ پر  
ضرور پڑی ہے اور حضرت معرض کا اعتراض دفع کرنے اور ان کی غلطی  
ثابت کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے (مرجع سابق: ورق ۴۸/ب)

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ جن محقق دوانی کے حاشیہ کی ایک عبارت کے فہم میں ان دونوں  
حضرات میں بحث ہے ان محقق دوانی کی حیثیت مولانا شاہ فضل رسول کی نظر میں کیا ہے، ایک جگہ  
فرماتے ہیں:

محقق دوانی کہ باعتبار عجیب مزیتے بر حضرت معرض نداشت (مرجع سابق:  
ورق ۳۳/ب)

ترجمہ: عجیب (فضل رسول) کی نظر میں محقق دوانی حضرت معرض (علامہ  
فضل حق) پر کوئی فضیلت نہیں رکھتے۔

استدراک: اس علمی معرکے کے بارے میں میں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ:  
اس طرح یہ سلسلہ چلا اور آپس میں متعدد خطوط کا تبادلہ ہوا، یہ تمام خطوط  
فارسی میں ہیں اور رضا لائبریری رامپور کے شعبہ مخطوطات میں ”رویتہ  
الشمالب والغرائب فی انشاء المکاتب“ کے نام سے ایک مجموعے میں محفوظ  
ہیں، آج سے ۱۳۱۲ سال پہلے جب مجھے معقولات سے بہت زیادہ شغف

اور دلچسپی تھی تب میں نے رضا لائبریری میں دن بھر بیٹھ کر ان مکتوبات کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور لطف اٹھایا تھا، ان کی بہت سی تفصیلات میں نے ڈائری میں نوٹ کی تھیں، فی الحال وہ ڈائری پیش نظر نہیں ہے کہیں کتابوں میں دب گئی ہے اس لیے اس پر زیادہ کچھ نہیں لکھا جاسکتا، اس مجموعے کا نام بھی میں نے حافظے کی مدد سے لکھا ہے جس میں مجھے تامل ہے۔ (ماہنامہ جام نور دہلی شمارہ دسمبر ۲۰۱۰ء ص ۱۲)

اس کتاب کی ترتیب کے وقت میں نے دوبارہ رامپور جا کر ان مکاتیب کا مطالعہ کیا، جس سے واضح ہوا کہ اس مجموعے کا نام ”رویتہ الشمال والغرائب فی انشاء المکاتب“ نہیں ہے، بلکہ (جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ) یہ مجموعہ ”شبه لزوم لزومات اعتباریہ فی العقول المجردہ“ کے نام سے فہرست میں درج ہے، رویتہ الشمال مولانا حیدر علی فیض آبادی کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ ربنا لا تواخذنا ان نسينا او اخطئنا۔

**قاتل امکان کذب کی تکفیر کا قضیہ:** اس کے علاوہ ان تینوں حضرات کے درمیان ایک اور تحریری مباحثہ کا پتہ چلتا ہے، اس مباحثہ کے اسباب کچھ یوں بنے کہ ۱۲۶۹ھ میں سید حیدر علی ٹونکی کی تکفیر کا جو فتویٰ دیا گیا تھا (جس کا ذکر پیچھے گزرا) اس میں چھٹے سوال کے جواب میں جو موقف اختیار کیا گیا تھا اس سے مفتی صدر الدین آزرودہ نے جزوی طور پر اختلاف کیا، اور اپنے تامل کا اظہار کیا، یہی تامل اس سلسلہ مکاتبت کی وجہ بنا جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس سلسلہ مکاتبت کی ایک نقل کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ کل ۷ خطوط ہیں، متوسط سائز پر ایک صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔ مکتوبات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- (۱) مکتوب مفتی آزرودہ بنام علامہ فضل حق۔ (تقریباً ایک صفحہ)
- (۲) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزرودہ۔ (تقریباً ساڑھے چھ صفحات)
- (۳) مکتوب مولانا شاہ فضل رسول بنام علامہ فضل حق۔ (ساڑھے پانچ صفحات)
- (۴) مکتوب مفتی آزرودہ بنام مولانا شاہ فضل رسول۔ (آدھا صفحہ)
- (۵) مکتوب مفتی آزرودہ بنام علامہ فضل حق۔ (تین صفحات)

(۶) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزرودہ۔ (ڈیڑھ صفحہ)

(۷) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزرودہ۔ (دو صفحات)

اس تحریری مباحثے کی بعض تفصیلات ہم یہاں پیش کر رہے ہیں، سابق الذکر علمی معرکے کی طرح یہاں بھی آپ دیکھیں گے کہ ان تینوں حضرات میں مرد مومن کی وہ شان نظر آتی ہے کہ ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

استفتا میں سوال کیا گیا تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کذب کو ممتنع بالذات نہ مانتا ہو بلکہ ممکن بالذات مانتا ہو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب میں قائل کے کفر کا حکم دیا گیا تھا، مفتی صاحب کو اس میں یہ تاثر ملا ہوا کہ ایسا شخص بلاشبہ ضال و مضل (گمراہ اور گمراہ گر) ہے مگر اس کی تکفیر میں علما کے اصول کے مطابق احتیاط کی جائے گی، کیوں کہ وہ اس کی تاویل کرے گا جو اگرچہ فاسد ہی سہی مگر تکفیر کے باب میں احتیاط ضروری ہے، یہ الگ بات ہے کہ مفتی صاحب بھی اسی بات کو حق مانتے ہیں کہ کذب باری محال بالذات ہے، ہم مفتی صاحب کا پورا خط طوالت کے باوجود یہاں نقل کر رہے ہیں تاکہ کوئی غلط فہمی درمیان میں نہ آ سکے۔

مفتی صاحب علامہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے پہلے مکتوب میں فرماتے ہیں: (۳۹) ترجمہ: ان پندرہ سوالات کے جوابات رمضان میں پہنچ گئے تھے، ماہ شوال میں غور سے ملاحظہ کیے، جوابات نہایت برجستہ اور پسندیدہ ہیں، اور عقلی و نقلی دلائل سے بہترین طریقے پر مزین ہیں، مگر بعض مقامات پر مجھے اپنی فہم ناقص کی وجہ سے تاثر ملا ہے۔

وہ یہ کہ جو شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن و مقدور ہے، گو کہ اس بات پر اس کی دلیل محض خرافات ہے، مگر اس کے جواب میں مجیب لکھتے ہیں کہ ”کذب باری نقص ہے، اور نقص اس کے لیے محال بالذات ہے، لہذا ممکنات میں نہیں ہے، اور نہ تحت قدرت ہے“، اس کی دلیل میں مجیب نے شرح عقائد جلالی کی عبارت پیش کی ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوانی کی یہ عبارت علامہ شریف کے اس جواب کے رد میں ہے جو

انہوں نے شرح مواقف میں ذکر کیا ہے، کہ ”خلف وعید کا استحالہ اور خبر میں کذب ممنوع ہے، کیوں کہ یہ ان ممکنات میں سے ہے جن کو قدرت شامل ہے“، شرح عقائد جلالی کے ناظرین نے علامہ شریف کی جانب سے متعدد جوابات دیے ہیں، ان میں سے ایک وہ جواب ہے جو فاضل لاہوری نے دیا ہے، فرماتے ہیں ”پوشیدہ نہ رہے کہ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ممنوع بالذات ہو، مگر ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے، کیوں کہ اگر وہ ممنوع بالذات ہوتا تو کسی سے بھی صادر نہ ہوتا، بلکہ وہ اس طور پر ممنوع ہے کہ باری تعالیٰ کے کمال کے منافی ہے، تو وہ ممنوع بالغیر ہوا، اور امتناع بالغیر امکان ذاتی کے منافی نہیں ہے“، اس جواب سے قریب تر جواب دوسروں نے بھی دیے ہیں، اگرچہ بنظر دقیق یہی معلوم ہوتا کہ حق یہی ہے کہ کذب باری، دیگر وجوہ نقص اور نفی صفات کمالیہ باری تعالیٰ کے لیے محال بالذات ہے، ممکن نہیں اور نہ تحت قدرت ہیں، لیکن اگر کوئی شخص امتناع بالغیر کا قائل ہو اور دلیل میں یہ تاویل کرے کہ بعض علما نے ایسا کہا ہے، گو کہ اس کی یہ تاویل فاسد ہے، مگر اس پر حکم کفر جاری کرنا فقہاء کے اصول و ضوابط کی رو سے درست ہے یا نہیں؟ اس بات میں مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔

دوسرے یہ کہ مجسمہ اور مشبہ کا کفر مختلف فیہ ہے، محققین ان کی تکفیر نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ جہل باللہ من بعض الوجوہ موجب تکفیر نہیں ہے، محققین کے قول سے قطع نظر کفر مختلف فیہ میں فقہانے کفر کی تعیین نہیں کی ہے، ہاں البتہ ان اقوال کے قائل کے گمراہ اور گمراہ گر (ضال و مضل) ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، بہر حال کسی دوسرے وقت میں اس پر غور و فکر کروں گا، اور جو کچھ اس ہیچ کارہ کے فہم ناقص میں آئے گا وہ تفصیل سے عرض کروں گا، اس وقت بطور اجمال یہی چند حروف لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ والتسلیم

(مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۸/الف، ب)

اس کے جواب میں علامہ اپنے خط کا آغاز ان الفاظ میں کرتے ہیں: (۴۰)  
 ترجمہ: بجناب مولوی صاحب والامناقب مخدوم وکرم، مطاع معظم عقیدت  
 مندوں کی جائے پناہ..... دامت عنایتہم، سلام اور تمنائے ملاقات کے  
 بعد عرض ہے کہ عنایت نامہ نے ۲۴ شوال کو تشریف لا کر میری جان پر  
 احسان کیا۔ (مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۸/ب)

پھر تقریباً ساڑھے چھ صفحات میں علامہ نے دلائل سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے، خط کا  
 اختتام ان الفاظ میں ہوتا ہے ”عریضہ نیاز محمد فضل حق ختم اللہ لہ بالحنسیٰ غرہ ذی قعدہ ۱۲۶۹ھ“  
 اس کے بعد علامہ نے مفتی صاحب کے خط کی ایک نقل مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کو ارسال  
 کر دی اور ان سے رائے طلب کی، حضرت نے بذریعہ مکتوب اپنی رائے کا اظہار کیا، علامہ کے  
 نام خط کا آغاز ان الفاظ میں فرماتے ہیں: (۴۱)

ترجمہ: جناب افادت مآب مسند الوقت امام العصر رئیس الزماں حجۃ اللہ  
 الاستاذ المطلق مولانا وبالفضل اولانا حضرت مولوی فضل حق دام دواہم عرض  
 یہ ہے کہ اس استفتا کا جواب جو آپ قدوة الانام کی بارگاہ میں کسی خادم نے  
 پیش کیا تھا، اور آپ نے وہ جواب اپنے احباب عالی جناب میں سے ایک  
 صاحب (مفتی آزر دہ) جن کا نام نامی معلوم ہے کو ارسال فرما دیا تھا، اور پھر  
 (اس کے جواب میں) ان محترم کی جو تحریر آپ کے پاس آئی وہ آپ نے اس  
 کم علم کو مرحمت فرمادی وہ تحریر یہ تھی..... (مجموعہ مکاتیب قلمی: ۱۲/الف)

پھر مفتی صاحب کے خط سے ایک عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: (۴۲)  
 ترجمہ: یہ بے بضاعت اور بے لیاقت ان کتب کی زیارت سے مشرف ہوا  
 ہے، ہر چند کہ (مفتی صاحب کے خط کا) آخری جملہ کہ ”ان اقوال کے  
 قائل کے گمراہ و گمراہ گروہوں میں کچھ شبہ نہیں ہے“ حضرت مجیب اور جملہ  
 ناظرین کے لیے تسکین کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا  
 فرمائے، رہا یہ کہ حضرت علامہ نے جو تردد و تامل ظاہر کیا ہے تو فقیر بھی اس

معاملہ میں تردد اور تامل کا شکار تھا، آخر کار غور و فکر کے بعد فقیر کا تردد دور ہو گیا، ان دلائل کی بنیاد پر جو خدمت والا میں عرض کیے تھے، اور آپ کے توسط سے حضرت علامہ (مفتی صاحب) کی خدمت میں پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، حاشا وکلا جدال کے لیے نہیں بلکہ اصلاح و درستگی کی طلب میں، اور اللہ اس (نیت) پر گواہ ہے۔ (مرجع سابق)

اس کے بعد تقریباً پانچ صفحات میں حضرت نے مسئلہ کو دلائل سے واضح کیا ہے، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے ایک مختصر تحریر (تقریباً آدھا صفحہ) حضرت کے نام ارسال کی اور ایک تحریر علامہ فضل حق کو ارسال کی، علامہ کے نام تحریر میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: (۴۳)

ترجمہ: اللہ سبحانہ کے کذب کے امتناع ذاتی کے سلسلہ میں اس سرآمد علمائے عصر (علامہ فضل حق) کی اجمالی اور تفصیلی تحریر نیز ان کے احباب میں سے بعض (شاہ فضل رسول بدایونی) کی تحریر فرصت کے وقت میں نے دیکھی، وہ دلائل جو آں جناب نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیے ہیں وہ بوعلی سینا جو رئیس الفلاسفہ اور شیخ مشائخ ہے وہ بھی اس سے بہتر نہیں لکھ سکتا تھا، مگر حضرت غفور فرمائیں کہ..... (سابق: ۱۵/الف)

اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنے کچھ شبہات پیش کیے ہیں، پھر علامہ نے ان کا جواب دیا ہے، یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مفتی صاحب کو صرف اس بات میں تامل ہے کہ مذکورہ قائل کی تکفیر زیر غور ہے، ورنہ اس قائل کے ضال و مضل (گمراہ اور گمراہ گر) ہونے میں مفتی صاحب کو کوئی تامل نہیں ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔

**سید سراج احمد سہسوانی سے مباحثہ:** علامہ فضل حق خیر آبادی اور سید سراج احمد سہسوانی ☆ کے

---

☆ سید سراج احمد سہسوانی (ولادت: ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء۔ وفات: ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء) بن خواجہ آل احمد شاہ سہسوانی مشہور اہل حدیث عالم تھے، شاہ اسحاق دہلوی اور مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے سند حدیث حاصل تھی، مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کے رسالے احقاق حق کے جواب میں آپ نے رسالہ سراج الایمان تالیف کیا اور شاہ اسماعیل دہلوی کے دفاع کی کوشش کی، سراج الایمان کے جواب میں مولانا محمد الدین قادری بدایونی (وفات: ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) ابن مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے نیش الایمان نامی رسالہ لکھا جو سنہ ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں مطبع دہلی اردو اخبار دہلی سے شائع ہوا۔

درمیان ایک موقع پر لکھنؤ میں مباحثہ ہوا، اس مباحثہ کی روداد خود سید سراج احمد سہسوانی کے فرزند سید عبدالباقی سہسوانی نے تحریر کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی لکھنؤ تشریف لائے، تو کلکٹر میر محمد حسن خان بہادر (ناظم ضلع سیتاپور) نے علامہ کے اعزاز میں دعوت کی، جس میں بڑی تعداد میں علما اور امرا کو مدعو کیا ساتھ ہی سید سراج احمد سہسوانی کو بھی یہ کہہ کر دعوت دی کہ ”آج آپ کی جرأت اور طلاقت لسان کا امتحان ہے کیوں کہ بڑے نامور سے مقابلہ ہے“، چوں کہ کلکٹر صاحب بھی اصلاً سہسوان کے رہنے والے تھے اس لیے سید سراج احمد سہسوانی سے ان کے بے تکلفانہ مراسم رہے ہوں گے، بہر حال میزبان نے مہمانوں کا تعارف کروایا، کھانا ہوا اس کے بعد:

ادھر ادھر کی باتیں شروع ہوئیں اور علوم مروجہ کے متعلق بھی کچھ گفتگو ہوئی، تو آپ (سید سراج احمد) نے علامہ فضل حق خیر آبادی سے بے تکلفانہ سوال کیا: حضرت علم منطق کی غرض و غایت ارشاد فرمائیے۔ جواب دیا کہ اس کو ادنیٰ طلبہ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس میں کچھ شبہ ہے، فاضل (خیر آبادی) موصوف نے فرمایا کہ اس کی وجہ سے ذہن فکر و استدلال میں غلطی نہیں کرتا۔ آپ (سید سراج احمد) نے فرمایا کہ طرفہ تماشہ ہے کہ متقدمین و متاخرین میں کوئی شخص اس غرض کو حاصل نہ کر سکا۔ قدما میں اشراقیین مشائخ کے اختلاف اور ہر فریق کے فلسفیانہ استدلال ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں، متاخرین نے قدما کی غلطیاں ثابت کر کے نئے دعاوی قائم کیے، اور بزور دلائل ان کو حق بتایا اور ان پر بھی باہم اتفاق نہ ہوا، شیخین و امام رازی و طوسی و شیخ الاشراق کے مشاجرات اور اختلاف مسالک عجب حیرت انگیز معما ہیں، خود علم منطق کی کتابوں پر نظر کیجیے تو ماتن اپنے پیش رو کے اقوال رد کرتا ہے اور شارح اس کے جوابات دیتا ہے اور محشی ماتن کی تائید کرتا ہے، وہ ہلیم جراً اور یہ سب منطقی فنی میدان میں اپنی امامت تسلیم کرا چکے ہیں، یہ کیا قیامت ہے؟

مولانا (فضل حق خیر آبادی) نے جواب میں کچھ معقولیانہ توجیہ فرمائی مگر آپ (سید سراج احمد) نے جواب الجواب میں اپنے مدعا کو اور بھی روشن فرمادیا اور سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا (حیات العلماء: ص ۳۹/۴۰)

اس واقعہ کے ناقل چونکہ خود صاحب معاملہ کے فرزند ہیں اس لیے گمان غالب ہے کہ انہوں نے یہ اپنے والد سے ہی سنا ہوگا، لہذا از روئے روایت تو اس کی صحت میں شبہ نہیں کیا جاسکتا، ہمیں اس واقعے کو من وعن تسلیم کر لینے میں کوئی تا مل نہ ہوتا اگر اس میں سید سراج احمد سہسوانی کا سوال اور ان کی دلیل مذکور نہ ہوتی، بات اگر صرف اتنی ہوتی کہ مولانا سراج احمد سہسوانی نے علامہ سے چند سوالات کیے، علامہ نے جواب دینے کی کوشش کی مگر سید سراج احمد سہسوانی نے جواب الجواب دے کر علامہ کو سکت کر دیا، اگر روایت یہیں پر ختم ہو جاتی تو ہم خواہ مخواہ واقعے کی صحت میں شک نہیں کرتے کہ ممکن ہے سراج احمد صاحب نے کوئی ایسا ہی سوال کر لیا ہو جس کا جواب اس وقت علامہ کے پاس نہ ہو، مگر ناقل نے اپنے والد کا سوال اور ان کی دلیل نقل کر کے اس واقعہ کو تھوڑا مشکوک کر دیا، اہل علم جانتے ہیں کہ یہ سوال کوئی ایسا عقدہ لاخیل نہیں ہے جس کا جواب علامہ فضل حق جیسے امام فن سے نہ بن پڑے، یہ اعتراض اور اس کی مذکورہ دلیل اس قدر عامیانہ ہے کہ درس نظامی کے ابتدائی درجات میں جب طالب علم شرح تہذیب کے مقدمے میں اس مقام پر پہنچتا ہے:

وقد يقع فيه الخطاء فاحتيج الى قانون يعصم عنه في الفكر

(شرح تہذیب ص ۸/۷)

تو یہی سوال اور اس کی یہی دلیل ذکر کر کے اس کا جواب بتا دیا جاتا ہے، لہذا یہ باور کرنا ذرا مشکل ہے کہ جس سوال کا تشفی بخش جواب آج درس نظامی کا ایک عام مدرس بھی دے سکتا ہو اس کے جواب سے علامہ فضل حق خیر آبادی ایسا منطقی عاجز ہو گیا:

ع ناطقہ سر بگربیاں ہے اسے کیا کہیے

منشی جعفر تھانی سری عقائد و نظریات میں علامہ کے مخالف ہیں اور علامہ پر چوٹ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے مگر اس کے باوجود وہ اعتراف کرتے ہیں کہ:



علم منطق کے پتلے اور افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے (سوانح احمدی: ص ۱۴۳)

سر سید احمد خاں لکھتے ہیں کہ:

منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے، علمائے عصر بل فضلاء دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں، بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ (خود) کو یگانہ فن سمجھتے تھے جب ان (علامہ فضل حق) کی زبان سے ایک حرف سنا دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔

(آثار الصنادید: ج ۲ ص ۸۸)

اتنی بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اس محفل میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولانا سراج احمد سہسوانی کے درمیان کوئی علمی مذاکرہ ہوا ہو، مگر یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مولانا سہسوانی عمر میں علامہ سے تقریباً ۲۰ برس چھوٹے تھے، ممکن ہے علامہ نے ان کی کم عمری کا خیال کرتے ہوئے ان سے زیادہ مباحثہ کرنا اپنے شایان شان نہ سمجھا ہو۔



## مولانا عبدالحق خیر آبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے

مولانا عبدالحق خیر آبادی علم و فضل میں اپنے والد علامہ فضل حق خیر آبادی کے سچے وارث و جانشین تھے۔ آپ کا علمی تبحر آپ کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے، آپ نے اپنی تصانیف میں متعدد معاصرین اور متقدمین سے اختلاف رائے کیا، اور اپنی خدا داد صلاحیتوں کے بل پر بہت سے معقولی مسائل میں اپنی اجتہادی رائے پیش کی، جس کے نتیجے میں بعض معاصرین اور کچھ متاخرین سے علمی معرکہ آرائی کی نوبت آگئی، کچھ اہل علم نے آپ کی بعض تحقیقات پر نقد و جرح کی جس کے دفاع میں آپ کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ میدان کارزار میں کود پڑے اور علمی بحث و مناظرے کا بازار گرم ہوا، اس باب میں ہم مولانا اور ان کے تلامذہ کے انہیں علمی معرکوں کی سرگزشت پیش کرنے جا رہے ہیں، یہ معرکے علمی حوالے سے دلچسپ بھی ہیں اور اس زاویے سے سبق آموز بھی کہ وہ کیسے لوگ تھے جو ایک طرف تو میدان تحقیق و تنقید میں ایک دوسرے کے مد مقابل اور باہم برسر پے کار تھے، اور دوسری طرف ایک دوسرے کے ایسے قدر و منزلت شناس تھے کہ پاس و لحاظ اور ادب و احترام کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

مولانا عبدالحق فرنگی محلی سے علمی معرکہ: مولانا عبدالحق فرنگی محلی (ولادت: ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء - وفات: ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) اور مولانا عبدالحق خیر آبادی یہ دونوں عظیم علمی خانوادوں کے قابل فخر فرزند تھے، دونوں بڑے باپ کے بڑے بیٹے تھے، اور اپنے معاصرین میں منفرد و ممتاز تھے، مولانا عبدالحق خیر آبادی عمر میں مولانا عبدالحق فرنگی محلی سے ۲۰ برس بڑے تھے، ان دونوں حضرات کے درمیان ایک دلچسپ علمی معرکہ آرائی ہوئی، جو اب تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ اس معرکہ آرائی کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

مولانا عبدالحق نے ۱۲۷۷ھ میں لواء الہدیٰ ☆ پر حاشیہ لکھا، جو ۱۲۷۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا، ۱۲۸۰ھ میں جب مولانا عبدالحق فرنگی محلی اپنے والد مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی سے رسالہ میرزاہد مع لواء الہدیٰ پڑھ رہے تھے، تو آپ نے بھی لواء الہدیٰ پر حاشیہ لکھا، جس کا نام ”ہدایۃ الوری السی لواء الہدیٰ“ رکھا، اس حاشیہ میں جہاں انہوں نے لواء الہدیٰ کے دوسرے محشین پر نقد و جرح کی وہیں مولانا عبدالحق خیر آبادی کا حاشیہ بھی بحث و تنقید کی زد میں آ گیا، یہاں یہ بات نہ صرف قابل ذکر ہے بلکہ باعث استعجاب بھی ہے کہ جس وقت مولانا عبدالحق فرنگی محلی مولانا عبدالحق سمیت دوسرے اعظم مناطقہ کی آرا پر نقد و نظر فرما رہے تھے اس وقت آپ کی عمر محض ۱۶ سال تھی ع

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تست

۶ سال کے بعد یعنی ۱۲۸۶ھ میں آپ نے لواء الہدیٰ پر ایک اور مفصل حاشیہ تحریر فرمایا جس کا نام ”مصابح الدجی فی لواء الہدیٰ“ رکھا، یہ ایسا عظیم الشان حاشیہ ہے کہ اگر علم منطق میں مولانا کی کوئی اور کتاب نہ بھی ہوتی تو تنہا مصباح الدجی مولانا کو کبار مناطقہ کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے کافی تھی، اس میں آپ نے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے حاشیہ پر کچھ نئے اعتراضات

☆ ”رسالہ تصور و تصدیق“ ملاقطب الدین رازی (وفات: ۶۶۰ھ/۱۳۶۵ء) کا ایک مختصر متن ہے، جو رسالہ قطبیہ کے نام سے بھی مشہور ہے، رسالہ قطبیہ پر علامہ میرزاہد ہروی (۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء-۱۷۰۰ء) نے حاشیہ تحریر فرمایا، میرزاہد کے اس حاشیہ پر علامہ غلام یحییٰ بہاری (۱۱۸۰ھ/۱۷۶۷ء) نے لواء الہدیٰ فی السلیل والدجی کے نام سے حاشیہ لکھا، آج سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ کتاب درس نظامی میں داخل تھی، علامہ میرزاہد کے حاشیہ ملاجلال کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں گزرا، اور حاشیہ امور عامہ کا ذکر آگے آ رہا ہے، میرزاہد کے ان تینوں حاشیوں (حاشیہ رسالہ قطبیہ، حاشیہ ملاجلال اور حاشیہ امور عامہ) کو زواہد ثلاثہ کہا جاتا ہے، یہ تینوں حواشی درس نظامی کا ایک اہم حصہ تھے، بلکہ بارہویں صدی کے نصف آخر، تیرہویں صدی اور چودہویں صدی کے نصف اول تک تو کسی عالم کو اس وقت تک ماہر مدرس تسلیم ہی نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ زواہد ثلاثہ پڑھانے کی استعداد نہ رکھتا ہو، ان پر حاشیہ لکھنا اپنے معاصرین پر امتیاز کی دلیل سمجھا جاتا تھا، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے بھی میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملاجلال پر حواشی تحریر فرمائے ہیں، زواہد ثلاثہ حضرت الاستاذ علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی پسندیدہ درسی کتابیں تھیں، جن کو وہ بڑے اہتمام سے پڑھایا کرتے تھے، حضرت الاستاذ کی درسگاہ میں زواہد ثلاثہ پڑھنے کی سعادت اس کم علم راقم سطور کو بھی حاصل ہوئی ہے، اب زمانہ بدل گیا، زواہد ثلاثہ کا پڑھنا پڑھانا تو دور کنارا آج لوگ ان کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔

کیے اور گزشتہ اعتراضات کو مزید مدلل کیا، مولانا کے ان دونوں حاشیوں کے اعتراضات کا جواب مولانا عبدالحق خیر آبادی کے ایک شاگرد کے نام سے منظر عام پر آیا، مولانا عبدالحق خیر آبادی کے اس جواب پر مولانا عبدالحق فرنگی محلی نے ۱۲۸۷ھ میں جواب الجواب لکھا اور اس رسالے کا نام ”نور الہدیٰ لجملة لواء الہدیٰ“ رکھا، اس کے علاوہ انہوں نے اپنے حاشیے مصباح الدجلی پر بھی تعلیقات قلم بند کیں اور اس میں انہوں نے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے ان اعتراضات کا جواب دیا جو انہوں نے اس حاشیہ کے بعض مقامات پر کیے تھے۔ اس مباحثے کے تقریباً دس بارہ برس بعد مولانا عبدالحق خیر آبادی نے پھر ان حواشی کی طرف توجہ کی اور مولانا عبدالحق فرنگی محلی کے جواب میں ایک اور رسالہ لکھا، یہ بھی کسی شاگرد کے نام سے ہی منظر عام پر آیا، اس کے جواب میں مولانا نے ۱۳۰۲ھ میں ایک رسالہ قلم بند فرمایا جس کا نام ”علم الہدیٰ“ رکھا، معلوم نہیں پھر اس کے جواب میں خیر آبادی علما کی طرف سے کچھ لکھا گیا یا نہیں۔ ☆

اس معرکے میں کچھ تو اصولی اور علمی مسائل زیر بحث آئے اور کہیں محض لفظی گرفتیں کی گئیں ہیں، قیل وقال کے درمیان کہیں کہیں مزاح لطیف اور طنز ملیح کی صورت بھی پیدا ہوگئی، یہاں ہم اس مباحثہ سے صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہدلیۃ الوریٰ میں ایک بحث کے دوران علامہ غلام یحییٰ بہاری نے ضمناً ایک بات ارشاد فرمائی کہ:

كما ان النسبة داخله في مفهوم القضية دون حقيقتها (لواء الہدیٰ: ص ۹۴)

جیسا کہ نسبت صرف قضیہ کے مفہوم میں داخل ہے نہ کہ قضیہ کی حقیقت میں۔

اس پر مولانا عبدالحق خیر آبادی نے علامہ غلام یحییٰ سے اختلاف رائے کرتے ہوئے اس کو علامہ غلام یحییٰ کا ”سفسطہ“ قرار دیا، اس پر ایک طویل بحث کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

والحاصل ان النسبة مناط القضية ومدارها فكيف يظن انها

خارجة عن حقيقتها (بحوالہ مصباح الدجلی، ص ۱۹۵)

---

☆ بدر الدجلی فی شرح لواء الہدیٰ کے نام سے مولانا سید علیم الدین شاہ جہانپوری (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) کا ایک رسالہ کتب خانہ چھپوند شریف میں نظر سے گزرا، جو مطبع گلزار ابراہیم، مراد آباد (سنہ ندارد) سے شائع ہوا ہے، یہ نسخہ کرم خوردہ اور بوسیدہ ہے، اس لیے پوری طرح بات سمجھ میں نہیں آسکی، مگر خیال ہے کہ یہ بھی اسی معرکے سے متعلق ہے۔

خلاصہ یہ کہ نسبت ہی پر قضیہ کا مناط و مدار ہے لہذا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ نسبت قضیے کی حقیقت سے خارج ہو

مولانا عبدالحق فرنگی محلی نے مولانا عبدالحق کی اس پوری بحث کو چھ وجوہ سے رد کر دیا، اور آخر میں لکھا کہ:

فقد ظهر من هذا البيان الواضح والتبيان اللائح ان هذا الكلام من اوله الى آخره مغالطة وان نسبة السفسطة الى الشارح صدرت عن غفلة (مرجع سابق، ص ۱۹۷)

اس واضح بیان سے ظاہر ہو گیا کہ (مولانا عبدالحق کا) یہ کلام از اول تا آخر مغالطے پر مبنی ہے اور شارح (علامہ غلام کچھی) کی طرف سفسطہ کی نسبت غفلت کی وجہ سے صادر ہو گئی ہے

مولانا عبدالحق خیر آبادی نے یہ جو فرمایا تھا کہ ”نسبت ہی پر قضیہ کا مناط و مدار ہے لہذا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ نسبت قضیے کی حقیقت سے خارج ہو“ اس کا رد کرتے ہوئے مولانا عبدالحق فرنگی محلی نے ایک جملہ یہ لکھ دیا کہ:

وهل هذا كما يقال الوضوء مناط الصلوة ومدارها فكيف يظن انها خارج عن حقيقتها وهذا عجيب (مرجع سابق، ص ۱۹۷)  
یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ ”وضو پر نماز کا دار و مدار ہے لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وضو نماز کی حقیقت سے خارج ہو“ یہ کتنی عجیب بات ہے

مولانا عبدالحق خیر آبادی نے اس کا معقول جواب تو دیا ہی مگر ساتھ ہی مولانا عبدالحق صاحب پر ایک چوٹ بھی کر گئے فرماتے ہیں کہ:

اما ذكر مسألة الوضوء والصلوة في هذا المقام فهو يدل على كونه جامعاً بين المعقول والمنقول ولو اورد في هذا المبحث مسائل الطلاق والعتاق والبيع والشراء وغيرها لكان اعدل شاهداً على فقاهته واول دليلاً على سفاهته (مرجع سابق، ص ۱۹۷)

اس مقام پر وضو اور نماز کے مسئلے کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جناب معقول و منقول کے جامع ہیں، اگر محترم اس بحث میں طلاق و عتاق، خرید و فروخت اور شفعہ وغیرہ کے بھی کچھ مسائل ذکر دیتے تو یہ موصوف کی فقاہت پر بہترین گواہ اور سفاہت کی اولین دلیل ہوتی۔

اس پر مولانا عبدالحی کہاں خاموش رہنے والے تھے، انہوں نے بھی جواب آں غزل کے انداز میں چٹکی لی، فرماتے ہیں:

هذا عجيب جداً ممن يعد من علماء المسلمين، نعم لا يستبعد  
مثله من السفيه الذی لا يتوضأ ولا یصلی ویتنفر عن ذکر ارکان  
الدین (مرجع سابق، ص ۱۹۷)

جس شخص کا شمار مسلمانوں کے علما میں ہوتا ہو اس سے یہ بات کتنی عجیب ہے، ہاں البتہ اس قسم کی باتیں ایسے احمق سے بعید نہیں جو نہ وضو کرتا ہو نہ نماز پڑھتا ہو، اور ارکان دین کے ذکر سے نفرت کرتا ہو۔

۱۹۹۶ء/۱۹۹۷ء میں راقم الحروف نے استاذ محترم علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی درس گاہ میں رسالہ میرزا ہدیع حاشیہ غلام یحییٰ پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی، استاذ محترم کے حکم کے مطابق مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا حاشیہ مصباح الدجی زیر مطالعہ رکھتا تھا، اور کبھی کبھی مولانا عبدالحق خیر آبادی کے حاشیہ کا بھی مطالعہ کرتا تھا، مولانا عبدالحی صاحب کی سب سے بڑی خوبی ان کی سہل نگاری ہے، مشکل سے مشکل بحث آسان سے آسان تر انداز میں لکھنے کا جو ملکہ اللہ نے ان کو ودیعت کیا تھا وہ بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے، اس کے برخلاف مولانا عبدالحق کے قلم پر ان کا علمی رعب و دبدبہ اور محققانہ گہرائی و گیرائی اس قدر حاوی ہوتی ہے کہ ان کی بات ہم جیسے کم فہم طلبہ کی سمجھ میں ذرا مشکل سے ہی آتی ہے، اس لیے ہم جیسا کوئی کم علم طالب علم اگر ان دونوں حضرات کے مباحثے کو دیکھے گا تو مولانا عبدالحق صاحب کے مقابلے میں مولانا عبدالحی صاحب کی حمایت کرتا نظر آئے گا، جو یقیناً اس کے قصور فہم کا نتیجہ ہوگا، کیوں کہ ان دونوں عبقری شخصیات کے درمیان صحیح اور غلط کا فیصلہ وہ کرے جو انہیں کی طرح بلند علمی مقام رکھتا ہو۔

مولانا فضل حق رامپوری اور حاشیہ میرزا ہذا امور عامہ: مولانا عبدالحق خیر آبادی نے میرزا ہذا امور عامہ ☆ پر ایک تحقیقی حاشیہ تحریر فرمایا تھا، اسی میرزا ہذا امور عامہ پر مولانا فضل حق رامپوری (پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور) نے بھی حاشیہ تحریر فرمایا ☆☆ جس میں انہوں نے اپنے حاشیہ بر میرزا ہذا امور عامہ میں دلائل کے ساتھ مولانا عبدالحق خیر آبادی سے اختلاف کیا، اور جگہ جگہ ان پر اعتراضات کیے، بھلا خیر آبادی علما اس کو کہاں برداشت کر سکتے تھے، چنانچہ اس حاشیہ کو لے کر ایک نیا علمی معرکہ چھڑ گیا، مولانا فضل حق رامپوری کے ان اعتراضات کے جواب میں ایک رسالہ منظر عام پر آیا جس میں مصنف کی حیثیت سے مولوی عبداللہ انصاری کا نام درج تھا، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ فرضی نام ہے اس رسالے کے اصل مصنف مولانا محمد طیب مکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) ہیں، دوسرا رسالہ ”التحقیق المطلق علیٰ مسلک عبدالحق“ کے نام سے منظر عام پر آیا، جس پر مصنف کی حیثیت سے مولانا ہدایت اللہ رامپوری (شاگرد علامہ فضل حق خیر آبادی) کے ایک تلمیذ مولوی عطاء اللہ کا نام تھا، ☆☆☆ مگر تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ بھی فرضی

☆ کتاب الموافف علم کلام و عقائد میں علامہ عضد الدین الایبھی کا مشہور متن ہے، اس کی متعدد علما نے شرح کی ہے، مگر میر سید شریف جرجانی (وفات: ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء) کی شرح مواقف زیادہ مشہور و مقبول ہوئی، مصنف نے کتاب الموافف کو ۶۱ موقف پر تقسیم کیا ہے، جن میں دوسرا موقف امور عامہ کے بیان میں ہے، شرح مواقف کے اسی حصے پر علامہ میرزا ہذا ہروی (وفات: ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء-۷۰۰ء) نے حاشیہ تحریر فرمایا، یہی حاشیہ ”میرزا ہذا امور عامہ“ کہلاتا ہے، میرزا ہذا امور عامہ پر بے شمار علما نے حواشی تحریر فرمائے، بحر العلوم ملا عبدالحق فرنگی مکی کا حاشیہ اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بہت خوب ہے۔

☆☆ مولانا فضل حق رامپوری (ولادت: ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء۔ وفات: ۱۳۵۸ھ/۱۹۴۰ء) اپنے زمانے کے تبحر عالم اور محقق و مدرس تھے، سلسلہ چشتیہ میں حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت بیعت رکھتے تھے، اگرچہ مولانا فضل حق رامپوری بھی میخانہ خیر آبادی کے بادہ نوش تھے، وہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید ہونے کے علاوہ مولانا ہدایت علی بریلوی (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) اور مولانا عبدالعزیز سہارنپوری (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) سے بھی نسبت تلمذ رکھتے تھے، اور جس زمانے میں مولانا عبدالحق خیر آبادی مدرسہ عالیہ رامپور میں پرنسپل تھے اسی زمانے میں مولانا فضل حق صاحب نے مدرسے میں درس ہونے کے باوجود ان سے کچھ کتاب فیض کیا تھا، آپ کی تصانیف میں شرح دروس البلاغہ، حاشیہ تلوتج، حاشیہ ایسا غوجی، اور حاشیہ حمد اللہ مشہور ہیں، دیکھیے برصغیر کے علمائے معقولات ص ۶۷ تا ۷۸، تجلیات مہر انور ص ۱۸ تا ۲۲۔

☆☆☆ خیال ہے کہ یہ رسالہ خود مولانا ہدایت اللہ رامپوری کا ہوگا، عبدالسلام خاں رامپوری نے مولانا ہدایت اللہ کے ترجمے کے ذیل میں لکھا ہے کہ ”تصانیف میں بعض رسالے تھے جو مولانا عبدالحق خیر آبادی کے دفاع میں تحریر کیے تھے،“ (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۸۷)۔

نام ہے، رسالہ کسی اور کا ہے (الظفر الحامدی: ص ۴۳) ان دونوں رسالوں کے جواب میں مولانا فضل حق رامپوری نے ”الظفر الحامدی علیٰ المجیب المکی والمجیب المختفی“ نامی رسالہ تحریر کیا، یہ رسالہ محرم ۱۳۲۲ھ میں لکھا گیا اور اسی سال مطبع سعیدی رامپور سے طبع ہوا۔

مولانا فضل حق رامپوری کے ایرادات کو دفع کرنے کے لیے ایک اور خیر آبادی فاضل نے قلم اٹھایا، یہ تھے علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری (تلمیذ مولانا سید برکات احمد ٹوکنی تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) آپ نے ”ازاحة شبهات الشادی عن کلام الفاضل الخیر آبادی“ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا، اس پر مولانا محمد شریف سمینوی (مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور) نے تقریظ لکھی، ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع مفید عام لاہور سے ۱۳۲۵ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔ مولانا محمد شریف صاحب نے اپنی تقریظ میں اس رسالہ کی تصنیف کا جو پس منظر تحریر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”امور عامہ پر حاشیہ زاہد یہ بہت مغلق اور دقیق ہے، اس کے اسرار خواص پر پوشیدہ رہے چہ جائے کہ عام علما اور فضلا پر، کسی نے ایسی تحریر نہیں لکھی جو اس کے مغلفات کو واضح کرتی، اور نہ کسی نے ایسی تعلیق لکھی جو اس کے مشکلات کی وضاحت کرتی، اس کے جتنے بھی حواشی ہیں وہ یا تو بہت طویل ہیں یا پھر انتہائی مختصر ہیں، لہذا استاذ الاساتذہ علامہ عبدالحق خیر آبادی نے اس پر ایسا حاشیہ تحریر فرمایا جو اس کے رموز و اسرار کو کھولنے والا ہے، چنانچہ علامہ کا یہ حاشیہ علما کے درمیان مقبول ہوا، لیکن حاسدین اس کو دیکھ کر اپنی آتش حسد میں جل گئے، اور مولوی فضل حق رامپوری نے اس پر اعتراضات کیے، جب ان اعتراضات کی خبر علامہ سید برکات احمد ٹوکنی کو ہوئی تو انہوں نے متواتر کئی خطوط مولانا فضل حق رامپوری کو لکھے کہ آپ ان اعتراضات کے سلسلے میں بالمشافہہ مجھ سے مباحثہ کر لیں، مولانا فضل حق رامپوری نے ان کو رامپور آنے کی دعوت دی، جب مولانا سید برکات احمد ٹوکنی اپنے تلامذہ کے ساتھ رامپور پہنچے اور مولانا فضل حق کے پاس اپنی آمد کی خبر بھیجی تو مولانا نے یہ بہانہ کر دیا کہ ان کا بیٹا بیمار ہے لہذا وہ نہیں آ سکتے، جب دوبارہ ملاقات کا وقت مانگا تو انہوں نے پھر وہی عذر کر دیا، تیسری بار مولانا ٹوکنی نے کہلوایا کہ میں مناظرے کے لیے نہیں بلکہ



آپ کے بیٹے کے معاملے کے لیے آنا چاہتا ہوں کیوں کہ میں ایک طبیب بھی ہوں، لیکن پھر بھی مولانا رامپوری ملاقات پر آمادہ نہیں ہوئے، اس درمیان ان کو کئی خطوط لکھے گئے مگر انہوں نے کسی کا جواب نہیں دیا تو مولانا ٹوکی صاحب نے سمجھ لیا کہ یہ مناظرے کو تیار نہیں ہوں گے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ان اعتراضات کا تحریری جواب لکھ دیں تو آپ تیار نہیں ہوئے، لہذا لوگ ان کے تلمیذ رشید مولانا معین الدین اجمیری کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے درخواست کی، پہلے تو آپ نے اپنی تدریسی مصروفیات کا عذر کیا لیکن جب لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے یہ رسالہ تالیف فرمایا، (ترجمہ ملخصاً از احۃ شہات الشادی: ص ۹۳ تا ۹۶)

مولانا محمد شریف صاحب کے اس بیان میں ہمیں عقیدت مندانہ مبالغہ محسوس ہو رہا ہے کیوں کہ مولانا فضل حق رامپوری بہر حال ایک تبحر، معقولی، متقی اور پرہیزگار عالم تھے، ان سے اس قسم کے غیر علمی اور غیر اخلاقی رویہ کی امید نہیں کی جاسکتی واللہ اعلم

از احۃ شہات الشادی کی اشاعت کے بعد تقریباً ۱۳ سال تک خاموشی رہی، پھر اس کے جواب میں مولانا فضل حق رامپوری کے شاگرد رشید اور معقول و منقول کے جامع مولانا غلام محمد چشتی گھوٹوی (ولادت: ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۶ء - وفات: ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) نے ایک رسالہ ”ظفر الحق والصداقہ“ تحریر فرمایا، ظفر الحق والصداقہ کی اشاعت کے دو تین سال بعد مولانا معین الدین پھر میدان میں آئے ☆ اور ”از احۃ اوہام الغفول عن کلام امام المعقول“ نامی رسالہ تصنیف فرمایا، ۱۶ صفحات کا یہ رسالہ عربی زبان میں دہلی سے ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوا، نہیں معلوم کہ اس کے جواب میں علمائے رامپور کی جانب سے کچھ لکھا گیا یا یہ سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔

مولانا معین الدین اجمیری اور مولانا فضل حق رامپوری کے درمیان ہونے والے علمی معرکے کی تفصیل آپ نے ملاحظہ کی، اب ذرا تصویر کا ایک دوسرا رخ دیکھیں، یہی مولانا فضل حق

---

☆ یہ وہ زمانہ تھا جب تحریک خلافت اور ترک موالات کا ملک میں شہرہ تھا، مولانا معین الدین ان تحریکات میں مصروف تھے، اسی سلسلہ میں کم از کم دو مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، اس لیے رسالہ ظفر الحق والصداقہ کے جواب میں تاخیر ہوئی (پیش لفظ از احۃ اوہام الغفول: ص ۷۲ د)

راپوری اس معرکے کے کئی برس بعد ۱۹۳۲ء و ۱۹۳۳ء میں مدرسہ معینیہ اجمیر شریف میں ممتحن کی حیثیت سے جلوہ فرما ہوئے، مولانا معین الدین اجمیری مدرسے کے صدر مدرس تھے، مولانا عبدالسلام خاں راپوری لکھتے ہیں کہ مولانا معین الدین اجمیری نے مولانا فضل حق راپوری کا تعارف ان الفاظ میں کروایا کہ:

آج میں ایسے فاضل کو پیش کر رہا ہوں جو اس لیے بڑا نہیں ہے کہ بڑوں کی موت نے اسے بڑا بنایا ہے بلکہ یہ وہ بڑا ہے جس کو بڑوں نے جب وہ زندہ تھے بڑا مانا تھا (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۱۷۷)

محاکمات اور شرح اشارات جیسی کتابوں کا امتحان لیا، اس کے بعد کیا ہوا یہ خود ایک عینی گواہ کی زبان سے سنیے، مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد مولانا محمد اسرار ٹیل پشاور (جوان طلبہ میں شامل تھے جن کا امتحان لیا گیا تھا) فرماتے ہیں:

امتحان لینے کے بعد علامہ فضل حق صاحب بہت خوش ہوئے، اور تعریفی کلمات میں حضرت استاذی (مولانا معین الدین اجمیری) مدظلہ کے کام کو سراہ رہے تھے، اتفاق سے ان کے ایک ساتھی (خادم) کا نام معین الدین تھا، انہیں نام لے کر پکارا تو حضرت علامہ (معین الدین اجمیری) آگے بڑھے، اور فرمایا ”فقیر حاضر ہے“ اس پر علامہ راپوری بہت نادم ہوئے، اور فرمایا ”آپ تو مخدوم معین الدین ہیں“ یہ ان حضرات کے اخلاق عالیہ کا کمال تھا، ورنہ ہر دو حضرات کے مناظرے بھی ہوئے تھے اور شائع بھی ہوئے تھے، مگر چونکہ علامہ راپوری عمر میں بڑے تھے اور عالی جناب حکیم برکات احمد کے ہم زمان تھے، اس لیے استاذی مدظلہ بھی ان کی استاذانہ قدر کرتے تھے (مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج

عقیدت: ص ۱۱۵/۱۱۶)

یہ ہے علمائے ربانین کا طرز عمل کہ آپس میں علمی اختلافات بھی ہیں، مناظرے بھی ہو رہے ہیں، جواب اور جواب الجواب میں رسالے بھی شائع ہو رہے ہیں، اس کے باوجود بھی

جب ان کی باہم کہیں ملاقات ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے کے مقام و مرتبے کا پاس و لحاظ کرنے اور ایک دوسرے کا ادب و احترام کرنے میں ہر آدمی دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے، یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون کس کا زیادہ ادب و احترام کر رہا ہے۔ کہنے والے نے درست کہا ہے کہ ”بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں“۔ رب قدیر ان سب کے درجات بلند فرمائے۔

**مناظرہ رامپور:** یہ مناظرہ ☆ مولانا عبدالحق خیر آبادی پر اعتراضات کے نتیجے میں ان کے ایک شاگرد اور شاگرد کے شاگرد سے ہوا تھا، جس کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اس مناظرے کی تقریب کچھ یوں ہوئی کہ مولانا عبدالحق فرنگی محلی کے ایک شاگرد مولانا عبدالوہاب بہاری ☆☆ نے رسالہ میرزا ہند پر صحیفہ ملکوتیہ کے نام سے حاشیہ تصنیف فرمایا، جس میں جگہ جگہ اپنے استاذ مولانا عبدالحق فرنگی محلی کا دفاع کرتے ہوئے مولانا عبدالحق خیر آبادی پر اعتراضات کیے، فخر بہار کی خواہش تھی کہ اس کتاب کی اشاعت کے اخراجات نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور ادا فرما دیں، اسی مقصد سے مولانا عبدالوہاب بہاری رامپور آئے ہوئے تھے، مولوی محمد علی صاحب عرف صاحبزادہ چٹھن (تلیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) جو نواب رامپور کے عزیز بھی تھے، جب انہوں نے کتاب دیکھی تو یہ گوارا نہیں کیا کہ جس کتاب میں ان کے استاذ مولانا عبدالحق خیر آبادی پر اعتراضات کیے گئے ہوں وہ ریاست رامپور کے مصارف پر اشاعت پذیر ہو، صاحبزادہ چٹھن صاحب نے یہ تجویز رکھی کہ آپ ان اعتراضات کے سلسلے میں مولانا حکیم برکات احمد ٹوکنی سے مناظرہ کر لیں، اگر آپ ان کو شکست دے دیں تو یہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ یہ اعتراضات درست ہیں اور ریاست اس کتاب کی طباعت کے اخراجات ادا کرے گی، مولانا عبدالوہاب صاحب نے

---

☆ اس مناظرے کی تفصیلات حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی دو کتابوں ”مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم“ اور ”مولانا معین الدین اجیری: کردار و افکار“ میں اور مولانا عبدالسلام خاں رامپوری نے ”برصغیر کے علمائے معقولات اور ان کی تصانیف“ میں درج کی ہیں، ہم نے اس روداد مناظرہ کے سلسلہ میں انہیں کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

☆☆ مولانا عبدالوہاب بہاری (وفات: ۱۳۳۵ھ) اپنے زمانے میں معقولات کی تدریس میں منفرد مقام رکھتے تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ رہے، حکومت برطانیہ کی جانب سے ”شمس العلماء“ کا خطاب بھی ملا تھا، اور ”فخر بہار“ کے لقب سے مشہور تھے۔

یہ تجویز منظور فرمائی، حکیم صاحب کو دعوت دی گئی، آپ نے منظور فرمائی اور رامپور کا قصد کیا، جب مناظرے کے سلسلے میں حکیم صاحب کے رامپور جانے کا شہرہ ہوا تو آپ کے بہت سے تلامذہ اجمیر، پٹنہ، دربھنگہ، الہ آباد، بنارس اور سہارن پور سے رامپور کے لیے روانہ ہو گئے، اور بقول حکیم محمود احمد برکاتی:

ریاست کے سرکاری مہمان خانے میں چند دن کے لیے منطقه ہند کا مرکز ثقل منتقل ہو گیا (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۹۱)

مولانا سید برکات احمد ٹونکی کے ساتھ ان کے شاگرد رشید علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری بھی تھے، یہ خیر آبادی قافلہ ریاست رامپور میں خیمہ زن ہو گیا مگر مولانا عبدالوہاب صاحب کی جانب سے مجلس مناظرہ کے انعقاد میں تاہل اور تذذب کا مظاہرہ ہوتا رہا، جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو آخر ایک دن مولانا معین الدین اجمیری صاحب ملاقات کے لیے مولانا عبدالوہاب بہاری کے دولت کدے پر پہنچ گئے، ادھر ادھر کی گفتگو ہوئی، اسی میں کہیں مولانا عبداللہ ٹونکی کا ذکر خیر بھی آ گیا، آگے کی گفتگو خود مولانا معین الدین اجمیری کی زبانی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں:

فخر بہار فرمانے لگے ”انہوں نے (مولانا عبداللہ ٹونکی نے) حمد اللہ کے حاشیے میں کس قدر فاش غلطی کی ہے کہ قضیہ کو معقولات ثانیہ میں داخل کر دیا ہے“ یہ کہہ کر فخر بہار ان کی تحریر پر سخت تعجب کرنے لگے، فقیر حقیر نے فخر بہار کے اس تعجب پر متعجب ہو کر کہا کہ یہ فاش غلطی تو کیا غلطی بھی نہیں ہے، اگر مولوی عبداللہ صاحب نے ایسا لکھا تو بالکل بجا اور صحیح لکھا کیوں کہ قضیہ کا معقولات ثانیہ سے ہونا ایک اجماعی مسئلہ ہے، زان بعد فقیر اس امر کا منتظر تھا کہ اب فخر بہار کچھ ارشاد فرمائیں، لیکن انہوں نے ایسی چپ سادھی کہ یہ مسئلہ تو درکنار تذکرہ اہل علم ہی کو اڑا گئے (چہار تازیانہ قہار: ص ۲، بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص ۶۵)

اپنی قیام گاہ پرواپس آ کر مولانا معین الدین اجمیری نے قضیہ کے معقولات ثانیہ سے ہونے

یا نہ ہونے پر مولانا عبدالوہاب بہاری صاحب کو دعوت مناظرہ دی، طرفین سے تحریروں کا تبادلہ ہوا، مولانا عبدالوہاب نے مولانا معین الدین اجمیری سے مناظرہ کرنا اپنے مقام سے فروتر گمان کیا کہ وہ ان سے عمر میں چھوٹے تھے، ہاں البتہ مولانا اجمیری کے استاذ مولانا سید برکات احمد ٹونکی سے مناظرہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ صاحبزادہ چھٹن صاحب کی کوششوں سے یہ مناظرہ ۱۵/رمضان ۱۳۳۲ھ/۱۷ جولائی ۱۹۱۶ء کو ”خاص باغ“ میں نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں رامپور اور اطراف کے بہت سے معقولی علما نے شرکت کی، بقول حکیم محمود احمد برکاتی:

یہ مناظرہ علمائے عقلیات کے درمیان غالباً تاریخ کا آخری قابل ذکر مناظرہ تھا، اس کے بعد تو بساط ہی الٹ گئی، اب عقلیات ہی کی قدر باقی رہی نہ علمائے عقلیات کی، قدریں ہی بدل گئیں، وہ موضوعات رہے نہ مسائل، ان کے سمجھنے والے ہی اٹھ گئے، ان میں الجھنے والے دکان بڑھا گئے، وہ نظریات، وہ مسائل، وہ شخصیات سب اس دور کے لیے اجنبی ہو کر رہ گئے۔ (مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص ۶۴)

مجلس مناظرہ آراستہ ہوئی اور ریاست رامپور کے اخبار دبدہ سکندری (شمارہ ۳۷، جلد ۵۳، ۲۴ جولائی ۱۹۱۶ء) کے مطابق:

حکیم صاحب (مولانا سید برکات احمد) نے اپنی پرزور تقریر سے اس (قضیہ) کا معقولات ثانیہ سے ہونا ثابت کر دیا تو جناب مولانا مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری بجز اس کے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تو میں نے کسی سے نہیں سنا یہ تو جدید تحقیق ہے، اس پر حاشیہ حمد اللہ مصنفہ حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ سے جس میں عبارت افق المبین سے یہ امر ثابت ہو رہا تھا پیش کیا گیا جس کو حضور معلیٰ (نواب حامد علی خاں) دام ملکہم نے بذات خود جناب مولانا مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری کو سمجھا دیا (مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص ۶۶/۶۷)

اس مجلس مناظرہ میں مولانا فضل حق رامپوری بھی تشریف فرما تھے، مولانا برکات احمد ٹوکی اور ان کے تلامذہ سے مولانا فضل حق رامپوری کے علمی معرکے کی روداد آپ پڑھ چکے، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مولانا فضل حق رامپوری موقع سے فائدہ اٹھا کر مولانا برکات احمد کی شکست کے درپے ہو جاتے، اور اپنی گزشتہ معرکہ آرائی کا بدلہ لے لیتے، مگر آپ مولانا فضل حق کی اعلیٰ ظرفی ملاحظہ فرمائیں، مولانا کے شاگرد مولانا عبدالسلام خاں رامپوری روایت کرتے ہیں کہ مولانا فضل حق رامپوری نے فرمایا کہ:

میں نے محسوس کیا کہ عبدالوہاب الہی پیر رہے ہیں ☆ اور جواب بن نہیں پڑ رہا ہے تو میں نے حکیم برکات احمد کے سوال کی تشریح کرتے ہوئے جواب کی طرف اشارہ کر دیا، پھر ایک موقع پر برکات احمد دشواری میں پڑ گئے، میں نے عبدالوہاب بہاری کی بات کی تشریح کی اور جواب کی طرف اشارہ کیا، بہر حال میں نے دونوں حضرات کی بحث کو نزاع لفظی قرار دیتے ہوئے فیصلہ کر دیا اور اس طرح نواب صاحب کے سامنے دونوں کی بات رہ گئی (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۶۱)

یہی وہ اعلیٰ ظرفی، کشادہ قلبی، اور وضع داری ہے جو انسان کو بڑا بناتی ہے، مناظرہ ختم ہوا تو دونوں فریق نے اپنے اپنے طور پر فتح و کامرانی کا سہرا اپنے سر باندھا، اس سے مولانا برکات احمد کے تلامذہ اور مولانا عبدالوہاب اور ان کے تلامذہ کے درمیان ایک تحریری جنگ چھڑ گئی، اس سلسلہ میں خیر آبادی خیمے کی جانب سے جو رسائل اور کتابچے منظر عام پر آئے ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) ازالة اوہام العادی عن کلام الفاضل الخیر آبادی: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد در بھنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد ٹوکی) مطبوعہ اخلاقی پریس بانک پور

(۲) مانع غلط فہمی: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد در بھنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد ٹوکی) مطبوعہ مطبع مجیبی پھلواری شریف

(۳) عجائب الدہور: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد در بھنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد ٹوکی)

☆ ”اسی پیرنا“ ایک محاورہ ہے، یعنی کوئی کام دشواری اور دقت کے ساتھ انجام دینا۔

احمد ٹونکی) مطبوعہ اخلاقی پریس بانکی پور

(۴) چہارتا زیانہ قہار: مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

(۵) کھلی چٹھی کا کھلا خط: مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

(۶) حقیقت مناظرہ رامپور: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی، مطبوعہ اکسیر اعظم پریس بنارس

(۷) التقریر الکامل فی تنبیہ الغافل: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی، مطبوعہ اکسیر اعظم پریس بنارس

(۸) الاعلان: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی

(۹) الرباح الخطیۃ علی الصحیفۃ المملکوتیۃ: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی

(۱۰) الطامۃ الکبریٰ: مولانا مقبول احمد خاں درہنگوی مطبوعہ مطبع مجبھی پھلواری شریف

(۱۱) مناظرہ مور و سلیمان: مولانا محی الدین غازی اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

اسی درمیان تصنیف کی ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ مولانا عبدالوہاب مولانا اجمیری کے ساتھ مناظرے کے لیے آمادہ ہو گئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ مناظرہ حیدر آباد میں ہو اور شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی صاحب اس کے حکم ہوں وہ جو فیصلہ کر دیں اس کو فریقین تسلیم کریں، اس پر مولانا معین الدین اجمیری راضی ہو گئے، لکھتے ہیں:

اس دعوت کو فقیر بالرائس والعین قبول کرتا ہے، بہتر ہے حیدر آباد چلیے حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب دامت برکاتہم کو ہم بھی حکم تسلیم کرتے ہیں، اب آپ کو اس معاملے میں عجلت کرنا چاہیے، جس وقت روانگی کا ارادہ ہو فقیر کو بذریعہ تار مطلع فرمائیے، اور بہتر ہو کہ جناب براہ اجمیر شریف حیدر آباد شریف لے جائیں تاکہ دونوں کا ساتھ ہو جائے، سفر کی منزلیں بخدا لطف کے ساتھ طے ہوں گی، الغرض فقیر ارشاد کی تعمیل کے لیے حاضر ہے (کھلی چٹھی کا کھلا

خط: بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص ۶۷-۶۸)

مولانا کی اس تحریر میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں ایک تو اس سے شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ صرف منقولات ہی کے امام نہیں بلکہ معقولات میں بھی اس درجہ بلند مقام کے حامل تھے کہ منطق کے ایک الجھے ہوئے مسئلے کو

حل کرنے کے لیے اگر فریقین کسی کے علم اور دیانت و امانت پر اعتبار کر کے فیصل اور حکم ماننے پر آمادہ ہیں تو صرف آپ کی ذات گرامی ہے۔

دوسرے اس عبارت سے مولانا معین الدین اجمیری کے خلوص اور کشادہ قلبی کا پتہ چلتا ہے کہ جس شخصیت سے آپ علمی میدان میں برسر پے کار ہیں اسی کو اس محبت کے ساتھ اپنا ہم سفر بنانے کی خواہش کر رہے ہیں گویا ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہو۔ یہ ہے علمی مباحثہ میں ہمارے اکابر و اسلاف کا کردار۔

قصہ مختصر یہ کہ حیدر آباد کے سفر کی نوبت ہی نہیں آئی اور اسی درمیان شمس العلماء مولانا عبدالوہاب بہاری صاحب کا سانحہ ارتحال پیش آ گیا، ان کی اچانک وفات سے یہ معاملہ کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچا۔





## لطائف خیر آباد

علامہ فضل حق خیر آبادی اور آپ کے فرزند مولانا عبدالحق خیر آبادی کے سلسلہ میں بہت سے دلچسپ واقعات مشہور ہیں، جن سے ان حضرات کی حاضر جوابی، بذلہ سنجی، اور ظرافت طبع کا پتہ چلتا ہے، ان میں سے بعض لطائف مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے باغی ہندوستان میں درج کر دیے ہیں، ہم یہاں اسی قسم کے بعض واقعات ذکر کریں گے۔

ہر بات کا جواب قرآن سے: حافظ احمد علی شوق نے تذکرہ کالملاں رامپور میں مولانا خلیل الرحمن سواتی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے درمیان ایک دلچسپ گفتگو کا ذکر کیا ہے، نواب یوسف علی خاں کے زمانے میں مولانا خلیل الرحمن سواتی ٹونک سے رامپور آئے، نواب صاحب سے ملاقات ہوئی تو مولانا نے اثنائے گفتگو فرمایا کہ ”میں ہر چیز قرآن سے نکالتا ہوں“، نواب صاحب نے اس بات کا تذکرہ کسی دوسرے وقت علامہ سے کیا، علامہ نے فرمایا کہ ”آپ ان سے فرمادیں کہ مجھ کو فلاسفہ کے اجزاء تو قرآن سے نکال دیں“، آگے کا قصہ احمد علی شوق کی زبانی پڑھیں، لکھتے ہیں:

چنانچہ دوسری ملاقات میں یہی سوال کیا، مولوی خلیل الرحمن سخت پریشان ہوئے، ان کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ اشارہ مولوی فضل حق کا تھا، اس لیے ایک روز نواب صاحب کے سامنے مولوی فضل حق سے اصول میں گفتگو کرنے لگے، مولوی فضل حق کھینچ تان کر ان کو منطق میں پکڑ لائے، اور بند کر دیا، اسی روز سے مولوی فضل حق نے کتب اصول کو دیکھنا شروع کیا۔

(تذکرہ کالملاں رامپور: ص ۱۲۲/۱۳۲)

خضاب: علامہ فضل حق خیر آبادی بالوں میں خضاب لگایا کرتے تھے (خضاب کو بعض علما نے بعض

شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے) اس سلسلہ میں ایک واقعہ غوث علی شاہ پانی پتی (تلمیذ مولانا فضل امام خیر آبادی) نے ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

جس زمانے میں مولوی فضل حق صاحب سررشتہ دار تھے تو ہر جمعہ خضاب کیا کرتے تھے، مولوی نور الحسن صاحب کاندھلوی نے جو مولوی صاحب سے پڑھتے تھے، عرض کیا جناب یہ خضاب کرنا آپ کو زیبا نہیں کیوں کہ آپ عالم ہیں، مولوی صاحب سن کر چپ ہو رہے، جب مولوی نور الحسن صاحب کئی مرتبہ زبان پر لائے تو ایک دن مولوی صاحب نے جواب دیا کہ سنو صاحب کسی نے وعظ کہہ کر دنیا کمائی، کسی نے درس (و) تدریس کر کے، کسی نے تعویذ گنڈا کر کے، کسی نے پیری مریدی کی آڑ میں، ہم نے منہ کالا کر کے دنیا حاصل کی۔ (تذکرہ غوثیہ: ص ۳۷۱)

**درس کا لطف:** علامہ کے بارے میں ایک دلچسپ جملہ ہمارے بعض اساتذہ سنایا کرتے تھے، اس کے صحت و ضعف کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا، اساتذہ بیان کرتے تھے کہ علامہ فرماتے تھے کہ پڑھنے پڑھانے کا مزہ تو جب ہے کہ کتاب قاضی مبارک ہو، پڑھنے والے ملائکہ ہوں اور روح القدس درس کی داد دے رہے ہوں۔

**شیخ الرئیس کے کلیات:** مولانا عبدالہادی بدایونی کا بیان ہے کہ ان کو مفتی کرم احمد میخوار بدایونی نے بتایا کہ حاذق الملک حکیم عبدالجید خاں کا درس ہو رہا تھا، کلیات قانون بوعلی سینا معرض درس میں تھی کہ اچانک مولانا عبدالحق خیر آبادی پہنچ گئے، جیسے ہی مولانا تشریف لائے حکیم صاحب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا، کتاب بند کی اور درس موقوف کر دیا، گفتگو شرع ہوئی تو مولانا عبدالحق نے پوچھا کہ حکیم صاحب آپ کی تدریس کا کیا طریقہ ہے؟ حکیم صاحب نے جواب دیا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم شیخ (ابن سینا) کی کلیات کو جزئیات پر منطبق کر دیتے ہیں اور بس، مولانا نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص آپ کے شیخ کے کلیات ہی کو غلط ثابت کر دے تو؟ حکیم صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ ایسے شخص کے سامنے ہم کتاب بند کر دیتے ہیں (جیسے آپ کے سامنے بند کر دی) واقعہ کے راوی مفتی کرم احمد بدایونی اس کے چشم دید گواہ تھے (احوال و مقامات قدیم: ص ۹۵/۹۶)

اعتبارات: مولانا عبدالحق خیر آبادی خادموں اور نوکروں کے سلسلہ میں بہت فیاض تھے، ان کے نوکر بھی بہت سمجھ دار تھے اور مختلف حیلوں بہانوں سے مالی منفعت حاصل کر لیا کرتے تھے، مولانا جان بوجھ کر چشم پوشی کرتے تھے، اس قسم کے ایک دو واقعات باغی ہندوستان میں نقل کیے گئے ہیں، حکیم محمود احمد برکاتی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالحق خیر آبادی نے سامان خورد و نوش کا یومیہ حساب لکھنے کی ذمہ داری مولانا برکات احمد ٹوکی کے سپرد کی، پہلے ہی دن جب مولانا حساب لکھنے بیٹھے تو باورچی نے کہا ”لکھیے پان ایک آنہ“، پھر چند چیزوں کے بعد کہا ”لکھیے پنواڑی ایک آنہ“، مولانا برکات احمد نے فرمایا کہ پنواڑی سے پان ہی تو لیے ہوں گے وہ تو تم لکھوا چکے، باورچی نے کہا تم تو لکھ لو یہاں کا حساب ایسے ہی لکھا جاتا ہے، مولانا برکات احمد نے یہ بات استاذ کو بتائی، تو مولانا عبدالحق نے فرمایا کہ ”اس میں الجھن کی کون سی بات ہے پان کی حیثیت سے پان کا ایک آنہ اور پنواڑی کی حیثیت سے ایک آنہ، تم تو جانتے ہی ہو کہ لولا الاعتبارات لبطلت الحکمة مولانا برکات سمجھ گئے مولانا عبدالحق خود ہی چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں۔ (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۱۵۳)

خود پسندی: عربی میں ایک لفظ استعمال ہوتا ہے ”عُجِبَ بِنَفْسِهِ“ جس کا ترجمہ اردو میں خود پسندی یا کبھی خود ستائی وغیرہ سے کیا جاتا ہے، اس بات کو ذہن میں رکھ کر اب علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد مولانا محمد اسرار نیل پشاوری کی زبانی یہ لطیفہ سنیں:

خاندان عالیہ کے متوسلین اکثر اپنے اساتذہ کرام کی تصنیفات درس میں پڑھایا کرتے تھے، اس لیے ہمیں بھی مسلم الثبوت، شرح مسلم الثبوت علامہ عبدالحق صاحب خیر آبادی شروع کرائی گئی، مسلم الثبوت علامہ محبت اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس کی عبارت ایسی مختصر اور جامع ہے جیسے فلسفہ میں باقر داماد کی ”افق المبین“ مگر ان دونوں فاضلوں میں یہ عجیب بات ہے کہ خود ستائی کرتے ہیں، چنانچہ مسلم الثبوت کے مقدمہ میں بھی علامہ مذکور نے ایسے جملے استعمال کیے ہیں جن پر علامہ خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ”هَذَا عَجِبَ بِنَفْسِهِ“ (یہ اپنے منہ اپنے کو میاں مٹھو کہنا ہے) اس مقام پر

پہنچ کر حضرت استاذی مولانا معین الدین صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ مولوی محمد یونس اجمیری اور ان کے دوسرے ساتھی جب اس مقام پر پہنچے تو مولوی یونس نے چپکے سے کہا کہ حضرت علامہ خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا یوں فرمانا بھی ”عجب بنفسہ“ ہے چنانچہ اس پر ہم سب خوب کھل کر ہنسے (مولانا معین

الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: ص ۱۳۸/۱۳۹)

نسخہ یافتوی: مولانا عبدالحق خیر آبادی کے پوتے حکیم ظفر الحق خیر آبادی کے بارے میں ایک لطیفہ حضرت سید فرقان وحید ہاشمی (سجادہ نشین خانقاہ حافظیہ خیر آباد) نے راقم کو سنایا کہ ایک مرتبہ کوئی مریض حکیم صاحب کے پاس آیا، آپ نے اس کو نسخہ لکھ کر دیا، جب مریض نے نسخہ غور سے دیکھا تو اس میں ادویہ کے ساتھ کچھ ایسے اجزاء بھی تھے جن کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے، مریض نے کہا کہ حکیم صاحب یہ اجزاء تو حرام ہیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ بھائی میں نے نسخہ لکھا ہے فتویٰ نہیں لکھا۔



## انڈمان کا ایک سفر

خانوادہ قادریہ بدایوں شریف سے خانوادہ خیر آباد کے روابط اور تعلقات کی تفصیل آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، یہ تعلق افادہ واستفادہ کا بھی ہے اور عقیدت و محبت کا بھی، یہ اسی عقیدت و محبت کا کرشمہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کے دل میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے مزار پر حاضری دینے کا شوق پیدا ہوا، جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ / دسمبر ۱۹۹۱ء میں آپ نے جزیرہ انڈمان کا سفر فرمایا، حضرت کے مرید الحاج رفیق بابا مرحوم اور رفیق بابا کے کچھ مریدین ہمراہ کاب سعادت تھے، مدراس تک بذریعہ قطارہ اور مدراس سے انڈمان تک کا سفر پانی کے جہاز سے طے کیا، ۲۲ دسمبر کی صبح جزیرہ انڈمان پہنچے، ۲۳/۲۴ دسمبر وہاں قیام کیا، اور ۲۵ دسمبر کو واپسی کے لیے جہاز میں سوار ہوئے۔

انڈمان میں جناب شوکت علی ایڈوکیٹ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے علامہ کے مزار کی نشاندہی کی، شوکت علی صاحب نے گفتگو کے دوران کہا کہ مجھے حیرت ہے کہ ہندوپاک میں علامہ کے سلسلے کے ہزاروں وابستگان موجود ہیں مگر آج پہلی بار کوئی آدمی علامہ کا مزار تلاش کرتے ہوئے اس طرف آیا ہے۔

علامہ کے مزار کے برابر ایک مزار اور ہے جو مولوی لیاقت علی کے نام سے منسوب ہے، تین دن کے دوران قیام کئی مرتبہ حضرت مزار پر حاضر ہوئے، اور فاتحہ خوانی کی، حضرت نے حاضری کے دوران علامہ کی شان میں ایک منقبت نظم کی، اس کو ہم یہاں درج کر رہے ہیں تاکہ محفوظ ہو جائے۔

مرحبا صد مرحبا فضل و کمال فضل حق  
 علم کی دنیا میں ہے جاہ و جلال فضل حق  
 معترف ہیں آج تک اہل خرد اہل نظر  
 علم میں یکتا ہیں فضل حق و آل فضل حق  
 فلسفی و منطقی ، مفتی ، مناظر اور ادیب  
 خدمت دین نبی تھا اشتغال فضل حق  
 حق کہا ، حق پر چلے ، حق پر چلایا ، حق کیا  
 حق نما ، حق آشنا ، حق تھا کمال فضل حق  
 دشمنان حق کے حق میں حق کی سیف بے نیام  
 لرزہ براندام باطل از قتال فضل حق  
 ان کے شاگردوں میں ہوں جب حضرت تاج الفحول  
 کیسے لائے گا زمانہ پھر مثال فضل حق  
 دل ہمارا ہے نثار حضرت فضل رسول  
 جان ہے وارفتہ حسن و جمال فضل حق  
 اے خدا سالم بھی ان کے نام لیواؤں میں ہے  
 اس کو بھی مل جائے شہ از کمال فضل حق



## خیر آبادیات پر تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی کام

یہاں ہم ان اہل علم و قلم کا ذکر کریں گے جنہوں نے کسی نہ کسی نہج پر خیر آبادی علوم و معارف کی نشر و اشاعت یا خیر آبادیات پر سوانحی اور تحقیقی کام کیا ہے۔ ان میں وہ اکابر بھی شامل ہیں جو براہ راست علامہ یا ان کے تلامذہ سے نسبت شاگردی رکھتے تھے، اور وہ معاصر اہل قلم بھی جنہوں نے خیر آبادیات کے مختلف گوشوں کو عنوان بنا کر تحقیقی کام کیا ہے۔

(۱) مولانا عبداللہ بلگرامی: مولانا عبداللہ بلگرامی ☆ کا شمار علامہ کے قابل فخر تلامذہ میں ہوتا ہے، اپنے خیر آبادی اساتذہ اور ان کی تصانیف سے بے حد محبت تھی، اسی کا نتیجہ ہے کہ علمائے خیر آبادی کی تصانیف کی نشر و اشاعت میں آپ نے اہم کردار ادا کیا، آپ کی اہم کاوش علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب ہدیہ سعیدیہ کا حاشیہ التحفة العلمیہ ہے، یہ حاشیہ عربی میں ہے، اور آج بھی ہدیہ سعیدیہ کے ساتھ شائع ہوتا ہے، اس کے مقدمے میں آپ نے علامہ کی مختصر سوانح بھی درج کی ہے، اس کے علاوہ خیر آبادیات کے سلسلہ میں آپ کی دو اور اہم خدمات ہمارے مطالعہ میں آئی ہیں۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی کا حاشیہ بر حاشیہ غلام یگی آپ نے فرمائش کر کے مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۷۸ھ میں شائع کروایا اور اس کی تصحیح کے فرائض بھی خود ہی انجام دیے، اس کے علاوہ مولانا عبدالحق خیر آبادی کی دوسری کتاب شرح مرقات مطبع شعلہ طور کانپور سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی

---

☆ آپ سید شاہ آل احمد بلگرامی کے فرزند ہیں، ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۸ھ / ۱۸۳۲ء میں ولادت ہوئی، یکم رمضان ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء کو وفات پائی، کچھ تعلیم مولانا سلامت اللہ کشنی بدایونی (کانپوری) اور ان کے تلامذہ سے حاصل کی، تفسیر و حدیث مولانا نور الحسن کاندھلوی سے پڑھی، منطق و فلسفہ کی اعلیٰ کتابیں اور ادب عربی کی تحصیل علامہ فضل حق خیر آبادی کی درس گاہ میں کی، حج کے موقع پر تفسیر و حدیث اور فقہ کی سند شیخ الاسلام احمد بن زینی دحلان مکی سے حاصل کی، دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند: ص ۲۶۷۔

تو اس کی تصحیح بھی آپ نے کی، اور اس پر مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ اپنے استاذ علامہ فضل حق خیر آبادی کی حمایت اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تردید میں آپ نے رسائل بھی لکھے، جن کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۲) مولانا برکات احمد ٹوکی: آپ کا ذکر خیر اس کتاب میں متعدد مقامات پر گزرا، آپ نے اپنی درس گاہ کے ذریعہ خیر آبادی علوم و معارف کو تو عام کیا ہی ساتھ ہی قلم کے ذریعہ بھی خیر آبادیات کی خدمت کی، اپنے استاذ مولانا عبدالحق خیر آبادی کی سوانح ”حسرة العلما بوفاة شمس العلما“ کے نام سے ترتیب دی، جو ”مصلح المطابع دہلی سے شائع ہوئی، ہزار تلاش کے باوجود راقم سطور کو یہ کتاب دستیاب نہیں ہوئی، ورنہ ممکن ہے کہ اس کی مدد سے خیر آبادیات کے کچھ اور گوشے سامنے آتے۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالحق خیر آبادی کا ”حاشیہ قاضی مبارک“ آپ نے شائع کروایا اور اس کے پروف کی تصحیح بھی خود ہی فرمائی۔ مسئلہ امکان کذب باری میں آپ نے اپنے استاذ الاستاذ علامہ فضل حق خیر آبادی کے دفاع میں رسالہ ”الصمصام القاضی“ قلم بند فرمایا، مسئلہ امتناع نظیر میں بھی آپ نے ایک تحقیقی رسالہ تصنیف کیا اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے موقف کے حق میں دلائل فراہم کیے۔

(۳) مولانا سلیمان اشرف بہاری: ☆ خیر آبادیات کے سلسلہ میں آپ کی اہم خدمت علامہ فضل حق خیر آبادی کے رسالہ امتناع النظیر کی اشاعت ہے، یہ رسالہ پہلی مرتبہ آپ ہی کی کوشش سے زیور طباعت سے آراستہ ہوا، امتناع النظیر کے خاتمے میں آپ لکھتے ہیں:

حضرت استاذنا العلام (مولانا ہدایت اللہ) مدظلہ بجمہت اس شفقت و محبت  
بزرگانہ کے جو اس پیچ میرز کے حال پر مبذول فرماتے تھے اصل مسودہ  
مصنف علیہ الرحمہ کے قلم کا مرقومہ عطا فرما کر اجازت طبع کی دی، گواب

---

☆ سید سلیمان اشرف بہاری (ولادت: ۱۸۷۸ء - وفات: ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) نے متوسلطات تک کی تعلیم حضرت شاہ نور محمد چشتی اصدقی سے حاصل کی، آپ ہی کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہوئے، اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے، کچھ دن کانپور میں تعلیم حاصل کی، پھر جوینور پہنچے اور مولانا ہدایت اللہ رامپوری کی درس گاہ میں تعلیم مکمل کی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ دینیات کے صدر رہے، تصانیف میں السبین قابل قدر کتاب ہے، جس میں عربی زبان کی قدامت اور اصالت پر تحقیق مباحث ہیں۔



میرے پاس اصل مسودہ موجود تھا مگر پھر بھی بنظر غایت احتیاط دو اور نسخے بہم پہنچائے، ایک مولانا برکات احمد صاحب ٹوکی سے ملا اور دوسرا مولانا عبدالمقتدر صاحب بدایونی نے مرحمت فرمایا۔ فقیر نے بصرف زر کثیر و محنت شاقہ طبع کرانا شروع کیا، اور صحت طبع میں خاص اہتمام ملحوظ رکھا، اچھے اچھے مستعد فضلا اس کے صحیح رہے، زائد حصے کی تصحیح خود فقیر نے دوبارہ بکمال عرق ریزی کی ہے، تین سال کی پیاپے محنت و مشقت کا نتیجہ ہے جو یہ علمی گنجینہ آپ حضرات کی نگاہوں کے سامنے ہے (امتناع النظر: ص ۳۳۵)

مولانا سلیمان اشرف نے جابجا حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معنی بھی تحریر کر دیے ہیں، بالخصوص علامہ کے قصیدہ میمییہ (جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) کے بین السطور اور حاشیہ میں حل لغات اس خوبی سے درج کیے ہیں کہ قصیدہ سمجھنا آسان ہو گیا ہے، یہ رسالہ اگست ۱۹۰۸ء میں جادو پریس جونپور سے شائع ہوا۔

(۴) مولانا عبدالحکیم شرف قادری: مولانا عبدالحکیم شرف قادری (ولادت: ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء - وفات: ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء) سلسلہ خیر آباد کے ایک قابل فخر فرزند تھے، پوری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری، نیک سرشت، خوش اخلاق، متقی، پرہیزگار، تعمیری اور مثبت فکر کے حامل، علوم معقول اور منقول دونوں میں گہری نظر کے ساتھ ساتھ شگفتہ اور رواں دواں قلم کے مالک تھے، آپ نے خیر آبادیات کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں کئی اہم کام کیے ہیں، خیر آبادیات کی طرف آپ کیوں متوجہ ہوئے اس بارے میں خود ہی ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

حضرت علامہ (فضل حق خیر آبادی) ہمارے اساتذہ کے سلسلہ میں ایک نمایاں شخصیت ہیں ہمارے اور حضرت علامہ کے درمیان تین واسطے ہیں (۱) ملک المدرسین حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ (۲) فقیہ العصر مولانا یار محمد بندیا لوی (۳) حضرت علامہ مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری

رحمہم اللہ تعالیٰ۔

یہ وجوہ تھیں کہ راقم حضرت علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا، اور اللہ تعالیٰ کی امداد کے ساتھ درج ذیل کتب کی اشاعت کی توفیق ہوئی۔

مولانا شرف قادری نے خیر آبادیات کے سلسلہ میں جو تحقیقی اور اشاعتی خدمات انجام دی ہیں ان کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

(۱) المرقاة مع حاشیہ المرصاة: مرقاة عربی زبان میں منطق کی ابتدائی کتاب ہے جو مولانا فضل امام خیر آبادی (والد ماجد علامہ فضل حق خیر آبادی) کی تصنیف ہے، یہ کتاب آج بھی درس نظامی میں داخل ہے، مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اس پر عربی زبان میں حاشیہ لکھا، اور اس پر مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا جس میں منطق کی ضرورت و افادیت پر گفتگو کے علاوہ مشہور مناطقہ مثلاً ارسطو، فارابی، ابن سینا، امام رازی وغیرہ کے ساتھ ساتھ علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا فضل امام خیر آبادی اور مولانا عبدالحق خیر آبادی کے حالات بھی درج کر دیے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۲ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور اب تک متعدد ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔

(۲) مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی کی کتاب باغی ہندوستان کو پاکستان میں پہلی بار مکتبہ قادریہ لاہور سے ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۲ء میں طبع کروایا، اس پر مبسوط مقدمہ بھی لکھا اور آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل کیا، بعد میں شرف صاحب کا یہ ضمیمہ ہندوستانی ایڈیشن میں بھی شامل کر لیا گیا۔

(۳) مولانا شرف قادری کی ایک اہم خدمت علامہ کی کتاب ”تحقیق الفتویٰ“ کا ترجمہ اور اشاعت ہے، علامہ کی یہ کتاب فارسی میں تھی اور اب تک غیر مطبوعہ تھی، شرف صاحب نے اس کا سلسلیں اردو ترجمہ کیا، ایک تحقیقی مقدمہ لکھا اور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال سے اس کو شائع کروایا۔

(۴) علامہ فضل حق خیر آبادی کے عربی رسالے ”الروض المجوذ“ کا اردو ترجمہ حکیم محمود احمد برکاتی نے کیا، اس پر شرف صاحب نے عربی میں علامہ کی سوانح کا اضافہ کیا اور مکتبہ قادریہ لاہور سے ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔

(۵) مولانا عبدالحق خیر آبادی کی کتاب شرح حواشی الزاہد یہ ملا جلال عرصے سے ناپید تھی،

شرف صاحب نے ۱۹۷۸ء میں مکتبہ قادریہ لاہور سے اس کو دوبارہ شائع کیا۔

(۶) ڈاکٹر قمر النساء بیگم کی پی ایچ ڈی کا مقالہ ”العلامہ فضل حق الخیر آبادی حیاتہ و مآثرہ“ پہلی مرتبہ شرف صاحب نے مکتبہ قادریہ لاہور سے ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں شائع کیا، اس پر آپ نے عربی زبان میں تعارف مصنفہ اور سوانح علامہ بھی تحریر فرمائی۔

(۷) علامہ فضل حق کا حاشیہ قاضی مبارک شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی نے اپنی ذاتی دلچسپی سے سیال شریف سے شائع کروایا، حضرت کی خواہش پر عربی میں مولانا شرف قادری نے علامہ فضل حق کا تعارف قلم بند کیا، جو اس اشاعت کے شروع میں شائع ہوا۔ سیال شریف کا یہ نسخہ اگرچہ مصلح المطالع دہلی والے نسخے کا عکس ہے مگر اس میں ۳ صفحات پر مضامین کتاب کی فہرست شامل کر دی گئی ہے، جس سے کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ یہ فہرست مصلح المطالع والے نسخے میں نہیں ہے، ممکن ہے یہ بھی شرف صاحب کی ترتیب کردہ ہو۔

اس کے علاوہ شرف صاحب کے متعدد عربی اور اردو مقالات و مضامین میں خیر آبادی علما اور ان کی دینی خدمات کا جا بجا تذکرہ ملتا ہے، شرف صاحب کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے مولانا ممتاز احمد سیدی کو جامع ازہر میں علامہ کی عربی شاعری پر پی ایچ ڈی کرنے کے لیے بھیجا، اس کے علاوہ ڈاکٹر سلمہ سیہول کو علامہ کے عربی دیوان کی ترتیب و تحقیق کی طرف متوجہ کیا اور اس سلسلہ میں ان کا ہر ممکن تعاون فرمایا۔

(۵) حکیم محمود احمد برکاتی ☆: خیر آبادیات کے سلسلہ میں آپ نے کئی اہم تحقیقی کام کیے ہیں، اس کتاب کی ترتیب میں بھی ہم نے حکیم صاحب کے رشحات قلم سے کافی استفادہ کیا ہے، کتاب میں جگہ جگہ آپ کو حکیم صاحب کے حوالے ملیں گے۔

خیر آبادیات کے سلسلے میں حکیم صاحب کی جو خدمات ہمارے علم میں آسکیں وہ درج ذیل ہیں۔

☆ حکیم محمود احمد برکاتی بن حکیم سید محمد احمد ٹونگی بن مولانا برکات احمد ٹونگی (ولادت ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء) کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم خلیفہ ٹونک میں ہوئی، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجیر شریف سے درسیات کی تکمیل کی، الہ آباد یونیورسٹی سے فاضل ادبیات کی سند حاصل کی، طبیہ کالج دہلی سے طب کا نصاب مکمل کیا، تقسیم کے بعد کراچی ہجرت کی، وہیں قیام پذیر ہیں، مطب کے ذریعہ مخلوق خدا کی خدمت اور مختلف علمی اور تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ بقول نادم سیتا پوری ”خیر آبادی مکتب فکر کے جائز وارث و جانشین اور پاک و ہند میں خیر آباد کے نمائندے ہیں“، ۲۰۰۱ء میں ہمدرد یونیورسٹی کراچی نے فن طب سے متعلق آپ کی خدمات کے اعتراف میں آپ کو D.Sc (ڈاکٹر آف سائنس) کی اعزازی ڈگری تفویض کی ہے۔

(۱) الروض المجوہ فی تحقیق حقیقۃ الوجود: وحدۃ الوجود کے موضوع پر یہ علامہ فضل حق خیر آبادی کا ایک محققانہ رسالہ ہے جو عربی زبان میں تھا حکیم صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا، مکتبہ قادریہ لاہور سے شائع ہوا۔

(۲) فضل حق اور سن ستاون: یہ علامہ فضل حق خیر آبادی کی حیات اور خدمات کے سلسلہ میں حکیم صاحب کی ایک تحقیقی کتاب ہے، اور خیر آبادیات کے موضوع پر مستند مرجع اور ماخذ کا درجہ رکھتی ہے، اس میں آپ نے بعض غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا علمی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے، اس کتاب کا ایک باب ”چند اغلاط کی تصحیح“، مولانا عبدالشہد خاں شیروانی نے اپنی کتاب ”باغی ہندوستان“ میں بھی شامل کر لیا ہے، جس سے باغی ہندوستان کی اہمیت اور افادیت میں اضافہ ہوا۔

(۳) سفر اور تلاش: یہ حکیم صاحب کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں ”علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے علوم“ کے عنوان سے ایک طویل مضمون (تقریباً ۲۹ صفحات) ہے، اس میں علامہ کی مختصر سوانح کے ساتھ مندرجہ ذیل عنوانات پر داد تحقیق دی گئی ہے، علوم، مسئلہ امتناع نظیر، امکان کذب، ادب عربی، حسن تربیت، حاضر دماغی، علامہ اور مرزا غالب، جہاد حریت وغیرہ، (۴) مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: مولانا حکیم برکات احمد ٹوکنی مدرسہ خیر آباد کے نامور فاضل اور حکیم محمود احمد برکاتی کے دادا ہیں، مولانا برکات احمد ٹوکنی کے سوانح حیات علمی اور تحقیقی انداز میں مرتب کرنا حکیم محمود احمد برکاتی کا حق تھا جس کو انہوں نے بحسن و خوبی ادا کیا ہے، حکیم برکات احمد ٹوکنی کے حالات کے ضمن میں خیر آبادیات کے سلسلہ میں بہت سا اہم مواد یکجا ہو گیا ہے۔ یہ کتاب برکات اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔

(۵) مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: مولانا معین الدین اجمیری مولانا برکات احمد ٹوکنی کے ارشد تلامذہ میں تھے اور آخری دور میں مدرسہ خیر آباد کے علمی وارث اور ترجمان تھے، اس کتاب میں مولانا معین الدین اجمیری کی حیات و خدمات پر مختلف گوشوں سے بحث کی گئی ہے۔

(۶) مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: یہ کتاب حکیم صاحب کی ترتیب ہے اس میں مولانا معین الدین اجمیری کے مندرجہ ذیل تلامذہ کے مضامین شامل ہیں۔ مولانا سید نجم الحسن خیر آبادی، مولانا محمد عبدالشہد خاں شیروانی، مولانا محمد اسرار ٹیل پشاوری، مولانا عبدالغفور بنیری۔

ان کتابوں کے علاوہ حکیم صاحب کے متعدد مقالات و مضامین میں خیر آبادی شخصیات اور مباحث زیر قلم آئے ہیں۔

(۶) مفتی انتظام اللہ شہابی: علامہ فضل حق خیر آبادی کی حیات کے سلسلہ میں مفتی انتظام اللہ شہابی (وفات: ۱۹۶۸ء) کے مضامین اور تحریریں خشت اول کا درجہ رکھتی ہیں، سوانح علامہ کے بہت سے واقعات کی بنیاد مفتی صاحب کے مضامین اور تحریروں پر ہے، مفتی صاحب کا ایک طویل مضمون ”مولانا فضل حق و عبدالحق“ رسالہ مصنف علی گڑھ میں شائع ہوا، وہیں سے مختلف رسائل و جرائد میں نقل ہوتا رہا، پھر ”حیات علامہ فضل حق“ کے نام سے ۶۴ صفحات میں بصورت کتابچہ پہلے ہندوستان اور پھر پاکستان سے شائع ہوا، کسی جگہ ہم نے ان کے ایک رسالے ”علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے سیاسی کارنامے“ کا نام بھی پڑھا جو پاکستان میں شائع ہوا ہے، معلوم نہیں یہ وہی مضمون ہے یا کوئی الگ تصنیف ہے، اس کے علاوہ مفتی صاحب کی مختلف کتابوں غدر کے چند علماء، علمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستان وغیرہ میں بھی اسی مضمون کے بعض حصے حذف و اضافے کے ساتھ شائع ہوتے رہے، مفتی صاحب کے پیش کردہ مواد کے سلسلہ میں محققین کی رائے ہے کہ اس میں بہت سی نامعتبر روایات راہ پا گئی ہیں، اگر کچھ روایات معتبر ہیں بھی تو ان کو مفتی صاحب کے قلم نے ایسے عقیدت و محبت میں سرشار ہو کر زینت قرطاس کیا ہے کہ ان میں افسانوی رنگ پیدا ہو گیا۔

(۷) مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی: خیر آبادیات پر مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی (ولادت: ۱۹۱۵ء وفات: ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) کی کتاب ”باغی ہندوستان“، اولین اور بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے، آپ نے علامہ فضل حق خیر آبادی کے رسالہ غدریہ اور قصائد فقہ الہند کا سلیس اردو ترجمہ کیا، ساتھ میں علامہ کے سوانح بھی تفصیل سے قلم بند کیے، ۱۹۴۷ء کے اوائل میں یہ کتاب مولانا آزاد کے مختصر پیش لفظ کے ساتھ مدینہ پر پریس بجنور سے شائع ہوئی، پھر اس کے دواڈیشن کچھ اضافات اور حواشی کے ساتھ پاکستان سے بالترتیب ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئے، چوتھے ایڈیشن کے لیے شیروانی صاحب نے از سر نو محنت کی، گزشتہ ایڈیشنوں میں جو تاریخی یا کتابت کی اغلاط رہ گئی تھیں ان کو درست کیا، کئی مباحث کا اضافہ کیا، اس عرق ریزی اور جگر کاوی کے بعد کتاب کا تب کے حوالے کر دی گئی، لیکن کتاب ابھی کتابت کے مراحل ہی میں تھی کہ اس کی اشاعت کی تمنا دل میں لیے ہوئے شیروانی صاحب اس دنیا سے رخصت ہوئے، بہر حال یہ چوتھا ایڈیشن

المجمع الاسلامی مبارک پور (انڈیا) سے اگست ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آیا۔ تاریخی اور تحقیقی زاویہ نظر سے بعض حضرات نے باغی ہندوستان پر اعتراضات کیے ہیں، ظاہر ہے بتقصائے بشریت لغزش ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں، شیروانی صاحب سے بھی بعض تسامحات ہوئے ہیں، لیکن اس سے ان کے اس کام کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی، آج خیر آبادیات کے سلسلہ میں کوئی بھی تحریر باغی ہندوستان کا حوالہ دیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی، شیروانی صاحب تمام اہل علم و تحقیق کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خیر آبادیات پر باقاعدہ کام کا آغاز کیا، عربی میں ”الفضل للمتقدم“ شاید اسی موقعہ کے لیے کہا جاتا ہے۔

(۸) مولانا یلین اختر مصباحی: مولانا یلین اختر مصباحی (ولادت: ۱۹۵۳ء) کا سلسلہ تلمذ تین واسطوں سے علامہ فضل حق خیر آبادی تک پہنچتا ہے، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں فراغت پائی، اپنے چند رفقاء کے ساتھ المجمع الاسلامی مبارکپور کی بنیاد ڈالی، جس کے ذریعے متعدد اہم کتابوں کی تصنیف، ترجمہ اور اشاعت عمل میں آئی، ایک وسیع تصنیفی اور اشاعتی منصوبے کے تحت دہلی میں دارالقلم کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جو آپ کی سرپرستی اور قیادت میں علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام میں مصروف ہے، خیر آبادیات کے سلسلہ میں آپ نے کئی اہم کام کیے ہیں، باغی ہندوستان کے چوتھے ایڈیشن (مع ترمیم و اضافہ ۱۹۸۵ء) کی ترتیب و اشاعت میں آپ کا اہم رول رہا، مولانا شیروانی نے چوتھے ایڈیشن کے مقدمے میں اعتراف کیا ہے کہ:

میں بہ صمیم قلب محترم مولانا محمد یلین اختر رکن المجمع الاسلامی مبارکپور (اعظم گڑھ) کا شکر گزار ہوں کہ موصوف کے پیہم اصرار اور مسلسل تقاضوں نے نظر ثانی کا کام انجام دلایا اور چوتھے ایڈیشن کی اشاعت کا سر و سامان کیا

(باغی ہندوستان، ص ۱۴)

علامہ کی حیات و خدمات کے سلسلے میں آپ نے دو مستقل کتابیں ترتیب دیں:

(۱) علامہ فضل حق خیر آبادی اور انقلاب ۱۸۵۷ء (طبع اول ۲۰۰۷ء)

(۲) قائد انقلاب علامہ فضل حق خیر آبادی (طبع اول ۲۰۱۰ء)

اس کے علاوہ اپنی دو کتابوں میں علامہ کی شخصیت اور جہاد آزادی میں ان کے کردار پر بھرپور

روشنی ڈالی:

(۱) علما و قائدین جنگ آزادی (طبع اول ۱۹۹۷ء)

(۲) چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء (طبع اول ۲۰۰۷ء)

سنہ ۲۰۱۱ء کو علامہ فضل حق کی یادگار کے طور پر منانے کا منصوبہ آپ ہی نے پیش کیا، جس کے نتیجے میں ملک کے مختلف مقامات پر علامہ فضل حق کی حیات و خدمات پر کانفرنسیں، سیمینار، سیمپوزیم اور کنونشن منعقد کیے جا رہے ہیں، رسائل و جرائد علامہ کے اوپر خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں، اور علامہ کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد بڑے پیمانے پر علامہ کی خدمات کا اعتراف کیا جا رہا ہے، زیر نظر کتاب بھی آپ ہی کی تحریک اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے۔

(۹) ڈاکٹر سلمہ سیہول: ڈاکٹر سلمہ سیہول (اسسٹنٹ پروفیسر بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد) نے علامہ کے عربی دیوان کی ترتیب و تحقیق پر کام شروع کیا تو ان کو اندازہ ہوا کہ علامہ کی شخصی عمق پریت کے باوجود ان کے سوانح پر تفصیلی کام نہیں ہوا ہے، انہوں نے اس سمت میں تحقیق شروع کی، اور اپنے مطالعے کا حاصل اردو میں ”علامہ محمد فضل حق خیر آبادی“ کے نام سے ۲۰۰۱ء میں شائع کر دیا، یہ کتاب چونکہ باغی ہندوستان کے نصف صدی بعد ترتیب دی گئی، اس لیے اس دوران علامہ پر جو کچھ بھی کام ہوا مصنفہ نے اس سب سے استفادہ کیا اور ان کی یہ کتاب علامہ کے سوانح حیات پر ایک متوازن اور جامع کتاب قرار پائی، اس کے بعد انہوں نے علامہ کے دیوان کی ترتیب و تحقیق کی طرف توجہ دی، جس پر انہیں پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری ایوارڈ ہوئی، ہمارے خیال میں دیوان فضل حق کی ترتیب خیر آبادیات کے باب میں ایک قابل قدر اضافہ اور پیش رفت ہے، جو کئی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس لیے ہم یہاں اس کا قدرے تفصیلی تعارف پیش کر رہے ہیں۔

یہ مقالہ مقدمہ، دو قسم، اور خاتمے پر مشتمل ہے۔

مقدمہ میں موضوع کی اہمیت، تحقیق کے اہداف اور ان مخطوطات کا تعارف ہے جن کی مدد سے یہ دیوان ترتیب دیا گیا ہے۔

قسم اول دو باب پر مشتمل ہے:

باب اول: اس میں شاعر کا تفصیلی تعارف ہے۔

باب دوم: مندرجہ ذیل ۶ فصلوں پر مشتمل ہے:

(۱) برصغیر ہندوپاک میں عربی شاعری کا ارتقا (۲) علامہ کا شعری اسلوب (۳) علامہ کی شاعری

کے موضوعات اور اہداف (۴) علامہ کی شاعری کے بلاغی اور لغوی پہلو (۵) عروض و قوافی کی جہت سے علامہ کی شاعری کا مطالعہ (۶) علامہ کا شعری مقام و مرتبہ۔

قسم دوم: یہ مقالے کا خاص حصہ ہے، اس میں علامہ کے چھوٹے بڑے ۳۳ قصائد جمع کیے گئے ہیں، جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۳۳۷۰ ہے۔ مرتبہ نے ہر قصیدے سے پہلے اس کے مرکزی موضوع کی طرف اشارہ کر دیا ہے، حتی الامکان قصیدے کے زمانہ تصنیف کی بھی تحقیق کر دی ہے، حاشیہ میں ہر شعر کی لغوی تحلیل و تشریح بھی کر دی گئی ہے، ہمارے خیال سے اس دیوان کا یہ پہلو سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

ترتیب دیوان کے وقت مندرجہ ذیل قلمی مجموعہ قصائد مرتبہ کے پیش نظر تھے:

(۱) علامہ کی ذاتی بیاض جو انہیں کے خط میں ہے (مملوکہ حکیم محمود احمد برکاتی کراچی)

(۲) سابق الذکر بیاض کی نقل بقلم مولانا ناظم ندوی (مملوکہ حکیم محمود احمد برکاتی کراچی)

(۳) مجموعہ قصائد مرتبہ مولانا سناء الدین بدایونی (مخزنہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)

(۴) مجموعہ قصائد فضل حق اول (مخزنہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ)

(۵) مجموعہ قصائد فضل حق دوم (مخزنہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ)

(۶) مجموعہ قصائد فضل حق اول (مخزنہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(۷) مجموعہ قصائد فضل حق دوم (مخزنہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نمبر ۱ اور ۲ کے علاوہ باقی مخطوطات کے عکس مرتبہ کے پیش نظر تھے، جو صاف نہیں تھے اور خط بھی شکستہ تھا، ان قلمی نسخوں سے قصائد نقل کرنا کتنا دشوار گزار مرحلہ ہوگا اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عربی زبان کی وسعت، علامہ کے شعری اسلوب اور ایک صدی قبل کے رسم الخط کی پے چیدگیوں سے واقف ہیں، اس سلسلہ کی کچھ دشواریوں کا ذکر مرتبہ نے مقدمہ میں کیا ہے۔

مرتبہ نے بدایونی مجموعے کی تین خصوصیات کا ذکر کیا ہے، ایک یہ کہ اس میں تین قصائد ایسے ہیں جو اس کے علاوہ اور کسی مجموعے میں نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ باقی مجموعوں کے برخلاف (علامہ کی بیاض کے استثناء کے ساتھ) یہ مجموعہ شاعر کی زندگی ہی میں نقل کیا گیا ہے، تیسرے یہ کہ اس میں قصائد کے حل لغات بھی شامل ہیں۔

یہ دیوان پاکستان میں زیر طبع ہے، اس کی Soft Copy ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی کی عنایت



سے ہمیں دستیاب ہوئی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بے شمار محققین و اہل قلم نے خیر آبادیات کو اپنا موضوع تحقیق بنایا ہے، معروف محقق پروفیسر ایوب قادری (ولادت: ۱۹۲۶ء، وفات: ۱۹۸۳ء) نے بھی اپنے مختلف مقالات و مضامین میں خیر آبادیات کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا ہے، خیر آبادیات کے سلسلہ میں ان کا مضمون ”مولانا فضل حق خیر آبادی دور ملازمت“ غالباً اپنے موضوع پر پہلا تحقیقی مضمون ہے، علامہ کی حیات کے مختلف ادوار کا تاریخی تعین اور تاریخی تسلسل کے ساتھ زندگی کے اہم واقعات کا تذکرہ ایک اہم اور مشکل کام تھا جس کو پروفیسر صاحب نے بحسن و خوبی انجام دیا ہے۔ اس کے علاوہ تذکرہ علمائے ہند کے حواشی، غالب اور عصر غالب، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، جنگ آزادی کا ایک مجاہد مولانا فیض احمد بدایونی اور اپنی دوسری تاریخی اور سوانحی کتب میں انہوں نے علامہ فضل حق اور دیگر خیر آبادی علماء و فضلا کا تذکرہ کیا ہے، خیر آبادیات کے سلسلہ میں بعض جگہ ڈاکٹر صاحب کا قلم جاہد اعتدال پر قائم نہ رہ سکا، بالخصوص ”توارخ عجیب“ (کالا پانی: منشی جعفر تھانیسری) کے مقدمے اور حواشی میں ڈاکٹر صاحب نے علامہ فضل حق خیر آبادی کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کا مقالہ ”علامہ فضل حق خیر آبادی ایک کتابیاتی جائزہ“ بھی قابل قدر ہے، علامہ کا ذکر جن جن تاریخی اور سوانحی کتب میں موجود تھا ڈاکٹر صاحب نے ان تمام اہم مراجع کی طرف صفحہ نمبر، مطبع اور سنہ طباعت کے ساتھ اشارہ کر دیا، یہ بہت بنیادی کام تھا مگر اس میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی بقول ڈاکٹر سلمہ سیہول ”ان میں سے بیشتر مراجع ناپید ہیں یا ان تک رسائی مشکل ہے، اچھا ہوتا اگر ڈاکٹر صاحب ان مراجع کے مندرجات من و عن قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کرتے“ (علامہ محمد فضل حق خیر آبادی: ص ۲۳)

خیر آبادیات کے سلسلہ میں مولانا غلام مہر علی کا نام بھی اہم ہے، انہوں نے الثورة الہندیہ پر عربی میں حاشیہ قلم بند کیا، جو ”الیواقیت المہریہ“ کے نام سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔ راجا غلام محمد کی کتاب ”امتیاز حق“ بھی خیر آبادیات کے سلسلہ میں اہمیت رکھتی ہے، اس میں مصنف نے شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے سیاسی کردار کا تقابلی مطالعہ کیا ہے، موضوع کی نزاکت اور حساسیت کے پیش نظر تحقیق، تنقید اور تحریر کا جو واجبی معیار تھا غالباً مصنف اس کو قائم نہ رکھ سکے اسی لیے کتاب اپنی اہمیت کے باوجود علمی حلقوں میں جگہ نہیں بناسکی۔ مولانا معین الدین

اجمیری کے شاگرد مفتی سید نجم الحسن خیر آبادی نے باغی ہندوستان کی ترتیب و تالیف میں شیر وانی صاحب کا بھرپور تعاون کیا، اس کتاب کے لیے آپ نے دو مضمون قلم بند فرمائے، ایک میں علامہ فضل حق کی تصانیف کا تعارف کروایا دوسرے میں مولانا عبدالحق کی تصانیف کا، یہ دونوں مضمون اہم ہیں، آپ کی کتاب ”خیر آبادی ایک جھلک“ خیر آباد کے سلسلہ میں ایک بنیادی ماخذ ہے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی پر تحقیقی مقالے: ہماری معلومات کی حد تک سب سے پہلے حیدر آباد کی محترمہ ڈاکٹر قمر النساء نے علامہ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد سے پی ایچ ڈی کی گری حاصل کی، اس کے بعد اہل علم علامہ کی شخصیت، علمی کارناموں اور قومی خدمات کی طرف متوجہ ہوئے، اور مختلف جامعات میں علامہ پر تحقیقی کام کا آغاز ہوا، اور اب تک بہت سے اسکالرز علامہ پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں، ہمارے علم و اطلاع میں جو مقالے آئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)

اسکالر: ڈاکٹر قمر النساء بیگم (حیدر آباد دکن)

عنوان مقالہ: العلامة فضل حق الخیر آبادی حیاتہ و مآثرہ مع تحقیق کتابہ الثورہ الہندیہ (مطبوعہ)

سنہ تکمیل: ۱۹۸۱ء

زیر نگرانی: ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں (صدر شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد)

جامعہ: شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد (انڈیا)

(۲)

اسکالر: ڈاکٹر عبدالواحد (چشتی) پاکستان

عنوان مقالہ: العلامة فضل الحق الخیر آبادی و آراؤہ الفلسفۃ

سنہ تکمیل: ۲۰۰۳ء

زیر نگرانی: ڈاکٹر عوض اللہ جادالحجازی

جامعہ: شعبہ عقیدہ و فلسفہ، فیکلٹی آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، جامعۃ الازہر (مصر)

(۳)

اسکالر: ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی (لاہور پاکستان)

عنوان مقالہ:العلامہ محمد فضل الحق الخیر آبادی ، حیاتہ و شعرہ العربی ، دراسة تحليلية نقدية (زیر طبع)

سنہ تکمیل: ۲۰۰۴ء

زیر نگرانی: ڈاکٹر محمد عرفہ المغربی، ڈاکٹر رزق مرسی ابوالعباس  
جامعہ: شعبہ عربی، فیکلٹی آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، جامعۃ الازہر (مصر)

(۴)

اسکالر: مولانا محمد احمد مصباحی (یو۔ پی انڈیا)

عنوان مقالہ: علامہ فضل حق خیر آبادی حیات اور خدمات (مطبوعہ)  
سنہ تکمیل: ۲۰۰۶ء

زیر نگرانی: ڈاکٹر جہاں آرا بیگم (صدر شعبہ اردو)  
جامعہ: شعبہ اردو، کرناٹکا اسٹیٹ اوپن یونیورسٹی میسور (انڈیا)

(۵)

اسکالر: ڈاکٹر سلمیٰ فردوس سیہول (پاکستان)

عنوان مقالہ: دیوان فضل الحق الخیر آبادی دراسة وتحقيق (زیر طبع)  
سنہ تکمیل: ۲۰۱۰ء

زیر نگرانی: ڈاکٹر خالق داد ملک (صدر شعبہ عربی)  
جامعہ: شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان)

(۶)

اسکالر: ارشاد احمد ساحل شہرامی (انڈیا)

عنوان مقالہ: مساهمة العلامة فضل الحق الخیر آبادی فی الدراسات الكلامية والفلسفية  
سنہ تکمیل: ۲۰۱۰ء

زیر نگرانی: ڈاکٹر طارق مختار  
جامعہ: شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ



## ضمیمہ (۱)

ہم رسالہ صیانت الاناس سے سید حیدر علی ٹونکی کے شائستہ اسلوب کے کچھ نمونے پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ بات روشنی میں آسکے کہ فریقین میں سے کس نے علمی دلائل کا سہارا لیا تھا اور کس کے پاس محض ”جدل و مکابہ کا لفظی گورکھ دھندا“ تھا، ٹونکی صاحب مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس زمانے میں سرگروہ ضالین و مضلین و پیشوائے فرقہ شیطین، جامع رفض و خروج، نامقبول عدو اولاد بتول شیخ نجدی بدایونی نامعقول مسمیٰ بفضل رسول مصداق اس مصرعے کے ع برعکس نہند نام زنگی کافور، کہ اس نے بعد گزرنے مدت بیس سال کے شہادت سے مولانا واولانا الفاضل النبیل المولوی محمد اسماعیل محدث دہلوی قدس سرہ کے اور یہ مولانا ممدوح خلفاؤں میں حضرت مجدد مائے ثالث عشر کے افضل اور اکمل تھے، بمقتضائے حدیث کے کہ آثار قیامت میں مروی حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ہے، ولعن آخر هذه الامة اولها لعن وطعن مولانا موصوف (اسماعیل دہلوی) کے جیسا فرقہ اثنا عشریہ نے خلفائے ثلاثہ پر شروع کی ہے، اور جہلا کو بہکا کر اپنے واسطے بزرگی پیدا کرتا ہے، ہر چند مولوی سراج احمد صاحب نے سراج الایمان اور مولوی محمد بشیر الدین صاحب اور مولوی قطب شاہ صاحب نے جدا جدا رسالوں میں خوب اس کی سرکوبی کی ہے، ہنوز اس حرکت سے باز نہیں آتا، محاسن اور مکارم اس شہید اکبر کے تمام خلق میں مشہور ہیں حاجت بیان کی نہیں (صیانت الاناس: ص ۸)

اس کے بعد شاہ اسماعیل دہلوی کی کچھ مدح سرائی کی ہے، پھر لکھتے ہیں:

یہ بداؤں کا لالا محض بے حیا، سگ دنیا، اغنیا کے گھر کا کتا، صرف اپنی نمود اور  
 رسوخ کے لیے دربار اہل دول میں کہ اکثر کفار اور فجار ہیں بعضے البتہ باوجود  
 ثروت ظاہری کے کچھ دولت باطنی ایمان کی بھی رکھتے ہیں، تو وہ اغنیا فاسق  
 کہ ان کو کاروبار رشوت خوری اور ظلم اور شراب نوشی اور ناز و راگ کا رہتا ہے  
 اور ان کو وہاں دین سے نہایت رنج ہوتا ہے تو لقمہ خوران کے دسترخوان کے  
 جیسے یہ بداؤں کا لالا ان کے سامنے اچھے لوگوں کی برائی اور عیب چینی کرتے  
 ہیں تاکہ وہ ان سے خوش ہو کے کچھ منفعت اور نعمت دیویں، اور یہ نابان  
 علمائے یہود اپنی شرارت سے ان اغنیا کے عیب کو تاویل کر کے کچھ دامن  
 تصوف میں پردہ پوشی کر کے غنا اور مزامیر وغیرہ ان کے واسطے حلال کرتے  
 ہیں (صیانة الاناس: ص ۹/۸)

پھر کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

یہ دجال بداؤنی بڑودہ میں جا کر حکیم کاظم علی خاں کے پاس کہ وہاں کے  
 سردار کا بڑا رکن تھا اس کا ہم مشرب یعنی رافضی بن کر زرخیر حاصل کیا اور  
 اسی طرح شرف الدولہ جگناتھ امیر لکھنؤ کے پانوں داب کر مطلب اپنا کہ  
 کھینچنا زرا کا تھا عمل میں لایا (صیانة الاناس: ص ۹)

آگے لکھتے ہیں:

بداؤں کے رہنے والوں سے سنا گیا کہ واللہ تعالیٰ اعلم کہ ہمیشہ یہ اپنے والد کو  
 آزر دہ رکھتا تھا یہاں تک کہ وہ اس جہان سے سفر کر گئے اور اس سے  
 ناخوش گئے۔ (صیانة الاناس: ص ۹)

کچھ سطروں کے بعد پھر اپنی شائستگی کا اظہار یوں کرتے ہیں:

دلالی عملہ ہائے صدر اکبر آباد کی مشہور ہے، کہ اسی سبز قدم کے کٹناپے سے  
 پیشکار اور وکلا صدر کے تباہ ہو کے مقید ہوئے، یعنی اکثر عملوں نے اس کی

معرفت رشوت لی تھی، مراد آباد کے حاکم انگریز نے بہت تدبیر کی مقدمہ نہ کھلا آخر اسی دجال کو بلا کر اپنے یہاں کرسی پر بٹھلا کر دم دے کر مقدمہ کو پوچھا اور کہا کہ تم کو بڑا کام دیں گے اس مقدمے سے ہم کو اطلاع کرو تب طمع دنیا سے اس نے سب عملوں کی رشوت گیری ظاہر کی، اب غور کیا چاہیے کہ یہ شیطان آپ ہی واسطہ بن کر سب کو رشوت دلوا کے پھر آپ ہی اُس رشوت کو ظاہر کر کے سب سے بری ہو گیا (صیانة الاناس: ص ۱۰/۹)

۱۵۶ صفحات کے رسالے سے یہ صرف ابتدائی ۱۰ صفحات کی چند عبارتیں ہیں اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بقیہ ۱۴۰ صفحات میں کس قسم کی زبان استعمال کی گئی ہوگی۔ یہ عبارتیں دل پر جبر کر کے ہم نے محض اس لیے نقل کی ہیں کہ اس پروپگنڈے کو حقیقت کا آئینہ دکھایا جاسکے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کے اعوان و انصار کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں کلام کرتے تھے اور علمائے اہل سنت کے پاس منطق و فلسفہ کی موٹا گافیوں اور جدل و مکابرے کے لفظی گورکھ دھندوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی عرض کر دیں کہ یہ وہی سید حیدر علی ٹوکنی ہیں جن کی مدح و ستائش کرتے ہوئے حکیم سید عبدالحی رائے بریلوی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

الشیخ العالم الکبیر العلامة حیدر علی بن عنایة علی بن فضل علی  
الحسینی البخاری الدہلوی ثم الطوکی احد العلماء الربانیین  
(نزہۃ الخواطر: ج ۷/ص ۱۷۲)

ترجمہ: شیخ، عالم کبیر، علامہ حیدر علی بن عنایت علی بن فضل علی حسینی بخاری دہلوی ثم ٹوکنی عالم ربانی تھے۔

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

وكان غاية في الذكاء وسرعة الادراك ، رأساً في معرفة الكتاب  
والسنة والاختلاف ، بحراً زائراً في العلوم الحكمية (مرجع سابق)  
ترجمہ: نہایت ذکی، اور سرعت ادراک کے مالک تھے، کتاب و سنت کی

معرفت اور (علم) اختلاف کے ماہر تھے، علوم حکمت کے بحرِ زار تھے۔

ایک عالم ربانی اور کتاب و سنت کے ماہر کا اسلوب نگارش آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اس کے جواب میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے ”تلیخِ الحق“ تصنیف فرمائی، اس کتاب کی تمہید سے ایک عبارت ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں تاکہ دونوں حضرات کے اسلوب اور لب و لہجہ کا تجزیہ کرنے میں آپ کو آسانی ہو:

فصل الخطاب کا جواب لکھا ہوا مولوی حیدر علی ٹوکنی کا موجب استعجاب اولی الالباب ہوا، نہ بھت زبان درازی و بدگوئی کہ لازمہ مغلوبی کا ہے، بلکہ باعث استغراب یہ ہے کہ وہ بزرگوار کیا سمجھ کر اُس کے درپے اشتہار ہوئے، دوستوں کو شرمایا دشمنوں کو ہنسایا، دوست دشمن ہوئے، چشم دشمن روشن، اوروں نے کہ بنام جواب روئے کا غد سیاہ کیا تھا اُس سے اکثر اسماعیلیہ پر لا جواب ہونا ایرادات فصل الخطاب کا ظاہر ہو گیا تھا، مگر بعض لوگ نقص علم مجیب (فضل رسول) کو موجب نقصان جواب تو ہم کر کر پابند اس خیال کے تھے کہ شاید کوئی بڑا عالم ان اعتراضات کو دفع کر سکے، اب کہ جواب ایسے جناب عالی قباب سرآمد دعا مکملین عبدالوہاب کا کہ گویا ”قد لکۃ الحساب“ اور خاتمۃ الکتاب اور غایۃ مافی الباب ہے، نظروں سے گذرا، طریقہ اسماعیلیہ نظروں سے صاف گر گیا، کسی کو عام خاص سے حالت منتظرہ باقی نہ رہی، معترض (فضل رسول) نے جو اعتراض کیا ہے اور مولوی اسماعیل کے کلام کا جو فتح لکھا ہے، جواب (صیۃ الاناس) سے باوجود کمال اطناب کے کوئی نہ اٹھا، اور اسی قسم کے قبائح سے جواب (صیۃ الاناس) مالا مال ہے، اول سے آخر تک کوئی مقدمہ قاعدہ عقل پر نہیں ہے، معائب افتراءِیہ اور مثالب کا ذبہ غیر واقعہ نسبت کرنا خصم کے طرف مباحثات دینیہ میں کام اہل عقل و دین کا نہیں ہے، اور اس سے کیا حاصل؟ سوائے اس کے کہ دوسرا آپ کے اور

آپ کے ائمہ دین جدید کے عیوب و افعیہ کہ جن کو سن کر آپ دل میں بہت شرمائیں لکھے، مگر خاکسار ہمودائے حکم خالق البریہ اذفع بالحسنۃ السیئۃ کے زبان و قلم کو جواب ترکی بترکی سے محفوظ کر کے ادائے مطالب پر کفایت کرتا ہے، اور صرف بنظر خیر خواہی حضرت مجیب (حیدر علی ٹوکی) کے خالصاً لوجہ اللہ کہ اصلاح عقائد اہم المقاصد ہے مواقع اغلاط پر مطلع کرتا ہے

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گوئیم  
تو خواہ از ختم پند گیر و خواہ ملال

حضرت سلامت مباحثات و مناظرات میں اطالت عبارات مناقب  
موافقین اور مثالب مخالفین میں کیا مفید؟ (تلخیص الحق: ص ۲)

جناب حیدر علی ٹوکی کی کتاب کے جواب میں آپ نے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا اسلوب جواب ملاحظہ فرمایا، اب ذرا یہ طرفہ تماشہ بھی دیکھتے چلیں کہ وہ حکیم عبدالحی رائے بریلوی صاحب جو نزہۃ الخواطر میں ٹوکی صاحب کی مدح و ستائش میں رطب اللسان نظر آتے ہیں وہ اسی کتاب میں کچھ صفحات کے بعد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

و کان فقیہاً جلیلاً مناظراً شدید التعصب فی المذهب ، دائم  
المخاصمة بالعلماء ، ابعده خلق الله عن السنة ، منتصراً للبدعة ،  
راداً علی اهل الحق بخرافاته ، محباً للدنیا (نزہۃ الخواطر: ج ۷/ ص ۴۱۶)

ترجمہ: (شاہ فضل رسول بدایونی) فقیہ، جدال کرنے والے، مناظر، مذہب  
میں شدید متعصب، علما سے ہمیشہ جھگڑا کرنے والے، مخلوق خدا میں سب  
سے زیادہ سنت سے دور، بدعتوں کی حمایت کرنے والے، اپنی خرافات  
کے ذریعے اہل حق کا رد کرنے والے، دنیا سے محبت کرنے والے تھے۔

اس پر ہم کسی تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، ”عالم ربانی“ اور ”خرافات کے ذریعے



رد کرنے والے، دونوں کی تحریریں آپ کے پیش نظر ہیں، اب اس بات کا فیصلہ ہم آپ کے ذوق سلیم کے حوالے کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کی معرفت، علوم حکمت میں مہارت، ذکاوت، سرعتِ ادراک اور علمائے ربانین کے اندازِ مخاطب کی خوشبو کس تحریر میں ہے اور جدال، تعصب، مخاصمت، سنت سے دوری، خرافات کے ذریعے رد اور علمائے ربانین کی شان کے خلاف اسلوب کس نے اختیار کیا ہے، اگر اس سلسلے میں آپ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو نـزـہـة الخواطر کے مصنف ”المؤرخ الہندی الکبیر، العلامة الشریف“ حکیم عبداللہ حسنی لکھنوی (رائے بریلوی) کی مؤرخانہ ثقاہت اور علمی دیانت وامانت کا مقدمہ بھی ہم آپ کی عدالت میں پیش کرنے کی اجازت چاہیں گے۔



## ضمیمہ (۲)

سیف الجبار میں جامع مسجد کے مناظرے کی جو روداد درج کی گئی ہے اس کو ہم یہاں من وعن نقل کر رہے ہیں مصنف سیف الجبار فرماتے ہیں:

اور مجلس جامع مسجد کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے ایک استفتا مرتب ہوا بمہر و دستخط مولوی رشید الدین خاں صاحب و مولوی فضل حق صاحب و مولوی مخصوص اللہ صاحب و مولوی موسیٰ صاحب و مولوی محمد شریف صاحب و مولوی عبداللہ صاحب و آخون شیر محمد صاحب کی، صبح کے وقت منگل کے دن انیسویں (۲۹/ویں) ربیع الثانی ۱۲۴۰ ہجری کو کہ مولوی عبدالحی جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے، مولوی رشید الدین خاں صاحب و مولوی مخصوص اللہ صاحب اور مولوی موسیٰ صاحب مولوی رفیع الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے اور مولوی محمد شریف صاحب وغیرہ علما و طلبہ خاص و عام حوض پر مجتمع ہوئے، جب مولوی عبدالحی صاحب وعظ کہہ چکے عبید اللہ طالب علم نے استفتا پیش کیا کہ اپنی مہر اس پر کر دیجیے، مولوی عبدالحی نے کہا میں نہیں مہر کرتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، اُس نے کہا یہی لکھ دیجیے اور اصرار کیا، مولوی عبدالحی نے انکار کیا اور ملال ظاہر کرنے لگے، مفتی محمد شجاع الدین علی خاں صاحب نے کہا کہ اس کا تصفیہ ضرور ہے کہ بڑا اختلاف پڑ گیا ہے، مرزا غلام حیدر شاہ زادے طالب علم کی تکرار سے رنجیدہ ہوئے، اور مولوی عبدالحی وغیرہ کو مجمع علما میں واسطے مناظرے کے لائے، مجمع بے شمار خاص و عام امیر فقیر کا ہو گیا، کو تو ال بھی واسطے بندوبست کے آپہنچا، پھر مولوی عبدالحی نے فاضلوں سے پوچھا کہ تم کیوں

آئے ہو؟ کسی نے کہا کہ آپ کے بلانے کے موافق کہ ہر روز کہا کرتے تھے کہ جس کو تاب مناظرہ کی ہو ہمارے سامنے آوے، سن کر چپ ہو گئے، مولوی مخصوص اللہ نے کہا کہ ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جاوے، مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم ہمارے استاذوں کو برا کہتے ہو، بولے کہ میں نہیں کہتا، مولوی موسیٰ نے کہا یہ ایسے مسئلے نئے بتاتے ہیں کہ برائی استاذوں کی ثابت ہوتی ہے، پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا کہ مثلاً قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور ہمارے اکابر اُس کے مباشر ہوتے تھے، مولوی عبدالحی نے انکار کیا، کسی نے کہا کہ لکھ دو تا کہ تمہارے اوپر جھوٹ باندھنے والوں کی تکذیب کی جاوے، مولوی عبدالحی نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لکھ دیا ”بوسہ دہندہ قبر مشرک نیست“، مولوی رشید الدین خاں صاحب کے ہاتھ میں فتویٰ دیا گیا اور قریب مولوی عبدالحی کے آ بیٹھے، مولوی عبدالحی نے گلہ شکوہ ان سے شروع کیا کہ خاں صاحب مجھے آپ کی خدمت میں دوستی تھی تم برملا مجھے ذلیل کرتے ہو، خاں صاحب نے فرمایا کہ ہم تمہارے اعزاز و اظہار کمال کے واسطے آئے ہیں، لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ تم مسئلے خلاف سلف کے کہتے ہو اس سبب سے خلق کو تم سے وحشت ہے ایسے مجمع میں مفتریوں کی تکذیب ہو جاوے گی، مولوی عبدالحی شکوے ہی کی پریشان باتیں کرتے رہے، خاں صاحب نے فرمایا کہ تمہارے لوگ کہتے ہیں کہ عبد العزیز کی راہ راہ جہنم کی ہے، اُسی وقت گواہی سے یہ بات ثابت ہو گئی لوگ برا کہنے لگے، مولوی عبدالحی نے بھی تبرا کیا بہ آواز بلند اور مولوی رشید الدین خاں صاحب سے کہا کہ مولانا عبد العزیز کی محبت اور اعتقاد علم و بزرگی میں میں مثل تمہارے ہوں طحاوی اور کرنی کے برابر جانتا ہوں، پھر استفسار شروع ہوا ہر مسئلے کا جواب دیا کہ چنداں مخالف جمہور کے نہ تھا، مولوی اسماعیل نے پہلے ہی استفسار سے ارادہ کیا اٹھ جانے کا، مولوی رحمت اللہ صاحب نے کہا کہ ذری تشریف رکھیے کہ جناب کے بھی دستخط اس

تحریر پر ضرور ہیں، مولوی اسماعیل نے کہا کہ میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں میرے واسطے محتسب لا، اے مردود میرے ساتھ سختی کرتا ہے انہوں نے کہا کہ حضرت میں سختی نہیں کرتا عرض کرتا ہوں، پھر مولوی اسماعیل نے کہا کہ میرے رسالے کا جواب لکھ، مولوی رحمت اللہ صاحب نے کہا کہ رسالہ آپ کا میری بغل میں ہے، اگر فرمائے اسی مجمع میں جواب عرض کروں، غصہ کھا کر کچھ نہ کہا، پھر مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ جواب عقلی لکھوں یا نقلی؟ کہا جیسا چاہے، پھر مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ رد جواب اس کا لکھو گے؟ کہا کہ میں محکوم کسی کا نہیں ہوں، مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ نئے عقیدے اپنے دل کے بنائے ہوئے کسی سے نہ فرمائے اور نہیں تو ابھی بحث کر لیجیے، مولوی اسماعیل اٹھ بھاگے اور چلتے ہوئے رشید الدین خاں صاحب مولوی عبدالحی سے پوچھا کیے وہ جواب دیتے تھے ایسے کہ قدمائے بہت خلاف نہ تھے، تیرہویں سوال میں کہ بدعت کی بحث تھی مولوی عبدالحی نے کہا کہ میرے نزدیک بدعت حسنہ یہی ہے گو اصل ہر بدعت کی بد ہے مگر سبب نیکی کا اس میں ہو تو حسنہ ہو جاتی ہے والا فلا، مولوی رشید الدین خاں صاحب نے کہا کہ اصل ہر بدعت کی بد نہیں ہے موجب حدیث من سن سنة حسنة ومن سن سنة سيئة کے، اور حدیث من احدث في امرنا هذا ما ليس منه اور حدیث من ابتدع بدعة ضلالة لی یرضاها اللہ کہ ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نیا طریقہ نیک بھی ہوتا ہے بد بھی اور خدا رسول کی مرضی کے مخالف بھی موافق بھی، گمراہ بھی غیر گمراہ بھی، اسی سبب سے علما نے کہا ہے بعض بدعت واجب و مندوب و مباح بعضے حرام مکروہ، مولوی مخصوص اللہ صاحب نے کہا جس بدعت کی وجہ حسن و فتح کی ظاہر نہ ہو وہ کیا ہے؟ مولوی عبدالحی نے کہا سیدہ، انہوں نے کہا کہ اس تقدیر پر بدعت اور مباح میں کیا فرق ہے؟ مولوی عبدالحی ساکت ہو گئے، کسی نے کہا کہ احکام خمسہ میں سے ایک حکم کم ہو گیا، پھر مولوی عبدالحی نے کہا کہ ہر بدعت

کو برا اس واسطے کہتا ہوں کہ کل بدعت کا کلیہ ظاہر پر ہے اور مخصوص نے ہو جاوے، خاں صاحب نے کہا کہ تخصیص سے کیا قباحت لازم آتی ہے؟ اور عموماً میں تخصیص مشہور ہے، مولوی محمد شریف نے پڑھا مامن عام الا وقد خص منه البعض خاں صاحب نے کہا کہ تینوں حدیثیں مذکورے بالا تخصیص کو چاہتی ہیں پس تخصیص ضرور ہوئی، مولوی عبدالحی نے کہا کہ اصل ہر بدعت کی قبیح بعض علما کا مذہب ہے، خاں صاحب نے کہا کہ یہ قول حضرت مجدد کا ہے، مگر تمہارے مذہب سے نہایت دور کہ ان کے مذہب میں جس کی اصل شرع میں پائی جاوے وہ سنت ہے بدعت وہی ہے کہ جس کی اصل نہ پائی جاوے، پھر مولوی عبدالحی نے غوطہ میں جا کر کہا کہ یہ قول نووی کا ہے فتح المبین میں لکھا ہے، اُسی وقت فتح المبین شرح الربیعین امام نووی کی پیش کی گئی، عبارت اُس مقام کی بہ آواز بلند مع ترجمہ پڑھی گئی، پھر تو مولوی عبدالحی اچھی طرح سے قائل معقول ہو گئے، پھر اذ ان میں بعد دفن کے کلام ہوا، بعد کسی قدر تکرار کے کہا کہ میں کسی کو منع نہیں کرتا، پھر کلام ہوا سوم کے فاتحہ میں، بعد قیل وقال کے کہا کہ اگر اُس دن میں ثواب زیادہ جانتا ہے ممنوع اور اگر ثواب زائد نہیں جانتا اور برعایت مصلحت کے کرتا ہے تو منع نہیں ہے، تمام ہوا خلاصہ نقل مجلس کا۔

(سیف الجبار: ص ۵۰/ تا ص ۵۴)

مناظرے سے پہلے جو استفتاء مرتب کیا گیا تھا اس میں مندرجہ ذیل ۱۴ سوالات ہیں:

- (۱) شریعت کی تہہ تک پہنچنے کے لیے عقل و فکر سے بھی کام لیا جائے یا صرف نقل سے؟
- (۲) ایمان داروں کی رائے کو شرعی حسن میں دخل ہے یا نہیں؟ یعنی کسی امر میں ایمان والوں کے اتفاق رائے سے شرعی حسن اور خوبی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟
- (۳) اجماع حجت قطعی ہے یا نہیں؟
- (۴) قیاس شرعی حجت ہے یا نہیں؟

(۵) کتاب وسنت میں تاویل جائز ہے یا نہیں؟

(۶) قبروں کو بوسہ دینا شرک اور کفر ہے یا نہیں؟

(۷) جو شخص بدعتِ سیئہ (بری بدعت) کا فتویٰ دے اس کو ضال و مضل (خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا) کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۸) اگر کوئی شخص میت کو ثواب پہنچانے کے لیے بدنی عبادت کرے، جیسے تلاوت قرآن مجید یا روزہ رکھنا، نماز پڑھنی، و نوافل کا پڑھنا، کیا میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

(۹) اجماع کا نقل کرنے والا ایک معتبر عالم ہو تو اس کی نقل کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟

(۱۰) ابدان سے جدا ہونے والی روحوں میں شرعاً ادراک اور حس ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱۱) بدعتِ سیئہ (بری بدعت) کو اچھا سمجھنے والا کافر و مشرک ہے یا نہیں؟

(۱۲) مصاحف میں کلام الہی کا لکھنا بدعت ہے یا نہیں؟

(۱۳) قرآن مجید میں حرکات لگانا بدعت ہے یا نہیں؟ اگر بدعت ہے تو اچھی ہے یا بری؟ اور

قرآن مجید کو جمع کرنا کس حکم سے ہوا؟ قرآنی آیات کا حکم ہے یا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے؟ یا ان دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، لہذا بدعت ہے یا نہیں؟ اسی طرح ہر وہ حکم جو قرآن مجید کے نص

سے یا حدیثِ متین کے ظاہر سے نہ ہو بدعت ہے یا نہیں؟

(۱۴) رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کا نہ ہونا اور اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول و فعل کا نہ ہونا،

کسی قول یا فعل کے لیے عدم جواز کا سبب ہوتا ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیں اور اجر حاصل کریں۔

(مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان: ص ۱۰۹ تا ۱۱۵)



## حواشی

(۱)

دریں بلاذظیر حضرت عی و استاذی علیہ الرحمۃ بمشاہدہ نیامدہ لاریب وحید عصر و فرید دہر بودند غیر از تعلیم و تدریس طلبا و اعانت فقر و غریبا شب و روز شغلے دیگر مرغوب طبع مبارک نبود، عدد تلامذہ جناب بالوف رسیدہ..... تمام بدایوں احدے از تلمذ جناب شاں یا تلمذ تلامذہ جناب شاں خالی نیست (تحفہ فیض: ص ۲۸/۲۹)

(۲)

نقلت هذه المقامة السحنية والقصيدتين فى شهر رجب ١٣١١هـ/وكان المنقول عنه بيد المصنف غفر له الله ورحمة، يقال انه رحمه الله لما انشد هاتين القصيدتين فى المديح النبوى حكم له ببركته بالخلاص من السجن ومجيئه فى وطنه وسكنه ولكن كان ثمة مريضاً من زمان بامراضٍ عديدة فتوفى هناك: وكم حسرات فى بطون المقابر، صدق القائل: وكل ما قدر الرحمن مفعول

کتبه محمد عبدالمقتدر مطیع الرسول عفی عنه

(۳)

آں چہ در وصف قصیدہ حانیہ..... خامہ مشکلیں ختامہ شد باقتضائے قدر دانی با و قدر افزائی ہا است سوائے آں جناب کسے نیست کہ براو ایں متاع پیش کردہ شوم۔ (مکتوب علامہ فضل حق خیر آبادی بنام مفتی آزرہ مخزنہ کتب خانہ قادری بدایوں)

(۴)

والنظر الى الاختصار منعنا من التفصيل ومن شاء فليرجع الى افادات الفاضل الكامل الاجل الابلج المولى فضل الحق الخیر آبادی وهو بارض الهنداول من جرح مبتدعات النجدية ومفاسدهم، وآخر من بین شرح فساد عقائدہم فاطمن قلوب اهل یقین وحصل

اليقين للشاكرين والمترددين وهدى الله به كثير من الضالين، وله منة على كافة المسلمين  
واجر جزيل عند رب العالمين (المعتقد المنتقد: ص ١١٢)

### (٥)

وبعد فقد طالعت الرسالة التي صنفها ورصفها مولانا الاودع الاروع البارع  
المتبرع، الفارع المتفرع، الضارع المتضرع، ذو المناقب الثواب الجليلة، والانظار الثواب  
الدقيقة، الجامع بين العلوم العقلية والنقلية، ومعارف الشريعة والحقيقة، طلاع الشنايا والنجاد،  
ذائع الصيت فى انجاد الحقوفل قرن طلعمن النجد فى الاغوار والانجاد، العريف العريف،  
الشريف الغطريف، الصفى الحفى، الحصى الحفى مولانا المولوى فضل الرسول القادرى  
الحنفى متع الله المومنين بطول بقاءه وصانه فى حرزه ووقائه. وجعل خير ايامه يوم لقائه.  
فاذا هى مع وجازتها جامع لحقائق العقائد، دافع لمكائد اهل الحقائق، كلها تبيان و  
اصراح للحق الصراح، وتبيين لا وضاغ الهدى وايضاح، طلاع مطالع عباراتها الفصاح،  
لصبح الحق الصابح اصباح وافصاح، ولظلام ظلم المبطل كشف وفضاح، وتلائم الكلم  
التى سردت فيها بالاقتراح، الآم للقرائح بالهام الحق القراح، وكلم وقرح وجرح لمن اجترح  
الافساد والاستجراح، يهتدى بها الضليل الى سنن اهل السنة السنية، ويرتوى بها الغليل من  
شريعة الشريعة البيضاء النبهة، قد فصح بها فرق الفرق بين العقائد الحققة الدينية، وبين اباطيل  
الفرق الدينية، وافترضها عوار الاغوار الردية، من المعتزلة والنجدية، فاذ قد نجد بها الحق  
نجدوا، ترك كل نجدى منكودا منجودا، بل هالكاً ملحدوا، يجد عليها كل من بغى وطغى  
وجداء، ويجد بها كل من بغى فوجد الرشيد فيجد بها وجودا، (مرجع سابق: ص ١٢٣)

### (٦)

وبعد فانى نظرت فى الرسالة البالغة، والعجالة النافعة التى فيها الحبر المدقق، التحرير  
المحقق، الفاضل الكامل، العالم الفائق، البحر الخضم، الالمعى اللودعى، الاحوذى  
الاصمعى مولانا المولوى فضل الرسول البديونى القرشى القادرى فى تحقيق  
العقائد (مرجع سابق: ص ١٢٤)

### (٧)

وجدتها اجود لفظاً، واحسن معناً، واغر نظاماً، وازهر حكماً، وارفع شأنًا، وامنع  
مكاناً، لا يداينها كتاب قد صنف فى علم الكلام، ولا يساويها رسالة قد الفت فى  
هذا المرام (مرجع سابق: ص ١٢٥)



(۸)

فقد انتهى الى منتهى المقال فى شرح حديث لا تشد الرحال الذى صنفه و رصفه من تشد اليه الرحال لتحل عقد الاعضال و تساق اليه عناق الجمال لتعرف ما يروى من الاحاديث بالاسناد والارسال و تناخ بجنبه مطايا النزال لنيل المعارف والعوارف بالتفصيل والاحمال احب الاخلال الرضى خلال الذكى الزكى الخصال القسمين اليمين والشمال ملاك الكمال الباجل البجال الفاضل الفضال الامثل الاجل عن الامثال فى الفضل والآثال مولانا المولوى محمد صدرالدين خان بهادر لا زال فى بال واقبال۔ (منتهى المقال: ص ۴۱/۴۲)

(۹)

وكان بينه وبين استاذى العلامة محمد صدرالدين خان الدهلوى صدر الصدور بها مودة اكيدة ومحبة شديدة لانهما كانا شريكين فى الاشتغال على استاذ واحد وعلى ابيه الفاضل فضل امام ومع ذلك يسخط استاذى عليه فى بعض امور منها رده على الشيخ الحافظ الواعظ المحدث الاصولى الحاج الغازى الشهيد محمد اسماعيل الدهلوى ويقول لا ارضى منك ذلك وليس هذا بعشك (ابجد العلوم: بحواله نزهة الخواطر: ج ۷ ص ۴۱۳)

(۱۰)

مولوى فضل حق صاحب خير آبادى رحمته الله عليه كه از علمائے نامدار هند بودند و علم معقول در عهد خود امام فن، بخدمت شيخ الاسلام خواستگار خواندن فصوص شدند، و چند سبق از كتاب موصوف بحضور آنحضرت خواندند، روزے خدمت شيخ الاسلام فرمودند كه شمار بسبب كثرت مزاولت فنون فلسفه استعداد درك ايس علم شريف نيست، چنانچه در مولانا نائى مدوح از بركت تعليم شيخ الاسلام ايس اثر بود كه مى گفتند كه علوم معقولات كه در درس و تدريس ماست همه قشرست و علم تصوف مغز، ليكن عقل را قوت درك آي نيست۔ (مناقب حافظيه: مولانا هادي على خاں چشتى، ص ۹۴، مطبع احمدى كاپور ۱۳۰۵ھ)

(۱۱)

حق جل وعلا در سورة يسبين مى فرمايد: اوليس الذى خلق السموات والارض بقادر على ان يخلق مثلهم بلى' وهو الخلاق العليم انما امره اذا اراد شيئاً ان يقول له كن فيكون پس ضمير مذكر راجع است بسوئے جمیع بنی آدم زیرا كه آیه کریمه مذکوره در مقام بیان معاد واقع گردیده، پس هر كه در معاد زنده خواهد شد آن داخل است در کریمه مذکوره و ظاهراً است كه هر فردے از افراد انسانی در معاد زنده شدنى است پس مثل او بمقتضائے کریمه مذکوره داخل تحت قدرت الهیه باشد پس گویا ترکیب دلیل مذکور

بایں وجہ باشد کہ نبی ﷺ در معاد زندہ خواہند شد و آں از ضروریات دین است و ہر کہ در معاد زندہ خواہد شد پس وجود مثل او داخل است تحت قدرت الہیہ بمقتضائے کریمہ مذکورہ پس وجود مثل نبی ﷺ داخل شد تحت قدرت الہیہ و ہوا المطلوب (رسالہ یک روزی، مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۸)

(۱۲)

حق جلا و علا احيائے ارض و انزال مطر براحيائے موتی در معاد در آیات کثیرہ استدلال فرمودہ منہا و هو الذى انزل من السماء ماءً بقدر فانشرنا به بلدة ميتاً كذلك تخرجون و از ایجاد آدم علیہ السلام بے پدر بر امکان ایجاد حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہم السلام بے پدر استدلال نمودہ ان مثل عیسیٰ عند الله كمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له كن فيكون و بالجملة استدلال بوجہ مذکور در قرآن مجید شائع و متعارف است پس بریں تقدیر وجود نبی ﷺ خود دلیل باشد بر امکان وجود مثل ایشان نظر بر قدرت الہیہ، پس گویا ترکیب دلیل بریں تقدیر بایں وجہ خواہد بود ہر گاہے کہ وجود نبی ﷺ داخل تحت قدرت الہیہ باشد و وجود مثل ایشان ہم داخل تحت قدرت مذکورہ باشد پس وجود مثل ایشان ہم داخل باشد تحت قدرت مذکور لان حکم المثلین واحد فی الدخول تحت القدرة و عدمہ بمنطوق القرآن و هو المطلوب (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۹)

(۱۳)

اما برہان عقلی پس بیانش آن کہ وجود مثل مذکور متمنع بالغیر است و ہر متمنع بالغیر ممکن بالذات و ہر ممکن بالذات داخل تحت قدرت الہیہ پس وجود مثل مذکور داخل است تحت قدرت الہیہ و ہوا المطلوب، اما مقدمہ اولیٰ پس بیانش آن کہ مثل مذکور در نفس الامر معدوم است و ہر معدوم یا متمنع بالذات است یا متمنع بالغیر پس مثل مذکور یا متمنع بالذات است یا متمنع بالغیر لیکن متمنع بالذات نیست پس متمنع بالغیر است، اما صغریٰ و کبریٰ قیاس اول پس احتیاج بیان ندارد و اما قضیہ استثنائیہ در قیاس ثانی پس بیانش آن کہ مثل مذکور عبارت است از فردے کہ مشارک آن جناب باشد در ماہیت و اوصاف کمال پس امتناع بالذات یا بسبب امتناع مشارکت در ماہیہ خواہد بود یا بسبب امتناع اتصاف باوصاف مذکورہ بالنظر الی نفس الذات و پُر ظاہر است کہ ماہیت آن جناب انسان است و اشتراک ماہیہ انسانیہ در الوف الوف افراد متمنع نیست و اتصاف باوصاف مذکورہ نظر بنفس ماہیہ ہم متمنع نہ، والا اتصاف آن جناب ہم باوصاف مذکورہ متمنع می شد فان حکم المثلین واحد فیما ثبت و یسلب بالنظر الی نفس الماہیة والا لزم عدم اشتراك الماہیة بینہما فلزم عدم المماثلة هذا خلف پس مثل مذکور متمنع بالذات نباشد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۹)

(۱۴)

دلیل نقض بایں وجہ باشد کہ اظہار دخول سلب کمال رسالت از آنجناب تحت قدرت الہیہ اساءت ادب است بہ نسبت آن جناب واضلال عوام و ہرچہ چنین باشد پس آں شرعاً ممنوع است پس تلاوۃ آیات مذکورہ و بیان معانی آن شرعاً ممنوع باشد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۷)

(۱۵)

ترکیب دلیل بایں طریق کردہ شود کہ اظہار مماثلت آنجناب با حادریعیتہ بنی آدم اساءت ادب است بہ آنجناب واضلال عوام است پس شرعاً ممنوع باشد حالانکہ قل انما بشر مثلکم در مواضع عدیدہ از قرآن مجید واقع گردیدہ پس تلاوۃ آیات مشتمل بر آں کلمہ و بیان معانی آن شرعاً ممنوع باشد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۸)

(۱۶)

پس اظہار دخول نظیر آنجناب در تحت قدرت الہیہ لاسلم کہ اساءت ادب بہ نسبت آنجناب واضلال عوام باشد زیرا کہ اظہار مذکور مستلزم تنقیص آنجناب است نسبت بہ حضرت حق جل و علا چہ شریک الباری ممتنع بالذات است و شریک آنجناب ممتنع بالغیر و تنقیص آنجناب بہ نسبت حضرت حق اصلاً اساءت ادب با آنجناب واضلال عوام نیست بلکہ اظہار عبودیت آنجناب است کہ از اتم مقاصد دین است (مرجع سابق، نفس صفحہ)

(۱۷)

قوله وهو محال لانه نقص والنقص عليه تعالى محال، اقول: اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الہیہ داخل نیست پس لاسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد، چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع و القائے آں بر ملائکہ و انبیاء خارج از قدرت الہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی از ید از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع و القائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی است، بہ کذب مذکور آرمے منفی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر است۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۵)

(۱۸)

لہذا عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ می شمارند و اورا جل شانہ بہ آں مدح می کنند بخلاف اخرس و جماد کہ ایشان را کسے بعدم کذب مدح نمی کند و پر ظاہر است کہ صفت کمال ہمین است کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب می دارد و بنا بر رعایت مصلحت و مقتضی حکمت بتزہ از شوب کذب تکلم بکلام کاذب نمی آید ہماں شخص مدوح می گردد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۵)

(۱۹)

دریں ہنگام در شہر دودانش مند با ہم در آویختہ اند، یکے می سراید کہ آفریدگار ہمتائے حضرت خاتم الانبیاء

علیہ والہ السلام می تواند آفرید، وایں یکے می فرماید کہ متمنع ذاتی و محال ذاتی است (غالب اور بدایوں: ص ۳۰)

(۲۰)

اکنون واجب است بیان قول محقق در آنچه بعضی از ناظرین دریں مقام تقریر کنند و آن این است کہ بحث و خوض در امکان مثل آنحضرت ﷺ موجب منقصت شان نبوی و اسانت ادب است گو در قرآن مجید از ین امکان خبر داده چنانکہ در تفسیر آیت ولو شئنا لبعثنا فی کل قریة نذیرا گزشت لیکن مارا نمی باید کہ در این خصوص کلام کنیم (تحریر مفتی آزرده مشمولہ ایضاح الحق: ص ۱۵۶)

(۲۱)

الفاظی کہ در حق انبیاء علیہم السلام در قرآن مجید بطور عتاب وارد است مارا نشاید کہ بخصوصه آن لفظ را از الفاظ سابق و لاحق جدا نموده بر زبان آریم و در آن بحث و گفتگو نمائیم مثلاً لفظ ضال کہ در و وجـدک ضالاً فهدی واقع است بر آنحضرت ﷺ اطلاق کنند و بگویند کان ضالاً معاذ اللہ یا کہ قرأت سورہ عبس و تولى را کہ یک گونه عتاب است در آن از جانب حق تحسب خود التزام کنند در ہر نماز، علمائے محققین از آن منع کرده اند قال السید فی شرح المواقف ولا یجترأ علی الانبیاء باطلاق اللسان انتہی۔ علی الخصوص مقام سیدانام علیہ الصلاۃ والسلام کہ از ہمہ نازک تر است دریں جا ایہام سوئے ادب ہم موجب تزلزل در ارکان ایمان است۔ (مرجع سابق: ص ۱۵۷)

(۲۲)

اتمدح جاهلاً شراً شقیماً	تدار کہ من اللہ انتقام
وانکر جاحداً غیاً و جهلاً	شفاعة من یلوذ به الانام
وحرم ان یؤم بشد رحل	مزار دونہ البیت الحرام
وجوز ان یقول اللہ کذباً	وقول الکذب منقصۃ و ذام
فجوز ان یکون نظائر فی	الکمال لمن له الفضل العظام

(قصیدہ قلمی، مخزنہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)

(۲۳)

یا رحمة للعلمین ارحم علی	من لا له فی العلمین رثاء
افدیک من علی اسیر ماله	راث ولا من له وفداء
فاشفع له من دون ارجاء فقد	ضاعت علیہ الارض والارحاء

(باغی ہندوستان ص ۱۰۰/۱۰۱)

(۲۴)

یا رب انقذه من ایدی عدی کفر  
بجاء احمد محمود و حماد  
(باغی ہندوستان، ص ۱۱۴/۱۱۵)

(۲۵)

یا سید الخلق یا خیر الوری خلقاً  
افدیک محنی و محنی و اکفق محنی  
فاشفع و محنی و سل ربی لینجینی  
یا خیر من یرتجی یا خیر اجواد  
بالملیح یا خیر ممتاح و ممتاد  
ممن بلانی بتغربی وافرادی  
(باغی ہندوستان، ص ۱۱۶/۱۱۹ تا ۱۱۹)

(۲۶)

دریں مقام اثبات ہمیں قدر است کہ وجود مثل مذکور داخل است تحت قدرت نہ اثبات وقوع آل  
بالفعل (رسالہ یک روزی: ص ۱۳۸)

(۲۷)

اگر مقصود معترض این است کہ وقوع مثل مذکور بالفعل مستلزم کذب نص است پس مسلم است و کسے  
دعوی وقوع مثل مذکور بالفعل نکرده (رسالہ یک روزی: ۱۴۴)

(۲۸)

آرے قول بوقوع مثل مذکور تجویز کذب مسطور است معاذ اللہ من ذلک، واما قول بامکان مثل  
مذکور پس مستلزم امکان کذب مسطور نیست (رسالہ یک روزی: ۱۴۴)

(۲۹)

برادر صاحب گرامی مراتب اعز و ارشد نور العین شیخ انظہار حسین اسعدہ اللہ فی الدارین بعد سلام مسنون  
مطالعہ نمایند تحریر فاضل نحریر اس المدققین سنداً محققین لوزعی المعنی مولوی حیدر علی راہپوری زاد افادانہ در  
جواب فتویٰ مقبول تقویٰ نتیجہ فکر صامت و ذہن ثاقب امام زمان فرید دوراں الاستاذ المطلق مولوی فضل  
حق از داد برکاتہ متعلق بعبارة تقویت الایمان در بیان شفاعت کہ بخاکسار عنایت ساختہ اصرار انظہار حال  
موافق آں چہ در خاطر شکستہ بال خطور نماید نموده اند، حال آں است کہ مولوی فضل حق صاحب در  
جامعیت کمالات علمیہ و احاطہ علوم عقلیہ و نقلیہ من مبادیہا الی غایاتہا دریں جزو زمان نظیر ندارند الا ماشاء  
اللہ، آں چہ مشاہدہ و مسموع است ہم چنان است واللہ اعلم بالسرائر، و در زمانے کہ تخریر ایں فتویٰ پرداختہ  
بودند ارکان ایں فرقہ واعیان ایں طاغفہ کہ بادی ایں مبادی و بانی ایں مبانی بودہ اند موجود بودند چہ رنج ہا

نکشیدند و چغصہ ہانچیدند و چہ جگر ہا کہ خون نکردند فاما تاب مقاومت ساکت وصامت ماندند الخ (رسالہ تردید حیدر علی ٹوکنی قلمی: ورق ۱۱ الف)

(۳۰)

حمداً لله الموفق للصدق والصواب والصلاة والسلام على من اوتى الحكمة وفصل الخطاب وعلى آله واصحابه اهل الله كل له اواب ۛ بر خاطر عا طر ارباب صفوت وصفوا اصحاب نصف و حیا روشن باد کہ در زمانے کہ خبر رونق افروزی افضل المحققین و خیر المذققین مولانا مولوی حافظ محمد فضل حق خیر آبادی ادام اللہ فیوضہ در بدلہ لکھنؤ رسید بعضے پاک طینتاں با مولوی مراد آبادی مفتی کوتوالی لکھنؤ کہ گاہے نامش را محمد المدعو بسعد اللہ و گاہے ابو محمد الشہیر بسعد اللہ بدستخط اومی یا بم بشوری پر داختند ..... مفتی موصوف را بر مکالمہ با مولانا نے ممدوح می... اند چنانچہ اولاً ایں بزرگوار بحضور شاں بہ نہایت ادب و عقیدت آمد و رفت شروع کرد، بعد از اں روزے و فتنیکہ مولانا خضاب کردہ آمادہ قیلوہ و استراحت بودند با حکیم حاجی اسد علی کہ صاحب از اجلہ اصحاب شوری شان بودند حاضر شدند و بعد عرض آداب و عقیدت نیاز پر چہ کاغذ لے کہ بر آں عبارت شفا ئے شیخ مرقوم..... کردند الخ (روداد مباحثہ اول قلمی)

(۳۱)

مولانا مولوی فضل رسول بد اوئی مدظلہ کہ از افاضل و اذکیائے دہر و جامع علوم ظاہر و باطن اند، ایں سخن ہائے ناشائستہ ایشاں را شنیدہ فرمود کہ شا بسیار بد کردید و خرابی خود نمودید شمارا مناسب ایں بود کہ کتاب پیش مولانا نے فضل حق صاحب می داشتند و استفادہ علم می کردند تا اعتبار شامی شد، و علم شامی رونق می گرفت، و بزرگی و تعظیم مولانا ہم ظاہر می شود کہ مستفیدان در زمانہ سابق اگر بزرگ عالمے در شہر وارد شدہ ہم چنان کردہ اند، و فرض کردیم کہ اگر یک مسئلہ از مسائل بمولوی صاحب ممدوح معلوم نشد شمارا صد مسئلہ معلوم نیست، و اگر او شاں را صد معلوم شد شمارا..... معلوم نیست، پس دریں سخن ہائے ناشائستہ حرمان شما است بفضل مولوی صاحب ممدوح ضررے نیست (روداد مباحثہ اول قلمی)

(۳۲)

اما تفصیل مقال مرتبہ دوم ایں است کہ چون فقیر دویم شوال بملاقات عید با مولانا مشرف گردید الخ (روداد مباحثہ دوم قلمی)

(۳۳)

طرفہ ایں است کہ بزرگے چند سال پیشتر ایں قصیدہ را پیش فقیر آوردہ بیان کردہ کہ شخصے از علمائے مغرب ایں قصیدہ در مدح ہاکنس یکے از حکام نصاری گفتمہ در آخر سنین ہجریہ یک ہزار و دو صد و چہار و پنج

رقم پذیرفته بود مگر مولانا فی الجمله در آن تغییر فرموده، زیرا که مطلع آن قصیده چنین بود

وافت بشائر بالنفس ☆ ومضى زمان قد عبس مولانا آل را وافی بشیرا بالنفس ساختند

(۳۴)

تمت الرسالة للعلامة المشتهر فی الاطراف والاکناف المستغنی من المدحة والانصاف واقف سرائر الفروع والاصول کاشف رموز المعقول والمنقول مولانا و مرشدنا مولوی فضل رسول ادام الله ظلال افضاله علی مفارق المسترشدين۔ (مرجع سابق: ورق ۱۳/ب)

(۳۵)

حضرت معترض بعد ملاحظه این تحریر فرمود که مجیب تحقیق مسند پرداخته و خطاب بمانه نموده، اگر مخاطبه بما کردی نوشتم بداں سبب با اصرار مصرین جواب بطریق خطاب مرقوم گردید (مرجع سابق: ورق ۱۳/ب)

(۳۶)

بسم الله الرحمن الرحيم وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله اجمعين، قال المولى الاعظم سيدنا و مولانا المعظم امام اوانه رئيس اقرانه اكمل الحكماء اجل الفضلاء افضل العلما هو الذى يفتخر به الزمان فى زماننا فوالله ليس له مثل فى اذهاننا، منكر فضله على معاصريه اما جاهل واما مجنون، وما يجحد بامامته و رئاسته الا الحاسدون الطالحون، الكثير بالغاً ما بلغ فى مدحه قليل و الطليق المنطق فى وصف قليل من كثيره كليل، ذو الرئاسة الانسبة صاحب القوة القدسية الاستاذ المطلق المولى فضل حق ادام الله ظلاله و ضاعف اجلاله و احسن حاله و ماله (مرجع سابق: ورق ۱۳/ب)

(۳۷)

هذا ..... لمن لا مساس له فى العلوم والحكم نون والقلم ان هو الا كالحيارى فى الظلم لم يذكر اسمه استحياء فان دخل من لا دخل له لا يحصل من الخلق الا سخريه واستهزاء و ما اشبه حاله فى دفع ايراد المولى الاعظم كصخرة يريد ان يقاوم لقائمه سماء فان قلت فلم تصديت للجواب ان كان ما قلت فى حقلك حقاً عندك ولم يكن سمعة ورياء فاقول وقولى الحق ما وقعنى فى هذا الحطب الا امر بعض سادة من اهل بيت النبوة اصراراً و اغراءً فما فعلت ما فعلت الا امتثالاً (مرجع سابق: ورق ۱۵/ب)

(۳۸)

فانى القى الى كتاب كريم مسك الشميم، ازرى نثره الدر النظيم، ونشر نشأه النسيم،

منسقاً من راح شراب مزاجه من تسنیم، کاساً لا لغو فیها ولا تأثیم، فسلی الهیام واروی الیهیم، فسقسی السقیم ورقی السلیم واسی الکلیم و احی الریم من المہیم، الاروع العمیم، الاروع المزیم، الہمام العلی الہمم والغریم ذی الخلق الوسیم، والخلق الجسیم، الحلیم العلیم، المتکلم الحکیم، الذکی الزکی الخیم، الفرع الفارح الذی فرع ذوائب الفروع، والاصیل المجدد الرائی الذی برع فی تأصیل الاصول، فیعقل الیہ العقول، بحل عقل المعقول، وینقل الیہ الرجال رجالاً وعلی کل ضامر لیمیزوا نقل المنقول، المولی لمفصلاً للقبول، مولانا ومخدومنا المولی فضل رسول، ادام اللہ لارشاد الرواد، ارفاد الورد، فی ظل سابغ وعیش سانع بمحمد والہ الامجاد صلی اللہ علیہ وسلم. (مرجع سابق: ورق ۱۵/ب)

(۳۹)

اجوبہ سوالات پانزدہ گانہ کہ در رمضان رسیدہ در ماہ شوال با معان نظر دیدم جملہ جواب ہا نہایت برجستہ و پسندیدہ و بدلائل عقلیہ و نقلیہ بہ نیکوترین بیان ہا مدلل و مبرہن است، مگر در بعضی جا بقصور ادراک و فہم خود یک گونہ تردد دارم، و ایں است کہ در استفتائے سادس در جواب شخصے کہ کاذب بودن اوسبحانہ ممکن و مقدور اومی گوید، گواستدلال او بر اں محض از خرافات است مرقوم است کہ ”کذب اوسبحانہ نقض است و نقض اوسبحانہ محال بالذات پس از ممکنات نیست و قدرت آں را شامل نہ خواہد بود“ و عبارت شرح عقائد جلالی مجیب در سند آں آورده ظاہراً ایں قول دوائی در رد جواب شریف علامہ است کہ در شرح موافق گفته کہ ”استحالہ خلف در وعید اوسبحانہ و کذب در خبر اومنع است کیف و ہما من الممكنات التی تشملہا قدرتہ تعالیٰ و ناظرین شرح عقائد جلالی از جانب علامہ شریف جوابہا داده اند منها ما قال الفاضل اللاہوری حیث قال لا یخفی انہ موقوف علیٰ کونہ ممتنعاً بالذات ولا نسلم ذلک اذ لو کان ممتنعاً لما وقع من احد فهو ممتنع بواسطۃ انہ مناف لکمالہ تعالیٰ فیکون ممتنعاً بالغیر والامتناع بالغیر لا ینافی الامکان الذاتی انتہی۔ و قریب آں دیگر..... ہم گفته اند، اگرچہ بعد تفتیق نظر معلوم می شود کہ حق ہمین است کہ کذب اوسبحانہ و دیگر وجوہ نقض و نفی صفات کمالیہ از وے محال بالذات است و از ممکنات نیست و نہ در تحت قدرت اوست، لیکن اگر کسے قائل بہ امتناع بالغیر آں گردد مثبت بایں تاویل باشد کہ بعضی علما گفته اند گوایں تاویل فاسد است حکم کفر بروے حسب ضوابط و اصول فقہا صحیح است یا نہ؟ دریں باب تأمل دیگر ہم در کار است۔

دوئم ایں کہ کفر مجسمہ و مشبہ مختلف فیہ است محققین تکفیر ایشاں نکرده اند گویند کہ جہل باللہ من بعض الوجوہ موجب کفر نیست، قطع نظر از قول محققین در کفر مختلف فیہ فقہا تعین کفر نکرده اند۔ و ضال و مضل بودن



فائل آں اقوال شک نیست مع ہذا در وقت دیگر ہم ملاحظہ خواہم کرد، و آں چہ فہم ناقص ایں ہیچ کارہ  
خواہد آمد مفصل عرض خواہم کرد، ایں وقت برسبیل اجمال ایں چند حروف عرض داشتہ ام۔ والتسلیم بالوف  
التعظیم۔ (مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۸/الف، ب)

(۴۰)

بجناب مولوی صاحب والا مناقب مخدوم و مکرم، مطاع معظم، ملاذ عقیدت کیشاں،..... خیر  
اندیشاں، دامت عنایتا تم بعد تسلیم و تمنائے نیاز گزارش میکرد کہ عنایت نامہ نوازش..... بست و چہارم  
شوال فیض ورود بخشیدہ منت برجاں گزاشت (مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۸/ب)

(۴۱)

جناب افادت مآب افاقت..... مسند الوقت امام العصر رئیس الزماں حجۃ اللہ الاستاذ المطلق مولانا  
و بالفضل اولانا حضرت مولوی فضل حق دام دومہم پس از گزارش آنچہ باند و شائد عرض ایں است کہ جواب  
استفتائیکہ خادم از خدام بحضور آں قدوۃ الانام گزارانیدہ و ملازمان والا آں را پیش گاہ یکے از احباب  
عالی جناب خود بدولت کہ نام نامی آں جناب گرامی معلوم شد ارسال فرمودند، و تحریر آں تحریر کہ بحضور  
ملازمان رسیدہ ایں ہیچ مداں را مرحمت کردیدہ، و آں ایں است.... (مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۱۲/الف)

(۴۲)

ایں بے بضاعت فاقد الیاقیت کہ بزیارت آں کتب سعادت گردیدہ ہر چند فقرہ آخریں یعنی  
”در ضال و مضل بودن صاحب ایں اقوال شک نیست“ موجب تسکین مجیب و جملہ ناظرین  
گردیدہ، جزاہ اللہ خیراً فاما تقریر تردد و تامل حضرت تحریر کہ در آں تحریرست فقیر را ہم..... متردد و متامل  
نمودہ آخراً بعد فکر بسیار رفع تردد حقیر شد، بوجوہیکہ..... عرض کردش بوالا خدمت فیض موہبت و ہم  
بواسطہ ملازمان سامی بجناب حضرت تحریر صاحب تحریر مناسب نمود لا جدلاً حاشا و کلا بل استصلاحاً  
و استصواباً و کفی باللہ شہیداً (مرجع سابق: ورق ۱۲/ب)

(۴۲)

تحریر اجمالی و تفصیلی آں سرآمد علمائے عصر را در باب اتناع ذاتی کذب اوسبحانہ و ہم تحریر بعضی از  
احباب عالی جناب بوقت فرصت ملاحظہ کردم، دلائل کہ بر اثبات آں مدعا آورده اند بوعلی کہ رئیس الفلاسفہ  
و شیخ المشائے است بہتر از آں ننواند نوشت۔ مگر حضرت غور فرمائند کہ..... (سابق: ورق ۱۵/الف)

☆☆☆

## مراجع ومصادر

### (عربی)

- (۱) ازاحة اوهام الغفول عن كلام امام المعقول: معین الدین اجیری، جید برقی پریس دہلی، ۱۳۴۲ھ
- (۲) ازاحة شبهات الشادی: معین الدین اجیری، مطبع مفید عام لاہور، ۱۳۲۵ھ
- (۳) التحفة العلمية حاشية الهدية السعيدية: عبداللہ بلگرامی، مجلس البرکات، مبارکپور، ۲۰۰۱ء
- (۴) دیوان فضل الحق الخیر آبادی دراسة وتحقیق: سلمہ سیہول (غیر مطبوعہ)
- (۵) الظفر الحامدی: فضل حق رامپوری، مطبع سعیدی رامپور، ۱۳۴۲ھ
- (۶) العلامة فضل حق الخیر آبادی حیاته و آثاره: قمر النساء بیگم، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۸۶ء
- (۷) العلامة محمد فضل الحق الخیر آبادی، حیاته و شعره العربی: ممتاز احمد سیدی (غیر مطبوعہ)
- (۸) لواء الهدی: غلام یحییٰ بہاری، مطبع نجم العلوم لکھنؤ، ۱۳۱۱ھ
- (۹) مصباح الدجی: عبدالحی فرنگی محلی، مطبع نجم العلوم لکھنؤ، ۱۳۱۱ھ
- (۱۰) المعتقد المنتقد: فضل رسول بدایونی، مطبع اہل سنت پٹنہ، ۱۳۲۱ھ
- (۱۱) منتهی المقال: صدر الدین آزرده، شرف المطابع دہلی، ۱۲۶۸ھ
- (۱۲) نزہۃ الخواطر: حکیم عبدالحی رائے بریلوی، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۹۲ء
- (۱۳) نور العین فی ذکر مولد النبی وشہادۃ الحسین: قلندر علی زبیری پانی پتی، مطبع ناصری دہلی، ۱۲۸۱ھ
- (۱۴) الیالیع الجنی: محسن ترہتی، مطبع صدیقی بریلی، ۱۲۸۷ھ

### (فارسی)

- (۱) امتناع النظیر: فضل حق خیر آبادی، جادو پریس، جونپور، ۱۹۰۸ء
- (۲) تحریر مفتی صدر الدین آزرده در مسئلہ امتناع وامکان نظیر: مشمولہ ایضاح الحق الصریح، از ص ۱۵۰ تا ۱۵۸، مطبع فاروقی دہلی، ۱۲۹۷ھ
- (۳) تحفہ فیض: عبدالقادر بدایونی، فخر المطابع میرٹھ، سنہ ندارد
- (۴) فتویٰ تکفیر حیدر علی ٹوکی: مشمولہ تحقیق الفتویٰ از ص ۲۵۲ تا ۲۷۰، دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی، ۱۹۸۲ء
- (۵) مناقب حافظیہ: ہادی علی خاں چشتی، مطبع احمدی کانپور، ۱۳۰۵ھ
- (۶) یک روزی: اسماعیل دہلوی، مشمولہ ایضاح الحق الصریح، از ص ۱۳۷ تا ۱۵۰، مطبع فاروقی دہلی، ۱۲۹۷ھ

## (اردو)

- (۱) آثار الصنادید: سرسید احمد خاں مرتبہ خلیق انجم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی ۲۰۰۳ء
- (۲) آزاد کی کہانی خود آزادی کی زبانی: مرتبہ عبدالرزاق طلیح آبادی، طبع اول دہلی، ۱۹۵۸ء
- (۳) احوال ومقامات: محمد عبدالہادی قادری، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۰۹ء
- (۴) احوال ومقامات (قدیم): محمد عبدالہادی قادری، مطبوعہ حیدر آباد، ۱۹۹۱ء
- (۵) ارواحِ ثلاثہ: اشرف علی تھانوی، مرتبہ ظہور الحسن کسلوی، کتب خانہ امداد الغر باسہار پور سنہ ندارد
- (۶) افادات تراویہ: محمد تراب علی خان پوری، میرٹھ، ۱۸۶۹ء
- (۷) افادات صمدیہ: عبدالصمد سہوانی، مطبع الہی آگرہ،
- (۸) اکل التاریخ: محمد یعقوب ضیاء القادری، مطبع قادری بدایوں، ۱۹۱۵ء
- (۹) امتیاز حق: راجا غلام محمد، الجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۹۸۸ء، طبع چہارم
- (۱۰) باغی ہندوستان: عبدالشاہد خاں شیروانی، الجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۹۸۵ء
- (۱۱) برصغیر پاک و ہند کے چند تاریخی حقائق: محمد تنزیل صدیق حسینی، دارالفکر کراچی ۲۰۰۸ء
- (۱۲) برصغیر کے علمائے معقولات اور ان کی تصنیفات: عبدالسلام خاں، خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۶ء
- (۱۳) تاج الفحول نمبر، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۱۹۹۹ء
- (۱۴) تجلیات مہر انور: شاہ حسین گردیزی، مکتبہ مہریہ گولڑہ شریف، ۱۹۹۲ء
- (۱۵) تحقیق الفتویٰ: فضل حق خیر آبادی، مترجم عبدالکلیم شرف قادری دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی، ۱۹۸۲ء
- (۱۶) تذکرہ علمائے اہل سنت: محمود احمد قادری، کانپور ۱۳۹۱ھ
- (۱۷) تذکرہ علمائے ہند: رحمان علی، ترجمہ ایوب قادری، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء
- (۱۸) تذکرہ غوثیہ: شاہ گل حسن قادری، رزاقی مشین پریس حیدر آباد، ۱۹۳۶ء
- (۱۹) تذکرہ کامل: سید فرقان وحید ہاشمی، مکتبہ صمدیہ پھپھوند ضلع اوریا، ۱۹۹۵ء
- (۲۰) تذکرہ کاملان رامپور: احمد علی شوق، خدا بخش لائبریری پٹنہ، ۱۹۸۶ء
- (۲۱) تقویت الایمان: محمد اسماعیل دہلوی، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند
- (۲۲) تلخیص الحق: فضل رسول بدایونی، مطبع حسنی، ۱۲۷۰ھ
- (۲۳) حیات شہلی: سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، طبع چہارم
- (۲۴) حیات صدر الشریعہ: عبدالمنان اعظمی، رضا اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۱ء
- (۲۵) حیات العلماء: سید عبدالباقی سہوانی، قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی ۲۰۱۰ء
- (۲۶) حیات مولانا حکیم سید برکات احمد: مناظر احسن گیلانی، برکات اکیڈمی کراچی ۲۰۰۴ء

- (۲۷) خمیازہ حیات: محمد عبدالہادی قادری، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۰۹ء
- (۲۸) خیر آباد کی ایک جھلک: نجم الحسن خیر آبادی، نامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۹ء
- (۲۹) دربار عرس شریف: ضیاء القادری بدایونی، نظامی پریس بدایوں، ۱۳۷۷ھ
- (۳۰) سفر اور تلاش: محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات و تحقیقات اردو کراچی، سندھ نادر
- (۳۱) سوانح احمدی: جعفر تھانیسری، بلالی انسٹیٹم پریس، ساڈھورا ضلع انبالہ، بار دوم سندھ نادر
- (۳۲) سید سلیمان اشرف بہاری حیات و کارنامے: محمد علی اعظم خاں، رضوی کتاب گھر دہلی، ۲۰۰۹ء
- (۳۳) سیف البحار: فضل رسول بدایونی، مطبع صبح صادق سینٹاپور، ۱۲۹۲ھ
- (۳۴) صبیانۃ الاناس: حیدر علی ٹوکی، فخر المطابع دہلی، ۱۲۷۰ھ
- (۳۵) علامہ محمد فضل حق خیر آبادی: سلمہ سیہول، مکتبہ قادیان لاہور، ۲۰۰۱ء
- (۳۶) علمائے ہند کا شاندار ماضی: سید محمد میاں، جمعیت پبلی کیشنز لاہور
- (۳۷) غالب اور ابوالکلام: مرتبہ عتیق صدیقی مکتبہ شاہراہ دہلی
- (۳۸) غالب اور بدایوں: شمس بدایونی، غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی، اول، ۲۰۱۰ء
- (۳۹) غالب اور ہماری تحریک آزادی: شمیم طارق، ممبئی، بار دوم ۲۰۰۷ء
- (۴۰) فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون: محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء
- (۴۱) نور المؤمنین: فضل رسول بدایونی، مطبع مفید الحقائق دہلی، ۱۲۶۸ھ
- (۴۲) کلیات راغب: مرتب و ناشر طیب بخش بدایونی، بدایوں ۱۹۸۲ء
- (۴۳) مشاہدہ حافظی: نذر محمد خاں خیر آبادی، نظامی پریس لکھنؤ ۱۳۵۴ھ
- (۴۴) ملفوظ مصابیح القلوب: ظہیر السجاد چشتی، انتظامی پریس کانپور، ۱۹۵۷ء
- (۴۵) مناظرہ صمدیہ: مرتبہ نعمان احمد، اودھ پریس ۱۲۹۰ھ
- (۴۶) مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء
- (۴۷) مولانا معین الدین اجیری تلامذہ کا خراج عقیدت: محمود احمد برکاتی برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء
- (۴۸) مولانا معین الدین اجیری کردار و افکار: محمود احمد برکاتی برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء
- (۴۹) مولود منظوم: فضل رسول بدایونی، مرتبہ اسید الحق قادری، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۲۰۰۹ء
- (۵۰) نواب صدیق حسن خاں: رضیہ حامد، باب العلم پبلی کیشنز دہلی طبع دوم، ۱۹۹۸ء
- (۵۱) یوم فضیلت: ظہیر السجاد چشتی مشمولہ ملفوظ مصابیح القلوب، انتظامی پریس کانپور، ۱۹۵۷ء

### (مقالات و مضامین)

- (۱) علمائے خیر آباد و بدایوں کے روابط: حکیم محمود احمد برکاتی، تاج الفحول نمبر ماہنامہ مظہر حق بدایوں، ج ۸، شمارہ ۸، ۱۹۹۹ء
- (۲) فضل حق، فضل رسول اور آرزو: اسید الحق قادری، ماہنامہ جام نور دہلی دسمبر ۲۰۱۰ء

- (۳) مولانا فضل حق خیر آبادی دور ملازمت: ڈاکٹر ایوب قادری، مشمولہ مولانا فضل حق خیر آبادی ایک تحقیقی مطالعہ: مرتب افضل حق قریشی، ناشر الفیصل لاہور ۱۹۹۲ء
- (۴) مولانا معین الدین اجیری حیات و نظریات: نجم الحسن خیر آبادی، مشمولہ مولانا معین الدین اجیری تلامذہ کا خراج عقیدت، مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء
- (۵) نقوش و تاثرات: محمد اسرائیل پشاور، مشمولہ مولانا معین الدین اجیری تلامذہ کا خراج عقیدت، مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء

## (قلمی)

- (۱) تفسیر طہیات بینات: رقیہ بنت عبدالحق خیر آبادی (کتب خانہ خاتقاہ صدیہ پھچوند شریف)
- (۲) رسالہ سعد اللہ مراد آبادی در جواب مولوی سراج الدین
- (۳) رسالہ سلطان حسن بریلوی در جواب سعد اللہ مراد آبادی
- (۴) رسالہ فدا حسین در جواب عبدالحق خیر آبادی
- (۵) رسالہ فضل رسول بدایونی در تردید سید حیدر علی ٹوکی
- (۶) رسالہ فیض الحسن سہارنپوری در جواب سعد اللہ مراد آبادی
- (۷) رسالہ محمد سراج الدین برواشی سعد اللہ مراد آبادی
- (۸) رسالہ محمد سراج الدین در جواب الجواب سعد اللہ مراد آبادی
- (۹) رسالہ نامعلوم المصنف در جواب سعد اللہ مراد آبادی
- (۱۰) رسالہ نامعلوم المصنف در جواب سعد اللہ مراد آبادی
- (۱۱) رسالہ ہدایت علی بریلوی در جواب سعد اللہ مراد آبادی
- (۱۲) روداد مباحثہ اول فضل حق خیر آبادی وسعد اللہ مراد آبادی
- (۱۳) روداد مباحثہ دوم فضل حق خیر آبادی وسعد اللہ مراد آبادی
- (۱۴) شبہ لزوم لزومات اعتباریہ فی العقول المجردہ (رضا لائبریری رامپور)
- (۱۵) فتویٰ تکفیر سید حیدر علی ٹوکی
- (۱۶) مجموعہ قصائد علامہ فضل حق خیر آبادی
- (۱۷) مجموعہ مکاتیب فضل حق، فضل رسول، آزرہ
- (نمبر ۱ اور نمبر ۱۴ کے علاوہ باقی سب رسائل کتب خانہ قادریہ بدایوں موجود ہیں)



## مصنف ایک نظر میں

- نام: اسید الحق محمد عاصم قادری
- پیدائش: مولوی محلہ بدایوں (یو پی) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ / ۶ مئی ۱۹۷۵ء
- والد گرامی: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری
- جد محترم: حضرت مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی ابن تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری
- بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
- تعلیم: (۱) حفظ قرآن
- (۲) فاضل درس نظامی
- (۳) الاجازۃ العالیۃ، شعبہ تفسیر و علوم قرآن، جامعۃ الازہر الشریف مصر
- (۴) تخصص فی الافتاء، دار الافتاء المصریۃ قاہرہ، مصر
- (۵) ایم۔ اے (علوم اسلامیہ) جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
- مشغلہ: تدریس، تبلیغ، تحقیق، تصنیف
- خادم التدریس مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں
- ڈائریکٹر الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز بدایوں

## فلمی خدمات

تقریباً پچاس سے زیادہ مقالات و مضامین ہندوپاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں:

## تصانیف

- (۱) حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں (مطبوعہ)
- (۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ)
- (۳) احادیث قدسیہ: اردو، ہندی، انگلش، گجراتی (مطبوعہ)
- (۴) اسلام، جہاد اور دہشت گردی
- (۵) اسلام اور خدمت خلق

- (۶) جدید عربی محاورات و تعبیرات (مطبوعہ)  
 (۷) تحقیق و تفہیم: مجموعہ مقالات (مطبوعہ)  
 (۸) خامہ تلاشی: تنقیدی مضامین (مطبوعہ)  
 (۹) اسلام ایک تعارف: (مطبوعہ) انگلش، ہندی، مراٹھی  
 (۱۰) خیر آبادیات (مطبوعہ)

### ترتیب و تقدیم

- (۱۱) تذکرہ ماجد (مطبوعہ)  
 (۱۲) خطبات صدارت: مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)  
 (۱۳) مثنوی غوثیہ: مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)  
 (۱۴) علوم حدیث (مطبوعہ)  
 (۱۵) مولانا فیض احمد بدایونی: پروفیسر محمد ایوب قادری (مطبوعہ)  
 (۱۶) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل: مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی (مطبوعہ)  
 (۱۷) نگارشات محب احمد: مولانا محب احمد قادری بدایونی (مطبوعہ)  
 (۱۸) باقیات ہادی: مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی (مطبوعہ)  
 (۱۹) احوال و مقامات: مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی (مطبوعہ)  
 (۲۰) مولود منظوم مع انتخاب نعت و مناقب: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)  
 (۲۱) مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری (مطبوعہ)

### ترجمہ، تخریج، تحقیق (عربی سے)

- (۲۲) مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)  
 (۲۳) الکلام السدید فی تحریر الاسانید مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

### ترجمہ، تخریج، تحقیق (فارسی سے)

- (۲۴) احقاق حق: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

- (۲۵) اکمال فی بحث شد الرحال: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)
- (۲۶) حرز معظم: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)
- (۲۷) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)
- (۲۸) مکاتیب فضل رسول: مولانا فضل رسول بدایونی
- (۲۹) رد و افض: مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)
- (۳۰) تحفہ فیض: مولانا عبدالقادر بدایونی

### تسہیل و تخریج

- (۳۱) عقیدہ شفاعت: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ) اردو، ہندی، گجراتی
- (۳۲) طوابع الانوار (تذکرہ فضل رسول): مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی (مطبوعہ)
- (۳۳) فصل الخطاب: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

